لقد جاءكم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمؤمنين رءوف رحيم

كتاب مستطاب

سیرت رسول اللہ

تالیف

سید نواب علی رضوی ایم اے پرنسپل بہاء الدین کالج جوناگڈھ

باہتمام احقر العباد مرزا محمد جواد

[illegible]

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم

سیرت رسول اللہ

سید نواب علی رضوی ایم اے پرنسپل بہاء الدین کالج جوناگڑھ

باہتمام مرزا محمد سجاد مالک و مہتمم نظامی پریس ۔ کیمپ اسٹریٹ لکھنؤ میں چھپی

فہرست مضامین سیرت رسول اللہؐ

دیباچہ

گزشتہ صدی میں علوم جدیدہ کے روزافزوں انکشافات نے جب یورپ میں مذہب عیسوی کی بنیادیں ہلانا شروع کردیں تو سیرت حضرت مسیح پر سب سے پہلے جرمنی کے ایک عالم اشٹراس نے ۱۸۳۵ء[1] میں ایک کتاب لکھی جسمیں مسلمہ عقائد نصاریٰ کے علی الرغم حضرت مسیح کے حالات مندرجہ اناجیل اربعہ کو ناقدانہ حیثیت سے پیش کرکے دعوی کیا کہ چونکہ آپ کی ولادت، معجزات اور ورود وغیرہ سب مافوق العادۃ اور قانون فطرت کے خلاف ہیں اسلیے بجائے اسکے کہ انکو تاریخی تسلیم کریں اعجوبہ پرستی اور شاعریت پر محمول کرنا چاہیئے۔ اشٹراس کے اس دعوی نے دنیائے مسیحیت میں ایک انقلاب پیدا کردیا۔ اسپر طرہ یہ ہوا کہ جب ۱۸۵۹ء میں ڈارون کی معرکۃ الآرا تصنیف اریجن آف دی اسپشیز شائع ہوئی تو وہ جو ابن اللہ اور ثالث ثلثہ یقین کیا جاتا تھا سلسلہ ارتقا سے وابستہ نظر آنے لگا۔ تورات واناجیل داستان پارینہ قرار دیگئیں عقل ونقل کا ہنگامہ گیرودار گرم ہوا اور دہریت اور الحاد کی زہریلی ہوائیں چلنے لگیں۔

ہندوستان میں اسوقت مغلیہ سلطنت کے چراغ گل ہوجانے سے مسلمانوں کی خودمختارانہ حکومت اور سیاسی اقتدار کا خاتمہ ہوگیا تھا اور اُسی کے ساتھ اسلام کے دینی تفوق کے

---

[1] دیکھو "جیسس اِن دی نائنٹینتھ سنچری" Jesus in the 19th century" مصنفہ پروفیسر وائٹل صفحہ ...

مٹانے کی کوشش مبلغین مسیحیت کی طرف سے شروع ہو چکی تھی جس میں سر ولیم میور نے سب سے پہلے نمایاں حصہ لیا اور اسپرنگر کے طرز استدلال کی پیروی میں سیرۃ محمدی پر چار جلدوں میں ایک کتاب ۱۸۶۱ء میں شائع کی جس میں کتب مغازی و سیر کے ذخیرۂ روایات رطب و یابس سے اپنے مفید مطلب کام لے کر آنحضرت صلعم کے اخلاق و عادات، غزوات و سراپا اس انداز سے تحریر کئے کہ انکے مطالعے سے سوء عقیدت اور تنفر پیدا ہو جائے۔ اس کتاب سے جو زہریلے نتائج مسلمانوں میں پیدا ہونے والے تھے ان کو سب سے پہلے سر سید مرحوم نے محسوس کیا اور فوراً ایک تریاق کی تیاری میں مشغول ہوئے ۱۸۶۹ء میں نواب محسن الملک کے نام جو خطوط ولایت سے بھیجے ان میں لکھتے ہیں

"ان دنوں ذرا قدرے دل کو شورش ہے۔ ولیم میور صاحب کی کتاب کو میں دیکھ رہا ہوں اُسنے دل کو جلا دیا اور اسکی ناانصافیاں اور تعصبات دیکھکر دل کباب ہو گیا اور مصمم ارادہ کیا کہ آنحضرت صلعم کی سیرت میں جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا کتاب لکھدی جائے اگر تمام روپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے میں نے فرانس اور جرمن سے اور مصر سے کتب سیر منگانی شروع کر دی ہیں چھپیات روانہ ہو گیا گئیں سیرت ہشامی مطبوعہ اور چند کتابیں لیٹن کی خرید لیں ایک آدمی مقرر کر لیا جو لیٹن کا ترجمہ کر کر مضمون بتلا سکے ... ...

(دوسرا خط) مواعظ احمدیہ (یعنی خطبات احمدیہ) لکھنے میں شب و روز مصروف ہوں اُسکے سوا اور کچھ خیال نہیں۔ جانا آنا ملنا جلنا سب بند ہے۔ آپ اس خط کے پہونچنے پر میر ظہور حسین کے پاس جائیے اور دونوں صاحب کسی مہاجن سے میرے لیے ہزار روپیہ

> قرض لیجئے۔ ... ہزار روپیہ بھیجنے کیلیے دلی لکھا ہے اور لکھدیا ہے کہ کتابیں اور میرا اسباب یہانتک کہ میرے ظروف مسی تک فروخت کر کے ہزار روپیہ بھیجدو کیلئے اس کتاب کے پیچھے خراب و خود حرام ہوگیا ہوں خدا مدد کرے۔ (حیات جاوید حصہ دوم صفحہ ۱۱۶)

جس تلاش و محنت۔ خلوص اور جوش عقیدت سے سرسید نے اس معرکۃ الآرا کتاب کو تحریر کرکے وہیں ولایت میں اُسکا انگریزی ترجمہ شائع کیا اسکی نظیر ملنا مشکل ہے اس کتاب میں بارہ خطبے ہیں جو جادلھم بالتی ھی احسن کی تصویر ہیں اسلام کی حقانیت اور اس دین فطرت کا انسان کیلیے باعث رحمت ہونا اور ادیان سابقہ خاصکر دین عیسوی کو فائدے پہونچانا۔ قرآن مجید کا نزول اسکی جمع و ترتیب اور تحریر کی بحث اور اُسکا کامل اور منجانب اللہ ہونا پھر کتب تفاسیر اور احادیث پر تنقیدی نظر سے صحیح اور ضعیف روایات کا فرق دکھانا عرب اور کعبۃ اللہ کے تاریخی حالات اور قدیم جغرافیہ سے میور اور مخالفین اسلام کے اعتراضات متعلق نسب نامہ رسول اللہ کو دفع کرنا اور بشارات مندرجہ تورات و اناجیل کا آپ کی ذات پاک کیلیے ثابت کرنا پھر آخری خطبہ میں آنحضرت صلعم کے حالات بارہ برس کی عمر تک تحریر کرنا اور ارباب سیر کی ضعیف روایات کی قلعی کھولکر میور کے اعتراضات کا الزامی اور تحقیقی جواب دینا غرضکہ اپنی نوعیت اور وسعت نظر میں یہ پہلی کتاب حمایت دین برحق کی ہے جو اردو میں لکھی گئی۔

آنحضرت صلعم کی مقدس زندگی کے پورے حالات چونکہ اس کتاب میں تحریر کرنے کی نوبت نہیں آئی اسلیے سرسید نے اُسکا نام بجائے سیرۃ کے خطبات احمدیہ رکھا لیکن تصانیف مابعد میں جستہ جستہ حالات پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً تفسیر القرآن میں جہاں سورۂ انفال کی تفسیر

لکھی ہے تمام غزوات وسرایا کو ایک جا جمع کرکے بحث کی ہے۔ پھر وفات سے چند روز پیشتر "ازواج مطہرات" کے عنوان سے ایک بردست مضمون لکھنا شروع کیا تھا جو افسوس مارچ سنہ ۱۸۹۸ء میں پیغام اجل آجانے سے ناتمام رہا۔

سید کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک کسی نے اس مقدس موضوع پر توجہ نہ کی [۵۱]۔ اس کمی کو بیں بےچینی سے محسوس کرتا تھا۔ پھر یہ دیکھکر کہ مولانا شبلی مرحوم جنھوں نے اُسوقت تک الفاروق اور الغزالی ایسی قابل قدر کتابیں تصنیف کی تھیں اطرف متوجہ نہیں ہیں سنہ ۱۹۰۳ء میں جب مدرسۃ العلوم علیگڈھ کے اسٹاف سے میرا تقرر ریاست دکن میں ہوگیا اور ریاست کے مشہور کتبخانہ سے فائدہ اُٹھانیکا موقع ملا تو دس مضامین جنمیں آنحضرت صلعم کی پاکیزہ زندگی کے حالات طرز جدید میں مسلسل تحریر ہیں ایک کتاب کی شکل میں جسکا نام تذکرۃ المصطفٰے رکھا سنہ ۱۹۰۷ء میں شائع کیے اور ایک نسخہ علامہ ممدوح کی خدمت میں بھیجا کہ خدارا اب سیرت پاک پر قلم اُٹھایئے لیکن چونکہ وہ اس کام کو بڑے پیمانہ پر محققانہ کرنا چاہتے تھے اسلیے کچھ عرصہ تک خاموش رہے آخر جنوری سنہ ۱۹۱۲ء کے رسالہ الندوہ میں " ایک عظیم الشان تحریک یعنی آنحضرت صلعم کی مفصل اور مستند سوانحعمری مرتب کرنے کی تجویز " کے عنوان سے ایک اپیل شائع کی جس میں ایک مجلس تالیف سیرۃ نبوی کی ضرورت اور اسکی نوعیت کی تشریح کرکے پچاس [۵۲] ہزار روپیہ کے خرچ کا اندازہ لگاکر قوم سے فراہمی چندہ کی درخواست کی لیکن علیاحضرت نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ والی ریاست بھوپال

---

[۵۱] انگریزی میں البتہ جسٹس سید امیر علی مرحوم نے ایک محققانہ اور معرکۃ الآرا کتاب - اسپرٹ آف اسلام " لکھکر دین متین کی ایک بیش بہا خدمت انجام دی۔ یہ کتاب سب سے پہلے سنہ ۱۸۹۱ء میں لندن پھر سنہ ۱۹۰۲ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔

[۵۲] دیکھو مکاتیب شبلی حصہ اول صفحہ ۲۰۵۔

نے جوش عقیدت اور دریا دلی سے سارے مصارف اپنے ذمے لیے اور مولانا نے اسی سال جلدو سے اس کام کو شروع کیا اور جو صورت پیش آئی اسکی تشریح ہم اُن کے چند خطوط کو ذیل میں مکاتیب شبلی سے نقل کر کے درج کرتے ہیں۔

"سیرت کی چار جلدیں ہونگی۔ چاہتا ہوں کہ ہر قسم کے مطالب سیرۃ میں آجائیں یعنی تمام مسائل مہمات پر ریویو، قرآن مجید پر پوری نظر غرض سیرت نہ ہو بلکہ "انسائیکلوپیڈیا" ہو۔ اور نام بھی دائرۃ المعارف النبویہ موزوں ہوگا گو لمبا ہے۔"

(۶ ستمبر ۱۹۱۲ء مولانا شروانی کے نام)

"سیرۃ کے ۹۰۰ صفحے ہو چکے تھے لیکن نظر ثانی میں پھر کچھ کا کچھ ہو گیا۔ یورپ کی غلط بیانیوں کا ایک دفتر ہے اُنکے ایک ایک حرف کیلئے سیکڑوں ورق الٹنے پڑتے ہیں یہ کمبخت لکھتے تو جھوٹ ہیں لیکن بے پتہ نہیں لکھتے۔ یہاں ہمارے سیرت نگاروں نے خود بہت بے احتیاطیاں کیں ہیں۔ چاہتا ہوں کہ کام دو برس میں ہو گا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ سرکار بھوپال رقم بند کر دیں لیکن اب روپیہ کا نہیں بلکہ میری جان کا معاملہ ہے ہر حالت میں میں کام جاری رکھونگا اور اگر مر نہ گیا اور ایک آنکھ بھی سلامت رہی تو انشاء اللہ دنیا کو ایسی کتاب دیدونگا جس کی توقع کئی سو برس تک نہیں ہو سکتی۔"

(۲ نومبر ۱۹۱۲ء محمد امین کے نام)

افسوس مولانا کا یہ شاندار مذہبی کارنامہ اُن کے بے وقت انتقال اور مولویوں کے اختلافات کے باعث ناتمام رہا اور پہلی جلد بھی اُنکی زندگی میں شائع نہ ہو سکی۔ ذیل[۱] کے خطوط سے ان افسوسناک واقعات کا پتہ چلتا ہے۔

"مولویوں نے میرے کفر کے فتوے چار پانچ لکھکر بھوپال بھیجے ہیں اور

[۱] مکاتیب شبلی صفحہ ۲۲۳-۲۲۴-۲۹۵ وفات سے ایک ماہ پیشتر کا یہ خط ہے

اشاعت کفر میں سفرائے ندوہ سے کام لیا جا رہا ہے ۔"

" میں نے مسودہ مولوی عبید اللہ صاحب کے پاس بھیجدیا کہ وہ دیوبند لے کر جائیں آج اُنکا خط آیا کہ وہ گئے لیکن دیوبند پارٹی کو بھوپال سے اطلاع مل چکی تھی اوروہاں لوگوں نے مولوی محمود حسن صاحب کو باز رکھا کہ وہ مسودہ کا سرے سے دیکھنا ہی منظور کریں...... بہرحال اب غور کرنا چاہیے کہ کیا کیا جائے۔ چونکہ مولویوں نے ایک جتھا بنالیا ہے اسلیے سر دست اور کوئی مولوی بھی مسودہ دیکھنے کی ذمہ داری اپنے سر نہ لے گا ورنہ سمجھیگا کہ برادری سے خارج ہونا پڑیگا ۔" .....

" اگرچہ میں نے کہیں بخاری ومسلم کی روایتوں کو ضعیف نہیں ثابت کیا ہے لیکن بہرحال کتاب کا جھیلے میں پڑجانا بڑا درد سر ہے اور آجتک کہیں ایسا ہوا بھی نہیں کہ کسی مصنف پر ایسا دباؤ ڈالا جائے...... سیرت کا کام جاری ہے گو تاخیر طبع سے طبیعت اچھی طرح آگے نہیں بڑھتی ۔"

مولانا نے نومبر ۱۹۱۴ء میں وقت وفات یہ اہم دینی خدمت اپنے لائق شاگرد وجانشین مولوی سید سلیمان کے سپرد کی۔ سید موصوف کی ہمت کو صد آفرین کہ انھوں نے نہایت محنت اور قابلیت سے سیرۃ النبی کا حصہ اول پانچ سال کے بعد شائع کردیا اور اب تک بقیہ حصص کی تالیف وطبع کا سلسلہ جاری ہے لیکن جیسا کہ ابتدا میں علامہ مرحوم نے خیال کیا تھا۔ یہ سیرت نہیں بلکہ انسائیکلوپیڈیا یعنی دائرۃ المعارف النبویہ ہوگئی جسکا دائرہ استفادہ اسکی ضخامت کی باعث محدود رہیگا۔ ماسوا اسکے اگرچہ بقیہ حصص فاضلانہ تالیف ہوکر طبع ہورہے ہیں لیکن افسوس اسکا کیا علاج ہے کہ " جائے اُستاد خالیست ۔"

گزشتہ ۲۰ سال کے اندر اگرچہ اُردو میں سیرت نبوی پر اہل قلم نے متعدد چھوٹی بڑی

مفید کتابیں لکھیں لیکن اب زمانہ کا اقتضا کچھ اور ہے۔ علم موازنہ مذاہب کی روز افزوں ترقی اور ادیان مختلف کے قدیم ماخذوں کے قلمی نسخوں کی طبع و اشاعت نے پیشوایان مذاہب کی سیرت نگاری کیلئے معلومات میں اضافہ کر کے تنقید و تبصرہ کا میدان وسیع کر دیا ہے اب یورپ میں جن اصول پر سیرت مسیح کو پیش کرتے ہیں اور اُسکے ساتھ جس طور سے آنحضرت صلعم کی سیرت پاک کو قدیم ماخذوں کے حوالوں سے مسخ کر کے مستشرقین دام تزویر بچھاتے ہیں اُسکی طرف آجکل یہاں ہندوستان میں (جہاں مغربیت کی دُھن میں سیاسیات کی ہنگامہ آرائیوں نے طبقہ علما کو بھی مسحور کر لیا ہے) اگر کچھ توجہ کیجاتی ہے تو اسقدر کہ پبلک جلسوں میں جوش و خروش کے ساتھ نفرت و حقارت کے رزولیوشن پاس کرلیے یا کوئی وفد گورنمنٹ کی خدمت میں لیگئے چنانچہ ۱۹۲۶ء میں ایسا ہی ایک واقعہ پیش آیا جب مرہٹی انسائیکلوپیڈیا میں ایک مضمون متعلق آنحضرت صلعم شائع ہوا جو ابن اسحٰق کے حوالوں سے مارگولیوث کی ہرزہ سرائیوں کا ترجمہ تھا۔ اُسوقت مجھے خیال ہوا کہ اب اس مقدس موضوع پر پھر کچھ لکھوں اور احادیث و سیر کے قدیم ماخذوں سے رسول کریم صلعم کی پاکیزہ زندگی کے مستند حالات بانقل و قل تحریر کروں۔ چنانچہ ابتدائی تیسری صدی تک کے محدثین اور ارباب سیر کے تصانیف اور اُنکے شارحین مابعد کے تالیفات کو مطالعہ کر کے اور مخالفین اسلام کی تصانیف بزبان انگریزی نیز مشہور بانیان مذاہب کی سوانح عمریاں پیش نظر رکھکر واقعات اسطور سے قلمبند کیے

ملا انمیں دو کتابیں خاص طور سے قابل ذکر ہیں اول رحمۃ للعالمین دو جلدوں میں مصنفہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری صوفیانہ رنگ میں دوم اسوۃ الرسول پانچ ضخیم جلدوں میں مصنفہ خان بہادر سید اولاد حیدر بلگرامی۔ یہ کتاب سیرۃ النبی کے مقابلہ میں مناظرانہ پہلو لئے ہوے تحریر کی گئی ہے۔

کہ مخالفین کے اعتراضات بھی دفع ہوں اور اصل حالات آئینہ ہو کر زبان اُردو میں ایک معتبر اور مختصر متن موجود ہو جائے جس سے برادران ملت کے ایمان کو تقویت پہونچے اور اہل وطن کو ہدایت نصیب ہو۔

مجھے نہ تحقیق کا دعویٰ ہے نہ زور استدلال پر ناز لیکن حالات حاضرہ سے دل میں چوٹ سی لگی اور اسی حالت میں قلب مضطر نے ادعونی استجب لکم پر اعتماد کر کے دعا کی کہ الٰہی اس تحریر میں تاثیر پیدا کر تا کہ اُسوۂ رسول کریم صلعم کا جلوہ اس انداز سے دکھاؤں کہ جو موافق ہیں وہ وجد میں آئیں اور جو مخالف ہیں وہ اگر زبان سے نہیں تو دل میں تو قائل ہو جائیں وباللہ التوفیق فقط۔

جوناگڈھ

۲۷ رمضان المبارک ۱۳۴۸ھ مطابق

۲۷ فروری ۱۹۳۰ عیسوی

نواب علی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اگرچہ ادیانِ سابقہ کے تمام پیغمبروں اور ہادیوں کو منجانب اللہ مامور تعین کر کے اپنی امت کو صاف الفاظ میں ہدایت کر دی ہے کہ ان سب بزرگوں کی ہم عظمت کریں اور ان کی شان میں کسی قسم کی گستاخی روا نہ رکھیں، اتنا ہی نہیں بلکہ کتب سابقہ میں ان پاک نفسوں کی سیرت کے متعلق جو بیہودہ اور شرمناک روایات مندرج ہیں ان کو غلطی اور کوتاہ بینی پر محمول کر کے ان قدسی نفوس کی پاکیزہ روی اور خدا پرستی کی شہادت دیں، لیکن دیکھو کہ نبی اُمّی کی اس حق پسندی حقیقت شناسی اور وسیع الخیالی کا یہ صلہ ملتا ہے کہ اس دورِ تہذیب میں بھی جبکہ تحقیق اور ہمہ دانی کا دعویٰ نہایت بلند آہنگی سے کیا جاتا ہے، آپ کے واقعات زندگی پر ٹھنڈے دل سے انصافانہ نظر ڈالنا کیا معنی تدلیس کے آبدوزوں اور افترا کے طیاروں سے سیرت پاک کے سفینۂ نجات کو

غرق کرنا چاہتے ہیں۔

انسان کی طبیعت عجب متلون واقع ہوئی ہے، قریشِ مکہ نے جسے اس کی امانت اور صداقت کے صلہ میں "الامین" کا لقب دیا تھا اسی کو جب وہ ان کے تزکیۂ نفوس کیلئے کھڑا ہوتا ہے اور توحید کامل کی تعلیم دیتا ہے "ساحر" اور "مجنون" کہکر پکارتے ہیں، زمانۂ حال کے مستشرقین جسے پیغمبر مکہ تسلیم کرتے ہیں اسی کو جب وہ مدینہ میں اصلاح بین الناس کیلئے اسوۂ حسنہ کی عملی مثال پیش کرتا ہے عیش پرست اور دنیا طلب ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ قریش کی وہ جہالت تھی جس نے آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تھا اور جو اُسوقت اٹھا، جب فتح مکہ کے دن وہی جسکو انھوں نے ناحق طرح طرح کے ظلم و ستم کے بعد گھر سے نکالا تھا اور اسکے خون کے پیاسے تھے اُن سے جب کہ وہ لوگ قیدی بنے ہوئے موت و حیات کی کشمکش میں تھے یوں خطاب کرتا ہے۔

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ "آج تم پر کچھ الزام نہیں جاؤ

اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ تم سب آزاد ہو"

لیکن مستشرقین اور اُن کے مقلدین ہمارے ابنائے [illegible] علم ہے جو حجاب اکبر ہو رہا ہے۔ اِس ظلمت میں انھیں پیغمبر مکہ شاہ مدینہ نظر آتا ہے یعنی شاہی کا مفہوم استبداد اور تعیش جو ان کے ذہن میں ہے اور اسکے ساتھ

زمانہ موجودہ کی سیاسی چالوں کا جو نقشہ ان کے سامنے کھنچا ہے، وہ اُن انوارِ نبوت کو جو مدینۂ طیبہ میں آپ کے قول اور فعل سے صاف جھلکتے ہیں پوشیدہ کر دیتے ہیں لیکن ایک حد تک وہ معذور بھی ہیں جسکی تشریح کی ضرورت ہے۔

سیرت کی قدیم ماخذ

گزشتہ صدی میں یورپ نے علوم و فنون میں حیرت انگیز ترقی کے ساتھ مذاہبِ عالم کے متعلق معلومات کا ذخیرہ قدیم اور نایاب کتب کو تلاش کرکے اور اُن کے متون اور تراجم شایع کرکے جمع کر دیا جس سے تحقیق کا راستہ کھُل گیا۔ ہم یورپ کے اس احسان کو کبھی بھول نہیں سکتے کہ اسکے مایۂ ناز فرزندوں نے ہمارے اسلاف کے علمی کارنامے جو دستبُردِ زمانہ سے فراموش ہو چکے تھے ہمارے سامنے پیش کر دئے۔ کتبِ مغازی و سیر کے اصل ماخذ جو ہمارے قلمی کتب خانوں کی بربادی اور ہمارے ذوقِ علمی کے فقدان سے قریب قریب مفقود ہو چکے تھے مستشرقین یورپ کے مساعیٔ جمیلہ کے بدولت پھر ہم کو ملے۔ سب سے قدیم ماخذ محمدؐ ابن اسحٰق کی کتاب المغازی ہے۔ اصل کتاب تو ایک مدت سے مفقود ہو چکی ہے۔ لیکن اس کو جس شکل میں ابن ہشام نے (وفات ۲۱۳ھ / ۸۲۹ء) ابن اسحٰق کے ایک شاگرد زیاد ابن عبداللہ البکائی (وفات ۱۸۳ھ) کی روایت حذف و اضافے کے ساتھ مرتب کیا اور جس کا نام سیرۃ الرسول رکھا اسکو وُسٹنفلڈ نے ۱۸۶۰ء میں گوٹنگن سے شایع کیا جس کا جرمن ترجمہ گستاد ویل نے ۱۸۶۴ء میں طبع کرایا۔

دوسرا قدیم ماخذ طبقات ابن سعد ہے۔ رسول کریمؐ صحابہ اور تابعین کے حالات میں محمد ابن سعد (وفات ۲۳۰ھ / ۸۴۵ء) کاتب واقدی نے ایک ضخیم کتاب بارہ جلدوں میں لکھی تھی جو تقریباً نایاب ہو چکی تھی مگر قیصر ولیم نے ایک رقم کثیر عطا کر کے قسطنطنیہ اور مصر وغیرہ سے اس کتاب کے اجزا فراہم کرا کے ایک کامل نسخہ تیار کرا لیا، پھر پروفیسر ساخاو اور سات مستشرقین کے زیر اہتمام ۱۹۰۰ء میں اسکو طبع کرانا شروع کیا۔ اس سلسلہ میں واقدی کی کتاب المغازی کو بھی یاد رکھنا چاہیے جس کو ۱۸۵۵ء میں کریمر نے کلکتہ سے شایع کیا مگر یہ نسخہ ناقص تھا۔ ۱۸۹۲ء میں ولہاسن نے ایک دوسرے نسخہ کا ترجمہ برلن سے شایع کیا۔

تیسرا قدیم ماخذ محمد ابن جریر الطبری (وفات ۳۱۰ھ / ۹۲۳ء) کی تاریخ الامم والملوک ہے جسمیں واقعات عالم کے ساتھ آنحضرتؐ اور خلفاء کے حالات بھی مذکور ہیں۔ آنحضرت کے حالات زیادہ تر ابن اسحٰق سے منقول ہیں اس طور سے ابن اسحٰق کی کتاب کا معتد بہ حصہ طبری میں محفوظ ہے۔ اس مبسوط اور مشہور تاریخ کو نولاکی اور جے بارتھ نے چودہ برس کی محنت میں ۱۸۸۵ء میں جرمنی کی شہر لیدن سے شایع کیا اس سلسلہ میں تاریخ یعقوبی ابن واضح (وفات ۲۹۲ھ / ۹۰۵ء) بھی قابل ذکر ہے جسکو ہوتسما نے اسی شہر لیدن سے دو برس بیشتر شائع کیا تھا۔ اس میں آنحضرتؐ کے حالات جزو دوم میں مذکور ہیں۔ مغازی و سیر کے علاوہ علم رجال میں ابن حجر کی مشہور کتاب اصابہ کو اسپرنگر نے کلکتہ سے ۱۸۵۶ء میں شایع کیا۔

ان ماخذوں کی اشاعت سے مستشرقین یورپ کے معلومات وسیع ہو گئے اور اب انھوں نے عالمانہ رنگ میں سیرتِ نبوی اور اسلام پر قلم اُٹھایا، لیکن صدیوں کی قومی منافرت اور سیاسی تفوق کا غرور سنگ راہ ہو گیا۔ سوءِ اتفاق سے یہ وہ زمانہ تھا جبکہ اسلام کی سیاسی قوت پامال ہو رہی تھی۔ ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ کا چراغ گل ہو گیا تھا۔ ایران میں قاچاریہ آفتاب لبِ بام تھا اور یورپ کا "مردِ بیمار" ۱۸۷۷ء کے جنگ میں خرس روس سے بُری طرح زخمی ہو گیا تھا، مصر شیر برطانیہ کے پنجہ میں تھا اور مراکش کی پگڑی رندِ فرانسہ نے اُچھال دی تھی، ۱۸۶۱ء میں سر ولیم میور نے سیرتِ نبوی میں ایک مبسوط کتاب لکھکر شائع کی اور اسی سال اسپرنگر نے برلن سے سیرت پر اپنی تصنیف شایع کی۔ ان کتابوں کے متعلق مارگولیوث کا تبصرہ سُننے کے قابل ہے لکھتے ہیں :-

"میور نے جو سیرت لکھی وہ مسیحیت کی کھلی ہوئی جنبہ داری ہے اور اسپرنگر کی کتاب بعض لغزشوں اور نامعتبر آثار کی باعث بدنما ہو گئی ہے"۔

(دیباچہ محمد اینڈ رائز آف اسلام صفحہ ۴)

میور اور اسپرنگر اگر اسوقت زندہ ہوتے تو مارگولیوث سے جنھوں نے مسند امام احمد ابن حنبل کی ضخیم جلدیں مطالعہ کرلی تھیں ضرور یہ کہتے ؎

من اگرچہ عاشقم و رندو مست و نامہ سیاہ
ہزار شکر کہ یارانِ شہر بیگنہ اند

۱۸۶۰ء میں مشہور جرمن مستشرق نولاکی نے قرآن مجید[51] اور تیسرے سال سیر پاک پر اپنی معلومات شایع کئے۔ ۱۸۸۴ء میں ڈاکٹر ہل نے لیزگ سے سیرت نبوی پر ایک علمی تصنیف شایع کی جس میں نولاکی کے برخلاف انصاف سے بھی کام لیا۔ پھر ۱۸۹۶ء میں علی گڈھ کالج کے پروفیسر ڈاکٹر آرنلڈ نے اپنی مشہور کتاب پریچنگ آف اسلام وسٹ منسٹر سے شائع کی جس میں آنحضرتؐ کے متعلق انصاف سے اسقدر کام لیا کہ اکسفورڈ کے موجودہ پروفیسر مارگولیوث غالبًا برداشت نہ کر سکے اور نہ ۱۹۰۴ء میں سیر پر اپنی کتاب محمدؐ ایسی لکھی کہ جسمیں تدلیس و تخلیط کا کمال دکھا دیا۔

یہ جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے اُسکے وجوہ جو بھی ہوں لیکن اِس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جس طرح تورات وانا جیل میں انبیاے بنی اسرائیل کے متعلق بہت سے لغو اور شرمناک روایات[52] منقول ہیں اسی طرح آنحضرتؐ کی سیر کے متعلق ہمارے قدیم ماخذ کتب مغازی و سیر میں ویسی ہی روایات مندرج تھے۔ ان اکاذیب باطلہ کو جنھیں مورخین ما بعد نے تقلیدًا نقل کر دیا مستشرقین یورپ نے تنقیص رسول اور تفضیح اسلام کیلئے ایک سہل الوصول ذریعہ سمجھ کر خوشی سے تسلیم کر لیا اور پھر اپنے زورِ قلم سے رائی کا پہاڑ بنا دیا۔ اسلئے ہم پہلے ان قدیم ماخذوں اور اُن کے مصنفین پر

---

[51] نولاکی کے چند مشہور اعتراضوں کا جواب ہم نے تاریخ صحف سماوی میں دیا ہے دیکھو صفحہ ۱۵ سے ۴۴ تک
[52] دیکھو صفحہ ۰ سے ۴۱ تک تاریخ صحف سماوی

نظر ڈالتے ہیں ۔

قرآن مجید سیر رسول اللہ کا سب سے پہلا ماخذ ہے اس کی ۱۱۴ سورتوں میں آنحضرت کے ابتدائی حالات بعثت۔ عہد رسالت کے تعلیمات۔ خانگی زندگی اور غزوات جستہ جستہ مذکور ہیں۔ مغازی و سیر کا یہ سب سے پہلا ماخذ رسول اللہ کی حیات ہی میں ۲۳ سال کے اندر حفظ اور تحریر دونوں ذریعے سے محفوظ کر لیا گیا تھا۔ آپ کے وفات کے ایک سال بعد حضرت ابوبکرؓ نے پورا قرآن مجید ایک کامل نسخہ میں قلمبند کر لیا، جس کی چھ نقلیں حضرت عثمانؓ نے ۲۵ھ میں بلاد اسلامیہ میں بھیجدیں، پچاس سال تک یہی قرآن تھا جس میں سیر رسول اللہ کا مطالعہ ان آنکھوں سے ہوتا رہا جنھوں نے اس پیکر قدسی کو اس عالم رنگ و بو میں چلتے پھرتے دیکھا تھا لیکن جب کربلا اور حرہ کے ہولناک حادثوں میں آل عبا کی عظمت اور مہاجرین وانصار کی حرمت خاک و خون میں مل گئی اور وہ لوگ خلیفہ رسول بن بیٹھے جو بزنام کنندہ نکو نامے چند تھے تو سیرت پاک پر رطب و یابس روایات کا پردہ پڑنے لگا۔ یا وہ زمانہ تھا کہ سائب بن یزید کہتے ہیں[1] کہ عبدالرحمنؓ بن عوف۔ طلحہ بن عبداللہ۔ مقدادؓ اور سعد ابن وقاص ایسے جلیل القدر صحابہ کی خدمت میں رہا مگر مغازی و سیر میں کبھی آنحضرت کے متعلق کچھ کہتے نہ سنا، بجز اس کے کہ طلحہؓ غزوہ احد کا واقعہ بیان کرتے تھے یا اب وہ وقت آیا کہ ایک ہی واقعہ کے متعلق سیکڑوں مختلف روایات مشہور

---

[1] بخاری کتاب المغازی

ہونے لگیں تھیں اُموی دربار کے مقرب علما نے قلمبند کرنا شروع کیا۔ اور یہ خیال نہ کیا کہ :۔

کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُّحَدِّثَ	آدمی کے جھوٹ کیلئے اسقدر
بِکُلِّ مَا سَمِعَ	کافی ہے کہ وہ جو کچھ سُنے روایت کردے۔

اِس خرابی کی ابتدا عبد الملک ابن مروان کے عہد سے شروع ہوئی جو ۷۳ھ میں حضرت عبد اللہؓ ابن زبیرؓ کو کعبہ میں شہید کرکے دنیائے اسلام کے سیاہ و سفید کا مستقل حاکم بن بیٹھا۔ عبد الملک بحیثیت ایک بادشاہ کے بیدار مغز اور مدبر تھا اسنے اسلام کی دنیاوی سلطنت کا پایہ مضبوط کیا۔ دفتر سلطنت کو سب سے پہلے عربی زبان میں منتقل کیا اور اپنا سکہ (درہم و دینار) قلمرو اسلام میں جاری کیا۔ چونکہ سلاطین میں شاہی خاندان کی تاریخ لکھنے کا دستور تھا مغازی کی طرف توجہ کی اور حضرت عُروہ بن زبیرؓ کو جو حضرت عائشہؓ کے تربیت یافتہ اور سیرت نبوی کے عالم تھے خطوط لکھکر واقعات جمع کرنا شروع کئے۔ ایک خط میں عروہ کو لکھا کہ ابوسفیان کے حالات متعلق جنگ بدر لکھ بھیجو اِس خط کا جواب طبری نے اپنی مشہور تاریخ میں نقل کیا ہے[۵] اسیطرح اور دوسرے مراسلات کو بھی۔ یہ جو بعضوں کا قول ہے کہ عروہ نے فن مغازی میں سب سے پہلی کتاب لکھی اسکی اصلیت اسیقدر ہے۔ فقہ کے متعلق البتہ انھوں نے احادیث جمع کئے تھے مگر وہ مجموعہ

---

[۵] طبری جزء ثانی صـ۲۶۷

واقعہ حرہ میں ضائع ہو گیا جس کا انھیں ہمیشہ افسوس رہا۔[1] اسی زمانہ میں مشہور محدث زہری پیدا ہوئے جنھوں نے فن مغازی میں تصنیف کا سلسلہ قائم کیا۔ ذیل میں ان کے حالات مجملاً درج کئے جاتے ہیں۔

محمد بن مسلم زہری قریش کے قبیلہ بنی زہرہ سے تھے سن ولادت میں اختلاف ہے۔ ابن حجر نے ابوداؤد سے احمد بن صالح کی یہ روایت نقل کی ہے کہ لوگ کہتے تھے زہری ۵۰ھ میں پیدا ہوئے لیکن یحییٰ بن بکیر کے نزدیک ۵۶ھ اور واقدی کے نزدیک ۵۸ھ ہیں۔ اس اختلاف نے یہ بحث پیدا کر دی کہ جب سن ولادت متعین نہیں اور تیس سال کا فرق ہوتا ہے تو بہت سی روایات جن کی سماعت صحابہ سے زہری نے نقل کی اور جو اس مدت میں وفات پا چکے تھے کہاں تک بلاغات زہری ہیں یعنی انکا سلسلہ زہری ہی پر منقطع ہو جاتا ہے مثلاً معمر کہتے ہیں کہ زہری نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے سماعت حدیث کی لیکن احمد اور ابو حاتم اسکے قائل نہیں مزید ثبوت اس طور سے ہوتا ہے کہ ابن حجر صالح بن کیسان کے حالات میں لکھتے ہیں: "صالح اکبر من الزهري ادرك ابن عمرؓ"

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا سال وفات ۷۳ھ ہے اسلئے زہری یا تو اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے یا بہت خورد سال تھے۔ زہری کے والد مسلم مصعب بن زبیر کے رفقا میں تھے مصعب ۷۲ھ میں ایک خونخوار جنگ کے بعد عبدالملک ابن

---

[1] طبقات ابن سعد جزو پنجم صفحہ ۱۱۳ [2] تہذیب التہذیب جزو رابع صفحہ ۳۹۹

مروان کے مقابلہ میں مارے گئے زہری کا نشو ونما اموی دربار کے سایہ میں ہوا اور آخر عمر تک مقرب بارگاہ رہے۔ ہشام ابن عبد الملک نے جو ۱۰۵ھ میں تخت نشین ہوا۔ زہری کو اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کیلئے مقرر کیا تھا۔ مگر زہری میں یہ صفت نہایت قابل قدر ہے کہ وہ درباداری کی برائیوں سے بچکر نشر حدیث اور خدمت دین میں مصروف رہے اور مغازی میں بھی روایات قلمبند کئے لیکن حضرت عمر ابن عبد العزیز جنہوں نے خلفاء راشدین کے طریقہ کو پھر زندہ کیا تھا اپنے مختصر دوران حکومت (۹۹ھ سے ۱۰۱ھ تک) میں جب رد مظالم اور دینی اصلاحات کے ساتھ فن مغازی وسیر کی طرف بھی توجہ کی تو عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری کو جامع دمشق میں اس فن کا معلم منتخب کیا۔ زہری کا انتقال ۱۲۳ھ میں ہوا۔ ان کے تصانیف کے دفتر کے دفتر ولید ثانی کے قتل کے بعد جو ۱۲۶ھ میں واقع ہوا شاہی خزانہ سے نکالے گئے[۱]۔ وہ زمانہ بنی اُمیہ کے زوال کا تھا اور انقلاب عظیم رونما تھا۔ ان کے تصانیف باقی نہ رہے۔ ہاں روایات رفقار کے ذریعہ سے مشہور ہیں جنہیں مغازی و سیر میں موسیٰ بن عقبہ اور محمد ابن اسحٰق خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ نے (وفات ۱۴۱ھ) مغازی پر ایک کتاب لکھی مگر وہ مدت سے مفقود ہے ہاں کتب سیر میں روایات کے حوالے آتے ہیں۔ محمد ابن اسحٰق نے جو خدمت انجام دی اُس کی تفصیل یہ ہے۔

---

[۱] طبقات ابن سعد جزو دوم صفحہ ۱۳۶

محمد ابن اسحق

ان کے دادا یسار کو حضرت ابوبکر کے عہد خلافت میں خالد ابن ولید نے شہر انبار کے ایک مقام عین التمر سے گرفتار کیا تھا[1] جب سے انکا خاندان مدینہ میں قیس مطلبی کے موالیوں میں داخل ہوکر رہنے لگا۔ ان کی ولادت کی تاریخ ضبط نہیں کی گئی لیکن چونکہ حضرت انسؓ بن مالک کو دیکھا تھا جنکا سن وفات سنہ ۹۱ھ ہے اسلیے عبدالملک بن مروان کے آخری عہد میں ان کی ولادت ہوئی ابتدائی زندگی مدینہ میں طلب علم میں گزری مگر امام مالک سے جو ان کے ہمعصر تھے، مخالفت ہوجانے سے سیاحت اختیار کی۔ ان کو آثار و سیر کا شوق تھا اور اس شوق میں وہ مسلم اور غیر مسلم سب کے روایات لے لیتے تھے مگر امام مالک ایک بڑے محتاط فقیہ تھے جیسا کہ ان کی مشہور کتاب مؤطا سے ظاہر ہوتا ہے اسلیے یہ دونوں ایک جا جمع نہ ہوسکے ایک موقع پر ابن اسحق نے اپنے وسیع معلومات کی بنا پر کہدیا کہ

اعرضوا علی علم مالک فانی — مالک کا علم میرے سامنے پیش کرو

بیطارہ — میں اسکا سلوتری ہوں۔

امام مالک کو خبر ہوئی۔ یہ خیال کرکے کہ اس شخص کی روایات سے فتنے پیدا ہوسکتے جل کر کہنے لگے :-

انظروا الی دجال من — دجالوں میں سے ایک دجال

الدجاجلۃ[2] — کو دیکھو!

---

[1] ابن خلکان جلد اول صفحہ ۴۰۲ و صفحہ ۴۰۳ [2] میزان الاعتدال ذہبی صفحہ ۲ جلد سوم

لیکن حق یہ ہے کہ نہ ابن اسحٰق امام مالک کے تفقہ کا مقابلہ کر سکتے تھے اور نہ امام موصوف کا طعنہ درست تھا، اگر مالک نے فقہ میں درجہ امامت حاصل کیا تو ایک غلام کے پوتے نے بھی اپنی بیش بہا خدمات کے صلہ میں ائمہ دین کی زبان سے امام المغازی کا لقب حاصل کیا۔

غرضکہ مدینے سے نکل کر ۱۱۹ھ میں ابن اسحٰق اسکندریہ پہونچے، پھر کوفہ، جزیرہ اور رَی میں پھرتے پھراتے آخر بغداد میں سکونت اختیار کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بنی اُمیّہ کی حکومت کا دفتر اُلٹ چکا تھا، اور اُن کے دل وہلانے والے مظالم کا بدلہ ایسی سفاکی سے دیا جا رہا تھا جس کی اسلام نے اجازت نہیں دی تھی۔ رسُول کریم نے اپنے مقتول دشمنوں کو غزوۂ بدر میں دفن کیا لیکن عباسیون کے پہلے تاجدار سفاح نے ۱۳۲ھ میں حکومت حاصل کر کے نہ صرف ہزاروں بنی اُمیّہ کو بیدریغ تہ تیغ کیا بلکہ مُردوں کی لاشیں بھی قبروں سے نکال کر پھکوا دیں۔ اِس وحشیانہ فعل کے متعلق زمانہ حال میں جبکہ اسلام کی خوبیاں بھی برائیوں کی شکل میں دکھائی جاتی ہیں ایک منصف مزاج انگریز مصنّف کیا خوب کہتا ہے۔

" دمشق میں خلفاے بنی امیہ کی قبور کی توہین اور اُن کی لاشوں کی بر ملا بےحرمتی کی باعث بنی عباس ملعون ہیں لیکن حال میں چونکہ اس رسم کی ایک انگریز جنرل نے تجدید کی ہے جسے اسکے ہموطنوں کی، ایک جماعت کثیرہ نے اگر تعریف نہیں تو درگذر کر دیا ہے اسلیے ہم کو زیبا نہیں ہے کہ ہم سختی کے ساتھ اُن (عباسیوں)

کی مذمت کریں[۱] :

سفاح کے بعد اُسکا بھائی منصور ۱۳۶ھ میں تخت نشین ہوا۔ منصور عباسیوں کا عبدالملک ہے اُسنے عباسیوں کی حکومت کی عمارت ایسی مستحکم کر دی کہ چھ سَو برس تک قائم رہی۔ وہ مدبر متقن اور علم دوست تھا۔ اسکی سرپرستی میں ابن اسحٰق نے اپنے وسیع معلومات اور مجموعہ روایات کو قلمبند کرنا شروع کیا۔ اسوقت تک سیرت نبوی میں کوئی مستقل اور مفصل کتاب نہ تھی۔ قرآن مجید اگرچہ آپ کے خلق عظیم اور اُسوۂ حسنہ کا آئینہ تھا لیکن اب تفسیر اور شان نزول کی تشریح کا محتاج تھا۔ اسلام کے فتوحات چین سے اندلس تک اور نومسلموں کی تعداد لاکھوں تک پہونچ چکی تھی جن مین یہود، نصاری، مجوس سبھی تھے حضرت موسےؑ کے مغازی و سیر کتب عہد عتیق میں اور حضرت عیسےؑ کے حالات اناجیل میں موجود تھے۔ زرتشت اور بزرگان عجم کی داستانیں دساتیر اور پہلوی کتابوں میں متداول تھیں، جن میں سے بعض کا عربی میں ترجمہ بھی ہو چکا تھا۔ ہشام بن عبدالملک کے میر منشی جبلہ بن سالم نے ۱۳۱ھ میں عجم کی ایک مفصل اور مبسوط تاریخ کا ترجمہ کیا تھا جسمیں سلاطین کے تصاویر بھی ان کی خاص وضع قطع، لباس و زیور کے ساتھ شامل تھیں[۲]۔ اسیطرح عبداللہ بن المقفع نے جو پہلوی کا عالم اور عربی کا مستند اُستاد تھا منصور کے عہد میں ایران کی ایک دوسری مفصل اور مقبول کتاب السیر خدای نامہ کا ترجمہ کیا تھا۔

---

[۱] براؤن لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد اوّل صفحہ ۲۴۵ [۲] مسعودی کتاب الاشراف صفحہ ۱۰۶

جس کا نام تاریخ ملوک الفرس[1] رکھا۔ غرضکہ گرد وپیش کے یہ حالات تھے جب ابن اسحٰق نے منصور کو قدر دان اور مہربان پاکر سیرت نبوی دو حصوں[2] میں لکھی (۱) کتاب المبدا و قصص الانبیاء (۲) کتاب المغازی۔

مگر یہ قابل قدر کتاب مدت ہوئی مفقود ہوگئی ہے۔ ہاں ابن ہشام نے جسطور سے اسکو مرتب کیا اور طبری نے جو اقتباسات اپنی تاریخ میں نقل کئے وہ موجود ہیں۔

ابن اسحٰق اگرچہ جدت تحریر، طرز ادا اور جامعیت کے لحاظ سے سیرت نبوی کے پہلے مصنف اور امام المغازی کہلائے (لیکن جیسا کہ ہم آگے بالتفصیل بیان کرینگے) چونکہ اکثر منقطع روایات اور اہل کتاب کے جاہل اقوال اور سیکڑوں اشعار جن میں بہت سے جعلی ہیں کتاب کو دلچسپ بنانے کیلئے درج کر دیے اسلیے فن حدیث کے ثقہ علما کی نظروں سے گر گئے اگرچہ بعضوں نے تعریف بھی کی۔ محدث دارقطنی نے وفات (۳۸۵ھ) خوب فیصلہ کیا ہے۔

هو صالح الحديث ما له	وہ حدیث میں صالح ہے میرے نزدیک
عندي ذنب الا قد حشا في السير	اس میں کوئی برائی نہیں سوائے اسکے کہ وہ
من الاشياء المنكرة المنقطعة والاشعار المكذوبة	سیرت میں منکر اور منقطع باتیں اور جھوٹے
(میزان الاعتدال ذہبی صفحہ ۱۸ جلد سوم)	اشعار ملادیا کرتا تھا۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد دوم صفحہ ۳۴۴ [2] ابن ندیم الفہرست صفحہ ۹۲

واقعی ابن اسحٰق نے ایک ایسا تختہ گلاب تیار کیا تھا جہاں پھول چننے کیلئے کانٹے ہٹانے کی ضرورت تھی انھیں کانٹوں کو مخالفین اسلام زہر آلود کرکے چبھوتے ہیں لیکن تحقیق اپنا گلدستہ آپ بناتی ہے اور بوئے انصاف چھپی نہیں رہتی ابن اسحٰق نے یہود خیبر اور انکی اولاد کے اقوال نقل کئے۔ ابوجہل اور عتبہ وغیرہ کفار قریش کے جو مرثیے مکہ میں لکھے گئے تھے اُن کو بھی نقل کیا۔ ظاہر ہے کہ مرثیوں میں کسقدر اور کسطرح جذبات برانگیختہ کئے جاتے ہیں لیکن ابن اسحٰق کی یہ دیانت تھی کہ سیرت پاک لکھتے وقت مخالفین کے اقوال کے سیاہ بادل بھی دکھا دیے تاکہ آفتاب حقیقت اور زیادہ چمک کو نظر آئے۔

محمد ابن عمر الواقدی یہ بھی بنی ہاشم کے موالیون میں ہیں ۱۳۰ھ / ۷۴۷ء میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں علم دین حاصل کیا۔ ان کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ ذہبی لکھتے ہیں کہ اخبار و سیر اور مغازی مین واقدی کا حافظہ منتہائے کمال کو پہونچ گیا تھا۔ بچاس سال کی عمر میں بغداد آئے۔ جو ہارون الرشید کی علم دوستی اور قدر شناسی کے باعث علم و فضل کا مرکز تھا۔ واقدی نے وہیں سکونت اختیار کی اور جب مامون الرشید کا زمانہ آیا اور وہ خراسان سے بغداد میں داخل ہوا تو واقدی کی بڑی قدر کی اور جانب شرقی کا قاضی مقرر کیا جہاں انھوں نے تادم مرگ اس عہدہ پر فائز رہ کر ۲۰۷ھ میں انتقال کیا۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ واقدی جود و سخا میں مشہور تھے ابراہیم حربی

انکو اعلم الناس بامر الاسلام کہتے تھے۔ انھوں نے سیر میں کتاب المغازی لکھی اور ایک کتاب الردۃ جس میں آنحضرت کی وفات کے بعد مرتدین عرب کے حالات قلمبند کئے۔ فتوحات اسلامی کی بھی تاریخ لکھی[۵۱] غرضکہ واقدی نقل روایات کے ایک دریائے ذخار تھے لیکن ساتھ ہی سیرت پاک میں جس بے احتیاطی سے انھوں نے رطب و یابس روایات کو مخلوط کر کے واقعات تحریر کئے وہ اُن کے دامن علم پر ایک بدنما داغ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ محدثین نے ان کو سخت الفاظ میں یاد کیا۔ امام احمد حنبل نے ان کو کذاب کہا اور امام بخاری نے متروک الحدیث۔ نسائی نے کہا کہ رسول اللہ پر جھوٹ بولنے والے مدینہ میں واقدی تھے اور خراسان میں مقاتل بن سلیمان۔ حالانکہ مقاتل کو امام المفسرین کا بھی لقب دیا گیا ہے[۵۲] جن کا انتقال سنہ ۱۵۰ھ ہوا۔

ائمہ حدیث کا یہ فیصلہ جن وجوہ پر مبنی ہے ان کی تفصیل روایات واقدی کے ضمن میں ہم اس کتاب میں بیان کرینگے۔ یہاں صرف ایک مثال دیتے ہیں۔

رسول کریم جب رومیوں کے اجتماع کی خبر سنکر سنہ ۹ھ میں تبوک واقع شام کیجانب گرمیوں کے موسم اور عسرت کیحالت میں بعزم جہاد روانہ ہوتے ہیں تو واقدی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ نے یوں فرمایا

تغزوا غزوا تغنموا بنات الاصفر	میرے ساتھ ملک شام چلو شاید تمہیں رومی
ان تصیبوا بنات الاصفر فلما ذکر لھم رسول اللہ	خوبصورت لڑکیاں ملجائیں پس جب رسول اللہ نے

---

۵۱ ابن خلکان وفیات الاعیان صفحہ ۵۰۶ جلد اول ۵۲ ابن خلکان صفحہ ۱۱۲ جلد دوم

بنات الاصفر فقام رجل بن قیس حتی	حیسنان روم کا ذکر کیا ایک شخص جد بن قیس
من الانصار فقال یا رسول اللہ قد علمت	نصاریوں میں سے کھڑا ہو کر کہنے لگا یا رسول اللہ
الانصار اعجابی بالنساء وانی اخاف ان	انصار کو معلوم ہے کہ میں عورتوں کا کیسا شائق
عز وجل معاً فرأیت بنات الاصفر ان افتتن	ہوں مجھے ڈر ہے کہ آپ کے ساتھ جہاد کو چلوں
فائذن لی ولا تفتنی	اور حسینان روم کو دیکھکر مبتلا ہو جاؤں آپ
(کتاب المغازی مطبوعہ کلکتہ [illegible] صفحہ ۴۲۴)	مجھے اجازت دیں اور فتنہ میں مبتلا نہ کریں۔

جہاد کی یہ تحریص کیا عہد واقدی کی بوالہوسی اور عیش پرستی کی تصویر ہے یا اس رسول برحق کی تعلیم کی جسنے صاف فرمادیا تھا[1] من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ

یہی روایت ابن اسحق نے محدث زہری اور عاصم بن عمر بن قتادہ کے سلسلہ سے بیان کی ہے جسے ابن ہشام اور طبری دونوں نے نقل کیا ہے۔ ذیل میں ابن اسحق کی روایت ہم نقل کرتے ہیں اہل انصاف خود فیصلہ کریں کہ واقعہ کیا تھا جسکو واقدی نے اپنے عہد میں مذکورہ بالا طور پر نقل کر دیا۔

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلعم نے انہیں تیاریوں کے دن
ذات یوم وھو فی جھازہ ذلک للجد بن	جد بن قیس سے جو بنی سلمہ میں سے ایک
قیس احد بنی سلمۃ یا جد ھل لک العام فی	شخص تھا فرمایا اے جد تو بھی رومیوں کے مقابلہ
جلاد بنی الاصفر فقال یا رسول اللہ	میں تیغ زنی کرنے چلیگا، اسنے کہا یا رسول اللہ

---

[1] ترجمہ۔ جو اس واسطے لڑے کہ خدا کا بول بالا ہو۔ وہ راہ خدا کا غازی ہے۔ بخاری و مسلم بروایت حضرت ابو موسیٰ الاشعری۔

او تأذن لي ولا تفتني فوالله لقد — مجھے تو معافی دیجئے اور فتنہ میں نہ ڈالیے

عرف قومي انه ما من رجل باشد — بخدا میری قوم خوب جانتی ہے کہ مجھ سے زیادہ

عجبا بالنساء مني واني اخشى ان رأيت نساء — کوئی شخص عورتوں کا شیدا نہیں ہے اور

بني الاصفر ان لا اصبر فاعرض عنه — مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے حسینان روم

رسول الله صلى الله عليه وسلم — کو دیکھا تو پھر ضبط نہ کرسکوں گا یہ سنکر رسول اللہ

(ابن ہشام جزو ثالث صفحہ ۲۲۰ و طبری صفحہ ۱۴۰۲ جلد ۳) — نے انکی طرف سے منہ پھیر لیا۔

اللہ اکبر واقدی نے گرمی سخن اور شوق داستان سرائی میں اپنے رسول برحق کے اِس قول پر کہ "جس نے میری طرف وہ بات لگادی جو میں نے نہیں کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں[1] کرلے" کچھ غور نہ کیا!

واقدی کے انھیں اکاذیب باطلہ کے جھوٹے موتیوں کو مستشرقین نے ایک بیش بہا تاج بناکر اپنی تحقیق کے سر پر رکھ لیا ہے مگر وہ یاد رکھیں کہ واقدی کی آبرو ایسی ہی لغو بیانیوں کے باعث گیارہ سو برس ہوئے خاک میں مل چکی ہے۔ اصل یہ ہے کہ جسطرح یورپ کے فلسفہ جدید کے "امام" بیکن نے امارت کے نشہ میں شرمناک اخلاقی کمزوری[2] دکھائی، اسیطرح قاضی بغداد واقدی نے حب جاہ میں اپنے دامن فضل کو کذب سے آلودہ کردیا وہ امام ابوحنیفہ نہ تھے جنھوں نے قید میں جانا گوارا کیا مگر عہد منصور عباسی میں عہدہ قضا قبول نہ کیا۔ انھوں نے اپنی وسعت معلومات سے جا و بیجا فائدہ اٹھایا اور

---

[1] من قال علی ما لم اقل فلیتبوأ مقعدہ من النار [2] انسائیکلوپیڈیا برٹینکا جلد سوم صفحہ ۱۴۳

امیر المومنین فی الحدیث[۵۱] کا لقب حاصل کیا۔ مگر امیر المومنین کا لقب اگر مروان ابن الحکم اور ابو العباس سفاح کو بھی دیا گیا تو کیا وہ اُس درجہ پر پہونچ گئے جو امیر المومنین عمر ابن عبد العزیز کو حاصل ہوا تھا۔

واقدی کی بے اعتباری کی ایک اور وجہ بھی تھی۔ اُس زمانہ میں جبر و قدر کے جھگڑے اور خلق قرآن کی بحث نے ایک عجیب طوفان مخالفت اور عداوت اُٹھا دیا تھا۔ واقدی ماموں الرشید کے مقرب تھے جسنے مسئلہ خلق قرآن کو بزور پھیلانا چاہا، امام احمد حنبل اسکے سخت مخالف تھے یہانتک کہ اس معاملہ میں کوڑے بھی کھائے اسلئے امام موصوف کا واقدی کو کذاب کا لقب دینا کچھ تعجب خیز نہیں۔ کیا عجیب بات ہے کہ واقدی تو اسقدر نامعتبر لیکن ان کے روایات جب ان کے کاتب محمد ابن سعد جو طبقات کے مشہور مصنف ہیں نقل کرتے ہیں تو اسلیے کہ ابن سعد ثقہ[۵۲] اور حافظ متبحر مانے جاتے ہیں سند قبول حاصل کر لیتے ہیں۔ ہم اس کتاب میں اُن روایات کا ذکر کرینگے اور یہ دکھائینگے کہ ابن سعد کی طبقات میں جگہ پاجانے سے وہ روایات معتبر نہیں ہوگئیں جیسا کہ عام خیال ہے اور مخالفین اسلام اس سے فائدہ اُٹھا کر سنداً پیش کرتے ہیں۔

اس سے زیادہ عجیب یہ بات ہے کہ امام احمد حنبل جو ہر جمعہ کو ابن سعد سے حدیث واقدی کے دو جزء استعار لیکر پڑھتے تھے اور دوسرے جمعہ کو واپس[۵۳] کر دیا کرتے تھے

---

۵۱ تہذیب التہذیب ابن حجر صفحہ ۲۶ جلد نہم۔ ۵۲ تہذیب التہذیب صفحہ ۱۰۲ جلد نہم ۵۳ تہذیب التہذیب صفحہ ۱۰۳ جلد نہم

جب خود اپنی سند طیار کی جواب چھ ضخیم جلدوں میں چھپ گئی ہے تو رطب یابس ہر قسم کے روایات جمع کر دیں جنکو مخالفین اسلام سنداً پیش کرکے آنحضرت پر اعتراض کرتے ہیں لیکن اموی اور عباسی دربار کے مقربین ہوں یا ائمہ دین اگر کوئی روایت قرآن کی روشنی میں صحیح نظر نہ آئے معتبر نہیں کہی جاسکتی۔

محمد ابن جریر الطبری ابو جعفر محمد بن جریر طبرستان کی کوہستانی مقام امل میں ۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے تحصیل علم کے شوق میں وطن سے نکل کر بغداد میں جو اس زمانہ میں دنیائے اسلام کا پایہ تخت اور علم و ہنر کا مرکز تھا وارد ہوئے پھر شام و مصر کا سفر کیا اور حدیث تفسیر فقہ اور تاریخ میں خاص طور سے کمال حاصل کیا طالب علمی کے زمانے میں اگرچہ ان کے والد وطن سے مالی امداد بھیجتے تھے لیکن اکثر تبہ رقم ملنے میں دیر ہوئی تنگدستی نے ستایا، غیرت نے تقاضا نہ کیا کہ کسی سے عرض حال کریں پیرہن فروخت کرکے قوت لایموت حاصل کی جب تکلیف کا زمانہ گزرا، اور عبید اللہ ابن یحیٰی وزیر متوکل عباسی کے لڑکوں کے اتالیق مقرر ہوئے کچھ عرصہ تک بغداد میں رہے لیکن جب وزیر مذکور پر زوال آیا تو مصر پہونچے اور ایک مدت تک سیر و سیاحت اور تکمیل علوم کے بعد چالیس سال کی عمر میں بغداد واپس آئے اور بقیہ عمر خدمت دین درس تدریس اور تصنیف و تالیف میں صرف کرکے ۳۱۰ھ ۹۲۲ء میں وفات پائی تاریخ الامم اور تفسیر ابن جریر دونوں ضخیم اور مبسوط تصانیف ان کے بےمثل علمی کارنامے ہیں جو قیامت تک یادگار رہینگے۔

طبری کا شمار ائمہ مجتہدین میں ہے۔ ابن خلکان نے انکی تاریخ کو اصح التاریخ کا لقب دیا ہے۔ نقل روایات میں نہایت ثقہ تھے۔ ہر روایت سلسلہ اسناد اور متعدد طرق کے ساتھ نہایت احتیاط سے نقل کی گئی ہے۔ یہ روایات تاریخ سے زیادہ اصلی دستاویزوں کا ایک بیش بہا مجموعہ ہیں جنکو طبری نے نہایت دیانتداری سے اہل نظر کے سامنے پیش کردیا ہے۔ اب علم اسماء الرجال کی مدد سے جو فن تنقید کا ایک بیش بہا اسلامی کارنامہ ہے فیصلہ ہو سکتا ہے لیکن دیکھو کہ وقائع نگاری کے اس سادہ اور سیدھے طریقے کو اس وقت تہذیب میں کس بُری طرح استعمال کررہے ہیں کہ روایت طبری کے دواخانے سے شربت کے عوض زہر کی پیالیاں اٹھا کر دیتے ہیں اور یہ طرز عمل خاصکر سیرۃ نبوی کے متعلق اختیار کیا جاتا ہے طبری نے آنحضرت کے حالات ابن اسحق سے نقل کئے اور جابجا واقدی کے اختلافات اور مختلف طرق سے جو روایتیں خود انکو پہونچی تھیں وہ بھی درج کردیں اور اکثر مقامات پر ناقدانہ نظر ڈالکر محاکمہ بھی کیا مگر بہت کم جس کی وجہ یہ تھی کہ مغازی اور سیر میں اس تحقیق و تدقیق سے کام نہیں لیا جاتا تھا جسقدر کہ اوامر و نواہی کے روایات کے متعلق احتیاط کیجاتی تھی۔

اصل یہ ہے کہ تمام بانیان مذاہب کی سیرت میں یہی رنگ مقبول ہے۔ عوام کا تو ذکر ہی کیا خواص نے بھی اس خیال سے کہ بانی مذہب کے ساتھ اس قسم کی روایات سے جو عقیدت اور شیفتگی عوام میں بڑھتی ہے کہیں کم نہو جائے یا مقبول عام روایتوں کے خلاف کچھ کہنے سے جہلا آمادۂ فساد نہو جائیں خاموش رہ کر کچھ تعرض نہ کیا۔ دیکھو سنٹ پال نے بت پرستوں کو راہ پر لانے اور یہودیوں کے ناپاک اقوال کے مقابلہ کیلئے مسیح کو ابن اللہ بنایا اور دین عیسوی کو پھیلایا اب خاص و عام میں خداوند کے اکلوتے بیٹے کا راگ گایا جاتا ہے

حالانکہ خواص جانتے ہیں کہ ربُ العالمین ایسی تشبیہات سے منزہ ہے۔

طبری کی یہ معرکۃ الآرا تاریخ اسقدر مقبول ہوئی کہ مشہور مورخین ما بعد ابن اثیر، ابن خلدون، ابو الفدا وغیرہم کی تاریخیں سب اسی سے ماخوذ ہیں لیکن چونکہ متاخرین نے سلسلۂ اسناد کو مکلف سمجھکر حذف کردیا اسلیے ضعیف روایات میں تمیز مشکل ہوگئی۔ اب اگر کتب تاریخ وسیر میں آنحضرت کے متعلق غلط روایات بحوالہ طبری درج ہیں تو بالعموم مستند مانی جاتی ہیں حالانکہ خود طبری نے سلسلۂ اسناد کی روشنی میں انکی قلعی ظاہر کردی تھی۔

طبری نے عمر کے ۸۶ مرحلے طے کرکے سنہ ۳۱۰ھ میں بغداد میں انتقال کیا انکے دفن کا واقعہ افسوسناک ہے۔ اپنی مشہور تاریخ میں انھوں نے امام احمد حنبل کی مدح وثنا نہیں کی تھی اسپر حنبلیوں نے جنکا اسوقت بغداد میں بڑا زور تھا جنازہ اُٹھنے نہ دیا آخر دوستوں نے خاموشی سے پوشیدہ دفن کیا۔

بغداد اُس زمانہ میں فرقہ بندیوں کے فتنہ میں مبتلا تھا۔ مامون رشید اور اُسکے دو جانشینوں کے عہد میں معتزلہ کو عروج ہوا جنھوں نے مسئلہ خلق قرآن میں دوسرے فرقوں خصوصاً حنابلہ پر بڑی سختی اور زیادتی کی لیکن جب متوکل عباسی مسند حکومت پر بیٹھا تو اُسنے معتزلہ کی قوت کو توڑ دیا اور اُسی کے ساتھ شیعوں پر ظلم وستم ہونے لگا۔ متوکل کو بنی فاطمہ سے عداوت تھی اُسنے سید الشہدا حضرت امام حسینؑ کے مزار پُرانوار کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اسپر نہر نکالی۔ اُسکے آخر عہد میں ایک حسنی سید حسن بن زید نے جو داعی کبیر کے نام سے مشہور ہے طبرستان کو سنہ ۲۵۰ھ میں فتح کرکے شیعی طریق کا رواج دیا۔ محدث طبری چونکہ وہیں کے متوطن تھے اور چونکہ خود صاحب اجتہاد اور فضل وکمال میں یگانہ عصر تھے مقلدین نے اُنپر تشیع کا الزام لگایا جسکی رد میں علامہ ذہبی کو

آٹھویں صدی ہجری میں یہ الفاظ لکھنا پڑے :-

هذا رجم بالظن الكاذب — یہ جھوٹی بدگمانی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ

بل ابن جرير من كبار ائمة — ابن جریر اسلام کے معتمد اماموں میں

الاسلام المعتمدين — سے ایک بڑے امام ہیں۔

اصل یہ ہے کہ اُس وقت تک تقلید نے وسعت نظر کو تنگ نہیں کیا تھا اور اختلافات کا خلیج بھی اتنا عمیق نہ تھا۔ امام بخاری نے عدی بن ثابت سے ان کے ثقہ ہونے کے باعث روایت قبول کی حالانکہ وہ ہشام ابن عبد الملک اموی کے زمانے میں مسجد کوفہ کے شیعی امام تھے اور بقول محدث دارقطنی غالی شیعہ[۲] تھے۔ اسیطرح ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب الکلینی شیعوں کے مشہور محدث اوّل نے جو طبری کے ہمعصر تھے (المتوفی سنہ ۳۲۹) ایسے راویوں کو جو اُن کے نزدیک فاسد العقیدہ (یعنی غیر شیعی) لیکن ثقہ تھے مشہور و معتبر کتاب الکافی میں قبول کیا[۳]۔ حق پسندی اور رواداری کا یہ زریں اصول اگر اس زمانے میں بھی اختیار کیا جائے تو سیرت نبوی کے واقعات مرج البحرین کا تماشا دکھا کر اسوۂ حسنہ کے لولو اور مرجان پیش کر سکتے ہیں اب جبکہ خلافت کے وہ جھنڈے جو دمشق اور بغداد پر لہراتے تھے اور جن کے سایہ میں سیاسی فرقہ آرائیوں نے مذہبی رنگ اختیار کر کے سیرت نبوی کے واقعات کو اپنے اپنے قالب میں پیش کیا تھا۔ دستبرد زمانہ سے سرنگوں ہو گئے تو فریقین کے

---

[۱] صحیح بخاری کتاب المناقب [۲] تہذیب التہذیب صفحہ ۱۶۶ جلد ہفتم [۳] الکافی جلد دوم خاتمہ صفحہ ۴۲۔۴۳

سلف صالحین کے قدیم ماخذوں کو دیدۂ حق بین سے دیکھکر سیرت پاک پر قلم اٹھانا چاہیے۔

محدثین اور مفسرین کی قدیم تصانیف

مغازی اور سیر مذکورہ بالا قدیم ماخذوں کے علاوہ محدثین اور مفسرین کی قدیم تصانیف میں بھی آنحضرت کے حالات جستہ جستہ مذکور ہیں بعض سیرت پاک پر روشنی پڑتی ہے۔ صحیح بخاری کی کتاب المغازی، کتاب التفسیر خصوصاً اور دیگر ابواب کے اکثر روایات ارباب مغازی و سیر کی بعض غلط بیانیوں کی تصحیح کرتے ہیں۔ (تفصیل آگے آئیگی) اسیطرح کافی کلینی کی کتاب الجہاد خصوصاً اور دیگر ابواب کے بعض روایات جو اہلبیت اطہار کے سلسلے سے رسول اللہ تک پہونچتے ہیں اس کمی کو پورا کرتے ہیں جو زیادہ تر سیاسی وجوہ سے اس سلسلۃ الذہب کو نظر انداز کرنے میں اختیار کی گئی تھی۔

طبری کی تاریخ کی طرح ان کی مشہور تفسیر بھی قدیم تفاسیر میں اپنی آپ نظیر ہے۔ محدث نووی لکھتے ہیں کہ امت کا اس امر پر اجماع ہو چکا ہے کہ تفسیر طبری کی طرح کوئی تفسیر تصنیف نہیں ہوئی۔ ابو حامد اسفرائنی کہتے ہیں کہ اگر کوئی تفسیر ابن جریر کی تحصیل کے لیے چین کا سفر کرے تو بڑی بات نہیں ہے[۱]۔ حقیقت میں یہ تفسیر ان کی مشہور تاریخ کی طرح قدیم روایات کا سلسلہ اسناد کے ساتھ ایک نادر مجموعہ ہے اور بقول سیوطی "اجل التفاسیر" ہے۔ لیکن احادیث کیطرح تفاسیر میں بھی سیر نبوی کے متعلق سیکڑوں غلط اور بے بنیاد روایات ائمہ دین کی طرف منسوب کرکے مشہور کردی گئی ہیں

---

[۱] کشف الظنون صفحہ ۳۰۲ جزو اول

مثلاً حضرت عبداللہ ابن عباس سے جنکا لقب ترجمان القرآن ہے جو تفسیر منقول ہے اُنکے بہت سے سلسلے ہیں جن میں سے بعض صحیح بعض مشتبہ اور بعض بالکل غلط اور جھوٹ ہیں۔ صحیح سلسلہ علی ابن ابی طلحہ ہاشمی (المتوفی ۱۴۳ھ) سے منقول ہے جس پر بخاری نے اعتبار اور استناد کیا ہے اور جسکو شاہ ولی اللہ نے فتح الخبیر میں مندرج کیا ہے لیکن جو سلسلہ ابو نصر کلبی (جسنے ۱۴۶ھ میں وفات پائی) سے بشمول روایت سدی صغیر منقول ہے اور اسیطرح مقاتل ابن سلیمان کا سلسلہ موضوع اور جھوٹا ہے[1] اصل یہ ہے کہ آنحضرت کی حیات میں منافقین اور یہود تہمتیں تراشا کرتے تھے اور جھوٹی روایات مشہور کرتے تھے جنکا حوالہ قرآن مجید میں مع رد کے مذکور ہے لیکن آپ کی وفات کے بعد یہ فاسد مادہ اندر ہی اندر اپنا زہریلا اثر پھیلانے لگا اسیطرح یہ ہوا کہ فتح شام میں یہود و نصاریٰ کی مذہبی کتابوں کا ذخیرہ جب مسلمانوں کے ہاتھ لگا تو اہل کتاب کے قصص و روایات کا پردہ کلام مجید کے روشن آیات پر پڑنے لگا اور جس طرح انبیائے بنی اسرائیل کے متعلق سیکڑوں لغو اور بیہودہ روایات منقول تھیں آنحضرت کے متعلق بھی مشہور ہونے لگیں۔ مثلاً قصہ داؤد و زوجہ اوریا[2] کی طرح آنحضرت اور ام المومنین زینب کے واقعہ کے متعلق روایات کاذبہ مشہور ہونے لگیں۔ اسیطرح یہود کی سرگزشت کے متعلق جسکا ذکر آگے آئیگا۔ خلفائے راشدین نے اگرچہ اس فتنہ کو بہت روکا مثلاً سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے منادی کردی تھی کہ مسلمانوں میں جو شخص حضرت

---

[1] کشف الظنون جزء اول صفحہ ۲۹۹ [2] اسکی تفصیل اور تردید مصنف تاریخ صحف سماوی میں لکھی ہے دیکھو صفحہ ۲۶ لغایت ۳۰

واؤد کی روایت اس طور سے بیان کرے جس طرح قصہ گو ذکر کرتے ہیں تو میں اسکو کوڑے مارونگا۔ لیکن جب بنی اُمیہ کا زمانہ آیا اور دنیاوی عروج کے ساتھ دینی تنزل شروع ہوا تو دشمنوں کی مراد بر آئی اور "اسرائیلیات" اور روایات کاذبہ کی سیاہی پھیل گئی جو آجتک تفاسیر میں نظر آتی ہے۔

یہ سب کچھ ہوا لیکن صرف ایک ماخذ جسکی حفاظت کا وعدہ کیا گیا تھا آجتک اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ اسکی نورانی شعاعوں کے سامنے وہ تمام ضعیف اور بے بنیاد روایات جو خواہ مغازی وسیر میں ہوں خواہ فریقین کے احادیث وتفاسیر میں کتاں کی طرح تار تار ہوجاتی ہیں یہ وہ نورانی کسوٹی ہے جو مدعیان تحقیق سے یوں گویا ہے ؎

خوش بود گر محک تجربہ آید بمیاں
تا سیہ روئے شود ہر کہ در وغش باشد

اِنَّہٗ لَتَذْکِرَۃٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ وَاِنَّا	بیشک یہ قرآن پرہیزگاروں کیلیے
لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْکُمْ مُّکَذِّبِیْنَ وَاِنَّہٗ	نصیحت ہے اور ہم جانتے ہیں کہ تم میں بعض لوگ
لَحَسْرَۃٌ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ وَاِنَّہٗ	انکو جھٹلاتے ہیں اور بیشک کافروں کو
لَحَقُّ الْیَقِیْنِ۔	حسرت دلائے گا اور بیشک یہ پورا یقینی ہے

خدائے ابراہیم کے دو گھر

بہادری اور بزدلی میں فرق دکھانے کے لیے کسی نے خوب کہا ہے ؎

نامردی و مردی قدمے فاصلہ دارد

غور سے دیکھو تو بت پرستی اور خدا پرستی میں بھی صرف ایک نگاہ کا فرق ہے۔ اگر کائنات کی کسی شے کو بالذات مؤثر اور نفع وضرر پر قادر دیکھا ہے تو لیکن اگر مظاہر اور آثار کے پردے میں ایک ہی موجود اور مؤثر حقیقی پر نظر جا پڑی اور اسی قادر مطلق سے استعانت چاہی راہ پائی۔ مسجد ہو یا بتخانہ اس حیثیت سے کہ دونوں خانۂ آب و گل ہیں برابر ہیں۔ یہاں اگر نقش و نگار ہیں تو وہاں تماثیل اور مجسمے۔ دونوں میں صورت پرستی کا سامان موجود ہے لیکن فرق ہے تو نقطۂ نظر کا۔ ایک شرک کا قبلہ حاجات بنجاتا ہے اور دوسرا توحید کا قبلہ نما رہتا ہے۔ ع

قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں

حضرت ابراہیم نے جب کواکب کو دیکھکر ان کے پرستاروں کے توہمات پر نظر ڈالی کہ کس طرح وہ لوگ اُن کو نفع وضرر پر قادر مان کر معبود سمجھتے تھے تو آج سے چند ہزار سال پیشتر لَآ أُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ[1] کا نعرہ مارا ۔ پھر جب بتان آذری کی تعظیم و پرستش اس قسم کی دیکھی جو فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے شایان شان تھی تو پہلے نا فہموں کو

---

[1] سورۂ انعام

سمجھایا لیکن جب اُنھوں نے کورانہ تقلید نہ چھوڑی تو اپنے وطن اور کلدانیاں سے ہجرت کی[1] اور سرحد شام وعرب کے بیابان میں خانہ بدوشانہ زندگی بسر کی لیکن جہاں جہاں آپ تشریف لے گئے خدائے واحد کی جس طور پر پرستش کی اس کو توریت نے یوں بیان کیا ہے۔

قدیم قربانگاہیں

"تب خداوند نے ابراہیم کو جلوہ دکھا کر یوں کہا۔ یہ ملک تیری نسل کو دونگا اور اُسنے وہاں (میدان موریہ) میں خداوند کیلئے جو اُس پر ظاہر ہوا تھا، ایک قربانگاہ بنائی۔ پھر وہاں سے کوچ کرکے ابراہیم ایک پہاڑ پر جو بیت ایل کے مشرق میں ہے اپنا خیمہ نصب کیا اور وہاں خدا کے نام پر ایک قرباں گاہ بنائی اور خدا کا نام لے کر پکارا۔"

(توریت کتاب پیدائش باب ۱۲ آیات ۷،۸)

قربانی اصل میں معبود سے تعلق پیدا کرنے کا قدیم ترین عملی اظہار ہے جو انسان کے فطری جذبات خوف و رجاء پر مبنی ہے۔ تاریخ مذہب میں مشرک اور موحد کی قربانی بحیثیت فعل اگرچہ یکساں نظر آتی ہے لیکن نیت اور معبود سے تعلق کی نوعیت نے فرق مراتب پیدا کرکے دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کردیا ہے اسکی حقیقت ہم اس کتاب میں "حج بیت اللہ" کے عنوان کے تحت میں بیان کرینگے یہاں اسقدر اشارہ کافی ہے کہ دنیا میں ہزاروں اس قسم کے اشیاء ہیں۔ عارف روم نے

[1] سورۃ الانبیاء

خوب[1] کہا ہے ؎

ہر دو یک گل خوردہ زنبور و نحل — لیک زیں شد نیش و زاں دیگر عسل
ہر دو گون آہو گیا خوردند و آب — زیں یکے سرگیں شد و زاں مشک ناب
ہر دو نے خوردند از یک آبخور — آں یکے خالی و آں پر از شکر
ہر دو صورت گر بہم ماند رواست — آب تلخ و آب شیریں را صفاست
جز کہ صاحب ذوق نشناسد شرب — او شناسد آب خوش از شورہ آب

حضرت ابراہیمؑ کے بعد آپ کے بیٹے اسحاق نے بیر شبع میں اور پوتے یعقوب نے بیت ایل میں اسطرح قربانگاہیں بنائیں۔ توریت میں لکھا ہے۔

"یعقوب علی الصباح اٹھا اور اُس پتھر کو جسے اُسنے تکیہ کیا تھا لے کر ستوں کی مانند کھڑا کیا۔ . اور کہا یہ پتھر جو میں نے ستوں کے مانند کھڑا کیا بیت ایل یعنے خدا کا گھر ہوگا۔" (پیدائش باب ۲۸)

یہ موقع ہے جب حضرت یعقوب بیر شبع سے روانہ ہوکر حاران کیطرف جاتے ہوئے ایک شب کو عالم رویا میں ایک سیڑھی آسمان سے زمین تک لگی ہوئی دیکھتے ہیں

---

[1] مثنوی دفتر اوّل۔ (ترجمہ اشعار ۱) بھڑ اور شہد کی مکھی دونوں نے ایک ہی پھول کا رس لیا مگر ایک سے ڈنک بنا اور دوسرے سے شہد (۲) دو قسم کے ہرن نے گھاس کھائی اور پانی پیا مگر ایک سے مینگنی نکلی اور دوسرے سے مشک (۳) دونوں نے ایک ہی پانی سے سینچے گئے مگر ایک خالی ہے (نرسل) اور دوسرے میں شکر ہے (گنا) (۴) ہو سکتا ہے کہ دو صورتیں آپس میں مشابہ ہوں کھاری اور میٹھا پانی دونوں میں صفا ہے (۵) مگر چکھنے والا ہی بتا سکتا ہے کہ میٹھا کون سا ہے اور کھاری کون سا ہے۔

فرشتے اترتے چڑھتے نظر آتے ہیں اور خدا اپنا جلوہ دکھا کر اوپر سے بشارت دیتا ہے (یہ واقعہ معراج یعقوب کہلاتا ہے)

بیت المقدس

ذریت یعقوب یعنی بنی اسرائیل جب فرعون کے پنجے سے نجات پاکر مصر سے نکلے تو حضرت موسے نے بھی کوہ طور سے احکام لانے کے بعد اپنے بزرگوں کے اتباع میں پہاڑ کے نیچے قربان گاہ بنائی اور بنی اسرائیل کے بارہ اسباط کے شمار کے موافق بارہ ستون نصب کئے پھر قربانی کا خون نصف قربانگاہ پر اور نصف کتاب معاہدہ پڑھنے کے بعد مجمع پر چھڑک[۱] دیا۔ آپ کے بعد بنی اسرائیل نے مختلف مقامات[۲] پر جنہیں شلوہ اور نوب زیادہ مشہور ہیں ایسے ہی معبد بنائے یہاں تک کہ حضرت سلیمان ابن داؤد نے **بیت المقدس** کی عالیشان عمارت تعمیر کی اور پھر یہی مقام قربان گاہ خدا کا گھر اور بنی اسرائیل کا قبلہ قرار پایا۔

حضرت اسمٰعیل اور انکی ذریت۔

اب حضرت اسمٰعیل اور اُن کی ذریت کے حالات سنو آپ حضرت ابراہیم کے فرزند اکبر بطن ہاجرہ مصریہ سے پیدا ہوئے لیکن ابراہیم کی پہلی بی بی سارہ سے جب حضرت اسحاق پیدا ہوئے تو عورتوں میں سگے سوتیلے اور خاندانی اور غیر خاندانی کے جھگڑوں نے حضرت ابراہیم کو پریشان کر دیا تب آپ اسمٰعیل اور اُن کی والدہ ہاجرہ کو گھر سے علیحدہ ایک دور مقام پر لے گئے۔ توریت کتاب پیدائش باب ۲۱ میں لکھا ہے کہ جب بیابان میں پھرتے ہوئے حضرت اسمٰعیل تشنگی سے قریب مرگ

---

[۱] توریت کتاب خروج ۲۴/۴ [۲] دیکھو ولہاسن کی تاریخ اسرائیل و یہود صفحہ ۴۴

ہوگئے تو خدا نے ہاجرہ کو بشارت دی۔ اُن کو وہاں ایک چشمہ نظر آیا اور وہ دونوں وہیں آباد ہوگئے۔ اصل متن توریت عبرانی یہ ہے۔

ویھی الوھیم ات ھعنر — اور خدا لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا

ویجبل ویشد بمدبر ویھی — ہوا اور بیابان میں تیرانداز ہوا اور

ربہ قشتر ویشو بمدبر فاران — فاران کے بیابان میں رہنے لگا۔

عام طور سے اگرچہ مدبر فاران کا ترجمہ بیابان فاران کیا جاتا ہے لیکن اصل عبرانی میں مدبر کے معنی وہی ہیں جو قرآن نے بیان کئے ہیں یعنی "غیر ذی زرع" اور جسکی تصدیق اس عبرانی نسخہ توریت سے ہوتی ہے جسے ولیم گرینفیلڈ نے مع حاشیہ کے سنہ ۱۸۴۳ء میں لندن سے شائع کیا (دیکھو صفحہ ۶۱)۔ اسیطرح توراۃ سامری کے عربی ترجمہ میں جسے سنہ ۱۸۵۱ء میں آرکوئی ٹن نے شائع کیا فاران کے آگے خطوط ہلالی میں "حجاز" کا لفظ لکھا ہے۔ کیا عجیب بات ہے کہ جس طرح حضرت سارہ نے حضرت اسمٰعیل کو مع اُن کی والدہ کے گھر سے نکالا اُسیطرح یہود و نصاری آجتک توراۃ کے اُن مقامات کیلیے جہاں کسی قسم کی پیشین گوئی اسمٰعیل اور ذریت اسمٰعیل کیلئے نکلتی ہے جھگڑا کرتے ہیں لیکن حق چھپا نہیں رہتا!

حضرت اسمٰعیل اگرچہ سوتیلی ماں کی مخالفت کے باعث علیحدہ آباد ہوئے لیکن توریت سے ثابت ہے کہ آمد و رفت اور تعلقات قائم رہے۔ حضرت ابراہیم کو اسمٰعیل اور[لہ]

لہ پیدائش ۲۵/۹

اسحاق نے ملکر دفن کیا۔ اسمٰعیل کی وفات کے وقت سوتیلے بھائی سب موجود تھے۔[۵۱]
یعقوب کے بڑے بھائی عیص ابن اسحاق نے اپنی چچازاد بہن بنت اسمٰعیل سے عقد کیا۔[۵۲]
غرضکہ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل کا طریق عبادت بھی وہی رہا ہوگا اور ضرور اسی قسم کی قربانگاہ جسکا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں اپنی قیام گاہ یعنی اس وادی بے زرع میں جس کو فاران کہتے تھے بنائی ہوگی اور آپ کی ذریت نے اسکو اپنا معبد قرار دیا ہوگا۔ اس معبد سے توریت میں اس وجہ سے اعتنا نہیں کیا گیا کہ حضرت یعقوب کے وقت سے عہد موسیٰ تک بنی اسرائیل مصر میں مقیم ہو گئے اور مدت مدید کے بعد جب نکلے تو فلسطین میں آباد ہوئے لیکن بنی اسمٰعیل حجاز ہی میں رہے اور پہلے بھی تو عرب کے صوبوں یمن اور نجد وغیرہ میں اور پھر توریت سے بیگانہ رہ کر اپنے قدیم طریق ابراہیمی پر قائم رہے۔

مورخین عرب لکھتے ہیں کہ جرہم کا ایک قبیلہ اسی مقام پر آکر آباد ہوا جہاں چشمہ نکلا تھا اور حضرت اسمٰعیل مقیم تھے۔ سردار قبیلہ مضاض نے اپنی بیٹی اسمٰعیل کے عقد میں دی۔ خدا کا گھر جو ابراہیم و اسمٰعیل نے بنایا تھا وہ نابت ابن اسمٰعیل کی وفات کے بعد اُن کے نانا مضاض کی تولیت میں آیا پھر مدت تک یہی قبیلہ بنی جرہم اس پر قابض رہا۔[۵۳] مرور ایام میں اگرچہ بنیاد ابراہیمی حوادث کے باعث شکست ہوگئی لیکن جن جن ہاتھوں نے اسکو پھر درست کیا بانیٔ اوّل کے تبرکات کو باقی رکھا چنانچہ آجتک

[۵۱] پیدائش ۲۵/۹ [۵۲] پیدائش ۲۸/۹ [۵۳] ابن ہشام جزء اول صفحہ ۱۰۲

وہ پتھر جو خانہ کعبہ کے شمال میں لگا ہے اور اُس پر ایک قبہ بنا ہے مقام ابراہیمؑ نام سے مشہور ہے۔ اسیطرح سنگ اسود جو بطور نشان قائم کیا گیا تھا کعبہ کے شرقی اور شمالی کونے میں لگا ہوا ہے۔ ارزقی اپنی مشہور کتاب اخبار مکہ میں محدث شعبی سے نقل کرتے ہیں

لما امر ابراهيم ان يبنى	جب ابراہیم کو حکم ہوا کہ خدا کا گھر بنائے
البيت وانتهى الى موضع الحجر قال	اور جب وہ بناتے بناتے وہاں
لاسمعيل ابغنى حجرا ليكون	پہونچے جہاں اب حجر اسود ہے تو نھوں
علما للناس يبتدؤن منه	نے اسمعیل سے کہا ایک پتھر لاؤ تاکہ وہ
الطواف	لوگوں کے لیے ایک نشانی ہو اور اسی سے
(صفحہ ۲۹)	طواف شروع کیا کریں

بیت الحرام

حضرت اسمٰعیل کو خدا نے بارہ بیٹے عطا کئے۔ توریت[1] میں ان کو بارہ شاہزادے کے لقب سے یاد کیا ہے جن میں نابت اور قیدار خاص طور سے مشہور ہیں۔ ان کی ذریت پھیلکر رفتہ رفتہ عرب کے مختلف صوبوں حجاز، یمن، نجد وغیرہ میں برسر اقتدار ہوگئی۔ اگرچہ یہ لوگ اپنے اصلی مستقر سے دور ہوگئے۔ لیکن معبد ابراہیمی کی کشش وہی رہی۔ موسم حج میں دور دراز مقامات سے زائرین جوق جوق قربانیاں لئے ہوئے آتے۔ لڑائیاں بند ہوجاتی تھیں اور لوگ امن وامان کے ساتھ باہم مجتمع ہوکر طواف کرتے اور اپنے دادا ابراہیم کی طرح خدا کو پکارتے یعنی "لبیک لبیک" کہتے تھے۔ اسیوجہ سے

---

[1] پیدائش ۲۵/۱۹

اس معبد کو بیت الحرام اور بیت اللہ کہتے تھے جو نہ صرف بنی اسمعیل کا مذہبی مرکز تھا بلکہ اقوام عرب نے بھی اسکو قومی معبد قرار دیا۔ رفتہ رفتہ اسکے گرد ایک شہر آباد ہو گیا جو نہ صرف بیت اللہ کے باعث مذہبی مرکز تھا بلکہ شام مین اور مصر کے کاروان تجارت کا گزرگاہ ہونے کی وجہ سے بھی اہمیت رکھتا تھا اس شہر کو اُس زمانہ میں بکہ کہتے تھے۔ قرآن مجید میں اسکا ذکر اس طور پر ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ	بیشک سب سے پہلے جو گھر لوگوں کی
لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّهُدًی	(عبادت) کے لیے بنایا گیا وہی ہے
لِّلْعٰلَمِیْنَ	جو بکہ میں ہے برکت والا اور سارے
(سورہ آل عمران)	جہان کو ہدایت کرنے والا۔

تحقیق بکہ طبری نے بکہ کی وجہ تسمیہ سمیت البکۃ بفعل المزدحمین لکھی ہے یعنی چونکہ وہاں طواف کیلیے لوگوں کا اژدحام ہوتا تھا اسلیے اُسکو بکہ کہتے تھے ابن ہشام نے ابو عبیدہ سے یہی قول نقل کیا ہے

بکۃ اسم لبطن مکۃ لانھم	بکہ بطن مکہ کا نام ہے اسلیے کہ وہیں
یتباکون فیھا ای یزدحمون	لوگوں کا اژدحام ہوتا ہے۔

جزاول ص۱

تفسیر صافی میں بھی روایت امام جعفر صادق سے بھی منقول ہے۔ آپ کے والد امام باقر فرماتے ہیں انما سمیت مکۃ بکۃ لانہ یبک بھا الرجال والنساء

ا۵ تفسیر ابن جریر جز چہارم صفحہ ، ۵ صفحہ ..

عورتیں معابد میں داخل نہیں ہوتی تھیں لیکن یہاں یہ بندش نہ تھی اسلئے مکہ کو بکہ کہتے تھے۔

زبور کے ایک نغمہ میں بکہ کا ذکر ہے۔ چونکہ حضرت داؤدؑ نے اسپر نزول برکات کا مشتاقانہ لہجہ میں ذکر کیا ہے اہل کتاب کو یہ گوارا نہوا کہ ذریت اسمٰعیل کی عبادتگاہ نظروں میں وقیع ہو جائے اسلیے اُنھوں نے جغرافیہ ہی بدل دیا اور بکہ کو ارض فلسطین میں پہونچا دیا۔ پھر اپنے اپنے حسب مراد چشین گوئیوں کے تائید میں سامرئیین نے اسکو کوہ جرزیم کے پاس قائم کیا اور یہود نے قدس کی پہاڑی کے پاس۔ ان سے بڑھکر نصاریٰ نے حادثۂ صلیب کی یاد میں اسکو بکا بمعنی (رونا) سمجھ لیا۔ غضب یہ ہوا کہ قرآن مجید نے جب چھٹی صدی عیسوی میں اہل کتاب کے مقابلے جو بیت المقدس کے سوا کسی مقام کو قبلہ نہیں مانتے تھے نغمۂ زبور کو پیش نظر رکھکر اعلان کیا کہ سب سے پہلا گھر بکہ میں تھا جسے بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل دونوں کے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیم نے خدائے واحد کی عبادت کیلیے بنایا تھا

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ	اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں (اُن
إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ	میں سے ایک) مقام ابراہیم اور
آمِنًا	جو شخص اسکے اندر آئے اسکو امن
(سورۂ آل عمران)	ملجاتا ہے

اسلیے وہ کیوں نہ قبلہ قرار دیا جائے تو پھر اہل کتاب نے جسقدر ترجمے کئے

زبان میں بکا کو رونے کے معنی میں لیا۔ یا ایک ایسی وادی جہاں روتا ہوا درخت یعنی بلساں پیدا ہوتا ہے یعنی بہرحال وہ فلسطین میں ہے۔ لطف یہ کہ مستشرقین یورپ جنکو تحقیق کا بڑا دعوٰی ہے اِسی خیال پر اڑے رہے لیکن "حق بر زبان جاری" ختسر کوپن ہیگن یونیورسٹی واقع ڈنمارک کے مشہور پروفیسر بہل نے جو سامی زبانوں کا مستند ماہر ہے تازہ جوئش انسائیکلوپیڈیا میں[۱] بکہ کے متعلق یوں تحریر کیا جس کا ترجمہ درج ذیل ہے

بکا ایک وادی ہے جسکا ذکر زبور نغمہ ۸۴ آیت ۶ میں ہے۔ چونکہ اسکے متعلق وہاں یہ لکھا ہے کہ زائرین اسکو کنووں کی سرزمین بناتے ہیں اسلیے قدیم مترجمین نے بکا کے معنی (رونے کی وادی) لکھدیے حالانکہ اسکے معنی ایسی وادی ہیں جہاں پانی نہ ملتا ہو اس خیر الذکر معنی کی تائید کتاب دوم صموئیل ۵/۲۳ اور کتاب اوّل تاریخ الایام ۱۴/۱۴ سے ہوتی ہے جہاں یہی لفظ بصیغہ جمع ایک ایسے درخت کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو بلساں سے مشابہ ہے اسلیے یہ قیاس کیا گیا کہ ایسے درخت کے لیے ایسی وادی ہونا چاہیے جو خشک ہو۔ گونگ نے بکا کو عربی بکا سے ماخوذ سمجھا ہے[۲] اور اسکا ترجمہ "ایک مقام جہاں پانی نایاب ہے"

---

[۱] اس انسائیکلوپیڈیا کی بارہ جلدیں ہیں جو چار سو مشاہیر کے دماغوں کا نتیجہ ہے ۱۹۰۵ء میں نیویارک اور لندن سے شائع ہوئی۔

[۲] عربی میں اسکے لفظی معنی اونٹنی یا بھیڑ جو بہت کم دودھ دے۔

کیا ہے۔ بظاہر صاحبِ زبور کے خیال میں ایک ایسی وادی تھی جس کے
قدرتی منظر کے لحاظ سے یہ نام اختیار کیا گیا؛ (جلد دوم صفحہ ۴۱۵)

اب ہم اس نغمہ زبور کے نفسِ مضمون کو اُس زمانہ کے تاریخی واقعات کی روشنی میں دکھاتے ہیں۔ اصل متن مع ترجمہ پہلے پڑھو جسے ۱۹۱۱ء میں ہارون یعقوب یکرنے مکتی مشن پریس کیرگاؤں (پونہ) سے شائع کیا اور جس میں مختلف ترجمے تحت اللفظ نقل کئے ہیں۔

تہلیم ۸۴

۶۔ اَشْرِیْ اَدَمْ عُوْزلو باَح مِسِلُوْتْ بلیبَاْم
مبارک ہے وہ شخص جسکی قوت تجھسے ہے انکی راہیں ہیں جسکے دل میں

۷۔ عُبْرِی بِعَمِیقْ ہبکّا مَعِیْن یَشِیْتُوہُو
جو گذرتے ہیں وادی میں بکا کے ایک کنواں اسکو بناتے ہیں
(") (") (رونے کے) (چشموں کی سرزمین) (")
(") (") (لُٹتے ہوئے) (ایک چشمہ) (")

جام بِرروت یَعطِہ مُوْرِہ
آب گیروں کو بھی بھرتا ہے پانی
(ہاں برکات کے ساتھ) (ڈھانک لیتی ہے) (ابتدائی بارش)
(برکات بھی) (ڈھانک لیتے ہیں) (خزان تیار کرنے والے کو)

۸۔ یَدُو مِیل ال۔جِیُل یراہ

وہ جاتے ہیں قوت سے قوت تک ہر ایک حاضر ہوتا ہے

(وہ حاضر ہوتا ہے)

ال۔الہیم بصیھن

خدا کے سامنے صیھوں میں

(خدا کے پاس) (۶)

اس عبارت کو پیش نظر رکھکر اب اس زمانہ کی تاریخ پر نظر ڈالو۔ کتاب اول صموئیل باب میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد صموئیل کے دفن کے بعد فاران کے بیابان میں چلے آئے۔ اس زمانہ میں آپ تخت نشین نہیں ہوئے تھے اور شاہ طالوت کی مخالفت کے باعث جا بجا روپوش ہوتے تھے۔ فاران کے قیام میں آپ نے وہ نظارہ دیکھا جب بنی اسمٰعیل اور قبائل عرب ایک ہی مذہبی مرکز پر جمع ہوتے تھے اور اس خشک وادی کو دوران قیام میں چشمہ زار بنا دیتے تھے۔ انکا ازدحام اور اتفاق باعث رحمت و برکت تھا جس سے حضرت داؤد متاثر ہوکر جب تخت نشین ہوئے ہیں تو بنی اسرائیل کو متفقہ طور پر ایک ہی مذہبی مرکز پر لانیکی کوشش کرتے ہیں اور خرمن ارنان خرید کرکے بیت المقدس کی تعمیر کا ارادہ کرتے ہیں مگر زندگی وفا نہیں کرتی۔ وقت وفات حضرت سلیمان اپنے بیٹے سے وصیت

لہ کتاب اول صموئیل لہ تاریخ یہود مصنفہ گریڈ اسٹر جلد اول باب ۹ صفحہ ۱۲۰

کرتے ہیں اور وہ اُنکی تکمیل کرتے ہیں۵۱۔

کچھ شک نہیں کہ زبور کا بکا قرآن۵۲ کا بکہ ہے جہاں تعمیر بیت المقدس سے بہت پیشتر ایک خداخانہ تھا جس کی صفت مُبارکاً وھُدًی للعالمین تھی اور جہاں آج بھی مشرق و مغرب سے زائرین جوق جوق وادی بے زرع میں اُتر کر اُسکو اپنے اجتماع سے چشمہ زار بناتے ہیں۔ برکات کی بارش ہوتی ہے اور وہ قوت جسم سے حاضر ہو کر قوت روح حاصل کرکے لبیک لبیک کہتے ہوئے اس لامکان کے مکان کے گرد فدائیت کی شان سے طواف کرتے ہیں جسنے اپنے خلیل کو یہ شعار سکھایا اور اُنکی ذریت میں اس رسم و راہ کو باقی رکھا۔ خدائے ابرٰہیمؑ کے اِس پہلے گھر پر نہ عجم کا درفش کاویانی لہرایا نہ روما کا تیز پر عقاب اُڑ کر بیٹھا۔ اِس گھر نے بیت المقدس کا وہ عروج بھی دیکھا جب بلقیس مع اپنے تخت زرنگار کے سلیمانؑ ابن داؤدؑ کے حضور میں حاضر ہوئی اور وہ زوال بھی دیکھا جب روما کے خونخوار بھیڑیوں نے اسرائیلی گلے کے تکّے بوٹی کر ڈالے۵۳۔ اِس گھر نے

۵۱ کتاب اول تاریخ الانام باب۲۔ ۵۲ مشہور پادری سیل نے جب ۱۷۳۴ء میں قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ کیا تو مقدمہ صفحہ ۳ میں یوں لکھا "مکہ جسے اکثر بکہ بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں اور مقام اجتماع عظیم کی طرف اشارہ کرتے ہیں نیز وہ دنیا کے سب سے زیادہ قدیم شہروں میں ایک ہے"۔

۵۳ ۷۰ء میں ٹائٹس رومی نے بیت المقدس فتح کرکے شہر کے ساتھ ہیکل سلیمانی کو بھی مسمار کردیا یہود جلاوطن کردیے گئے اور یروشلم کے گرد غیر یہود کی آبادیاں قائم ہوگئیں۔ ۱۳۲ء میں قیصر ہیڈرین نے یہود کو یروشلم کے ویران کھنڈروں میں بھی آنے کی اجازت موقوف کردی۔

مزامیر آل داؤد کے دلکش نغمے بھی سُنے اور اس معصوم نبی مصلوب کی دلخراش آواز[1] ایلی ایلی لماشبقتنی بھی سُنی۔ یہ گھر ایک گوشے میں سب سے الگ اس دعا کے ظہور کا منتظر تھا۔ جو اِسکے بانی اوّل نے اپنے رب سے مانگی تھی

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ	پروردگار ہمارے انھیں میں سے
رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ	ایک پیغمبر بھیج جو تیری آیتیں پڑھکر
آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ	اُن کو سنائے اور کتاب و حکمت انکو
وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ	سکھائے اور (شرک) سے انکو پاک
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ	کرے بیشک تو زبردست ہے
(سورہ بقرہ)	حکمت والا

---

[1] انجیل متی ۲۷ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے صلیب پر جستہ وقت میں یہ نعرہ مارا "میرے خدا میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا"

ولادت باسعادت کی صبح صادق سے آفتاب رسالت کے طلوع ہونے تک

مشاہیر عالم کی زندگی کے ابتدائی حالات بالعموم اس طور سے بیان کئے گئے ہیں جن پر افسانہ اور شاعریت کا رنگ چھایا ہوتا ہے۔ یہی روش بانیان مذاہب کی سیرت کے متعلق بھی اختیار کی گئی ہے مثلاً اناجیل اربعہ میں حضرت مسیح کی مافوق العادۃ ولادت کی داستان پھر عجیب غریب طریقہ سے آپ کا دنیا سے اُٹھ جانے کا قصہ لیکن حیرت ہوتی ہے جب مسیحی علماء سیرت کے اس مقبول عام طریق تحریر کو نظر انداز کر کے ان روایات پر طعن کرتے ہیں جو ابن اسحٰق اور واقدی نے آنحضرت کی ولادت اور ابتدائی حالات کے متعلق ضعیف اور منقطع طرق سے اہل کتاب کی طرز تحریر کی پیروی میں نقل کیں حالانکہ قرآن نے لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ[1] کا حکم دیا تھا اس سے بڑھکر حیرت کی بات یہ ہے کہ مہذب یورپ کے مسیحی علماء اس دور تحقیق میں بھی

آنحضرت کا نسب نامہ

آنحضرت کے نسب نامہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ آپ کا نسل ابراہیم ہونا ارباب سیر کی محض حاشیہ بندی ہے۔ کاش یہ مدعیان تحقیق حضرت مسیح کے ان دو متضاد نسب ناموں کو جو متی اور لوقا نے نقل کئے ہیں درست کرتے جنمیں حضرت مسیح کو نسل داؤد سے ہونا ثابت کیا ہے اور حضرت آدم تک سلسلہ ملا دیا ہے پھر آدم کو خدا کا بیٹا لکھکر گویا

[1] سورۃ النساء (دین میں غلو مت کرو)

مسیح کو ابن اللہ ثابت کر کے انساب دانی کی حد کر دی۔[۵۱]

قریش کا نسل ابراہیمی ہونا اُس زمانہ میں بھی جب قرآن نے مِلَّۃَ اَبِیۡکُمۡ اِبۡرٰہِیۡمَ کا برملا اعلان کیا مسلمہ تھا۔ اور آج بھی جب تحقیق کا دعویٰ ہو رہا ہے یہود و مدینہ نے آنحضرت پر طرح طرح کے اعتراض کئے لیکن نسب کے متعلق کوئی شبہ نہیں پیدا کیا حالانکہ وہ زیادہ جاننے والے تھے۔ اب مسیحی علماء جو اعتراض کرتے ہیں وہ محض تعصب پر مبنی ہے لیکن دیکھو کہ انھیں کا مشہور مؤرخ گبن کیا کہتا ہے:۔

"محمد کو حقیر اور مبتذل نسل سے کہنا عیسائیوں کا ایک احمقانہ افترا ہے۔ ایسا افترا کرنے سے بجائے اسکے کہ اپنے مخالف کی خوبیوں کو گھٹا دیں اُن کو اور زیادہ بڑھا دیتے ہیں۔ اسمٰعیل کی نسل میں انکا ہونا ایک قومی تسلیم شدہ امر ہے اور ملکی روایت سے ثابت ہے۔

(تاریخ زوال رومہ جلد پنجم صفحہ ۲۳۳)

گبن ایک حد تک منصف مزاج تھا لیکن دیکھو مارگولیوث بھی جو اس افترا کا مدعی ہے انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن کے ایک مقام[۵۲] پر سیرت نبوی کے قدیم ماخذوں کا حوالہ دیتے ہوئے بیساختہ لکھ گیا کہ کرانکل آف سیبیوس مطبوعہ ۱۹۰۴ء پٹرو گریڈ کے صفحہ ۱۰۴ و ۱۰۶ اسکے ارمنی نسخہ میں محمد کا ذکر مختصراً ان الفاظ میں ہے کہ آپ اسمٰعیلی تھے اور دین ابراہیمی کی تعلیم دیتے تھے اور اُن پیشین گوئیوں کا جو نسل اسمٰعیل

---

۵۱ متی باب اول لوقا ۳ / ۲۳-۳۸ ۵۲ جلد ہشتم صفحہ ۸۷۲

کیلیے کی گئی تھیں اپنے اوپر صادق آنے کا دعویٰ کرتے تھے"۔

آنحضرت کا نسب نامہ عدنان تک متفق علیہ ہے اور قومی روایات سے ثابت ہے عدنان سے حضرت اسمٰعیل تک چونکہ ابن اسحٰق نے چند مشاہیر کے نام لکھ کر مختصر کر دیا تھا اسلیے معترضین کو زبان کھولنے کا موقع ملا لیکن طبری اور مسعودی نے اپنی اپنی مشہور تاریخوں میں پورا نسب نامہ بنی اسرائیل سے نقل کیا ہے۔ عدنان کے بیٹے معد منگاؔ بخت نصر میں موجود تھے انکو یرمیاہ نبی نے بچایا تھا اور بعد کو جب انکے کاتب برخیا نے نسل ابراہیمی کے نسب نامے محفوظ کیے تو معد کا نسب نامہ بھی حضرت اسمٰعیل ابن ابراہیم تک[1] تحریر کیا۔

حضرت سمٰعیل کے ایک بیٹے قیدار کی نسل پھیلکر حجاز ہی میں مقیم رہی انھیں کے خیموں میں حضرت داؤد نے شاہ طالوت سے مخالفت کے ایام میں قیام کیا[2] تھا۔ قیدار کی نسل میں عدنان کے سلسلہ سے پانچویں صدی عیسوی میں قصی سردار قبیلہ قریش نے شہر مکہ میں اقتدار حاصل کر کے چند اصلاحات کیے جنسے قریش کی قوت کو سیاسی اور مذہبی دونوں حیثیتوں سے استحکام ہو گیا۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) دار الندوہ قائم کیا جہاں سرداران قبیلہ جمع ہو کر باہمی مشورہ سے رزم و بزم کی طیاری کرتے تھے۔

(۲) چونکہ زیارت بیت اللہ اور ادائے حج و عمرہ کیلیے قبائل عرب کا

---

[1] آنحضرت کا پورا شجرہ خطبات احمدیہ صفحہ ۲۰۰ میں تحقیق کیساتھ مع بحث کے درج ہے۔ [2] زبور نغمہ ۱۲۰

مکہ میں اجتماع ہوتا تھا قصی نے زائرین کے کھانے اور پینے کا انتظام خاص طور سے کیا اور سقایہ اور رفادہ کے دو منصب قائم کئے۔ ایام حج میں چرمی حوض پانی سے بھرے جاتے تھے اور اُس سالانہ رقم سے جو قریش سے بطور چندہ وصول ہوتی تھی منا میں حاجیوں کو کھانا تقسیم ہوتا تھا۔

(۳) کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا جسے قدیم الایام میں حضرت اسمٰعیل کے بعد قبیلہ جرہم پھر عمالقہ نے اپنے اپنے دور میں تعمیر کیا تھا لیکن کعبہ اب وہ بیت اللہ نہ تھا جہاں خدائے واحد کی پرستش شروع ہوئی تھی اب وہ شرک کا کشکول تھا جہاں پتھر کے بُت بھی نصب تھے اور حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل ہاتھ میں ازلام لئے ہوئے[۱]۔ فرشتوں کی تصاویر بھی تھیں اور ایک طرف "مادر خداوند" یعنی حضرت مریم حضرت مسیح کو گود میں لیے ہوئے تھیں۔ غرضکہ عرب میں جسقدر مشہور مذاہب تھے اُنکی تالیف قلوب کیلیے سامان موجود تھا حضرت مریم کی تصویر غالباً قصی کے زمانہ میں داخل ہوئی تھی کیونکہ ۴۳۰ء میں اسکندریہ کی بطریق اعظم سائرل کی کوششوں سے افیسس کی کونسل میں حضرت مریم کی پرستش ارکان کلیسا میں داخل ہوئی تھی اور آپ کی تصویر گرجا میں پجنے لگی تھی۔ قریش چونکہ تجارت پیشہ تھے مختلف قوموں سے کاروبار رہتا تھا پھر کعبہ قبائل عرب کا مشترک مذہبی مرکز تھا۔ اسلیے معبد ابراہیمی شرک کا

---

[۱] فال دیکھنے کے تیر صحیح بخاری کتاب الانبیا میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت نے ان تصاویر کو دیکھ کر فرمایا۔ بخدا ابراہیم اور اسمٰعیل کا یہ فعل ہرگز نہ تھا۔

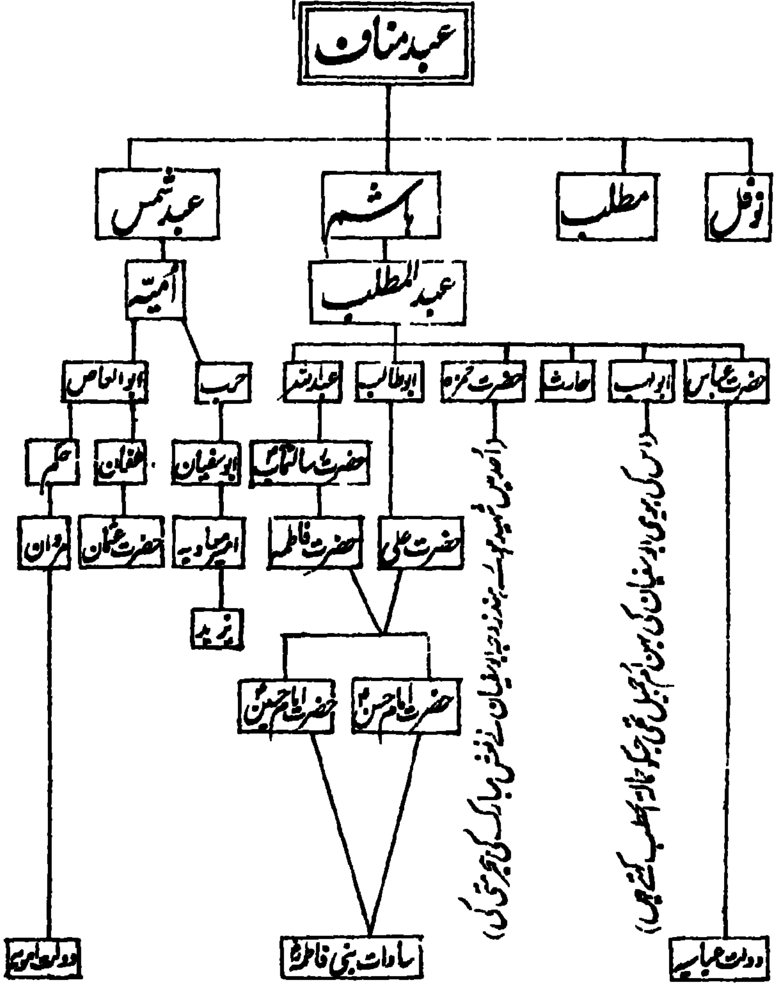
ہاشم اور امیہ کی نفاق جسکا اثر ایک خاندان میں مدتوں رہا

معجون مرکب بن گیا۔

ہاشم ابن عبد مناف نے اپنے دادا قصیّ کے مذکورۂ بالا انتظامات کو اور چمکایا اور قریش کی تجارت کو بڑی ترقی دی جاڑوں میں ایک قافلہ یمن کو جاتا تھا اور گرمیوں میں شام کو جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيۡفِ ہاشم نے کوشش کر کے قیصر روم اور نجاشی حبش سے ایسے فرمان حاصل کئے جنسے قریشی قافلو کے ساتھ خاص مراعات کرتے تھے۔ طبعاً ہاشم بڑے فیاض اور سیر چشم تھے ایک مرتبہ ایام قحط میں جب اہل مکہ سخت بلا میں مبتلا تھے ہاشم مال کثیر خرچ کر کے غلہ کا ذخیرہ شام سے لائے پھر اونٹوں کو ذبح کر کے روٹیاں شوربہ میں ڈبو کر قوم کو کھلائیں پہلے اُنکا نام عمرو تھا اب ہاشم کہلائے (عربی میں چورہ کرنے کو ہشم کہتے ہیں) خدا نے دولت کے ساتھ ان کو دل بھی دیا تھا اور قوم ان کی خوبیوں پر شیفتہ تھی۔ لیکن دنیا عجیب ہے انھیں کے بھتیجے اُمیہ ابن عبد شمس ابن عبد مناف کی رگ حسد کو جنبش ہوئی دولت کے نشہ میں اُسنے چچا کو چیلنج دیا یعنی منافرہ چاہا جسکا طریقہ یہ تھا کہ فریقین اپنے اپنے مفاخر کا ثبوت دیتے تھے پھر ایک حکم فیصلہ کرتا تھا۔ ہاشم نے پہلے بھتیجے کے مقابلہ میں آنا کسرِ شان سمجھا لیکن جب تماشا پسند قریش نے اصرار کیا تو مجبوراً یہ شرط کی کہ ہارنے والا پچاس سیاہ چشم اونٹ دے اور دس برس کیلیے جلاوطن ہو جائے۔ الغرض قبیلہ خزاعہ کا ایک کاہن حکم مقرر ہوا مقابلہ شروع ہوا۔ اُمیہ کو شکست ہوئی اور وہ بازی ہار کر اپنے حسد کی آگ میں جلتا ہوا شام کیطرف چلا گیا اور ہاشم نے وہ پچاس اونٹ ذبح کر کے قوم کی شاندار

دعوت[1] کی۔

کیا عجب بات ہے کہ ہاشم اور اُمیّہ کی مخالفت کا اثر اِن دونوں کے خاندان میں صدیوں باقی رہا جیسا کہ ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا۔



---

[1] ہاشم کے یہ حالات طبقات ابن سعد جزء اول صفحہ ۴۳ و ۴۴، اور طبری جزء ثانی صفحہ ۱۰ مطبوعہ مصر میں منقول ہیں۔

طبری ابن اسحٰق سے نقل کرتے ہیں[ا] کہ ہاشم نے ایک سفر سے واپسی کے وقت یثرب میں قبیلہ بنی النجار کی ایک حسین عورت سلمٰی سے عقد کیا مگر شرط یہ تھی کہ لڑکی میکے میں وضع حمل کیلئے بھیجدی جائے ہاشم بیوی کو ساتھ لیکر مکہ آئے اور جب وہ حاملہ ہوئی تو اُسکو یثرب بھیجکر خود سفر کو نکلے اور یہ اُنکا سفر آخرت تھا۔ سلمٰی سے ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام شیبہ رکھا گیا۔ آٹھ برس کی عمر میں اُنکو ہاشم کے ایک بھائی مطلب اپنے ہمراہ مکہ لے آئے اُس وقت سے اُن کا نام عبد المطلب پڑگیا۔ چونکہ اسکے لفظی معنی "مطلب کے غلام" کے ہیں اسلیے نولاکی اور اسکے ومکش مارگولیوث کو ہجو کے راگ گانے کا موقع ملگیا[۲] حالانکہ یہ مدعیان تحقیق اگر غور کرتے تو معلوم ہوجاتا کہ طبقات ابن سعد میں قصی کے متعلق یہ روایت صاف لکھی ہے:۔ عبد المطلب

کان قصی یقول ولد لی	قصی کہتے تھے میرے چار لڑکے ہوئے
اربعة رجال فسمیت اثنین	دو کے نام اپنے معبود کے نام پر
بالھی و واحداً بداری و واحداً	رکھے ایک کا گھر کے نام پر اور ایک
بنفسی فکان یقال لعبد بن	کا اپنے نفس کے نام پر۔ اسی بحث
قصی عبد قصی والذین سماھما	ایک کو عبد قصی کہتے تھے اور دو کے
بالھه عبد مناف و عبد العزی	نام عبد مناف اور عبد العزیٰ تھے اور
وبدلار عبد الدار (جزء اول ص ۳۹)	ایک کو عبد الدار کہتے تھے۔

[ا] تاریخ طبری جزء ثانی صفحہ ۱۰۸۶ [۲] دیکھو مارگولیوث کی کتاب "محمد" صفحہ ۴۷

قصی نے اپنے ایک بیٹے کا نام عبد قصی رکھا مطلب نے اگر دادا کی سنت کو تازہ کر کے اپنے یتیم بھتیجے کو اپنے نام کے ساتھ منسلک کر لیا تو کیا واقعی وہ غلام ہو گیا۔ ابن سعد پھر صفحہ ۴۹ میں ذکر عبد المطلب میں لکھتے ہیں کہ قریش نے جب مطلب کے پیچھے ایک لڑکے کو بیٹھا دیکھا کہنے لگے ھٰذا عبد المطلب یہ مطلب کا غلام ہے تو مطلب نے یہ جواب دیا

فقال ویحکم انما — پس کہنے لگا خرابی ہو تم پر یہ تو

ابن اخی شیبۃ — میرا بھتیجا شیبہ ہے۔

اصل یہ ہے کہ تعصب اور حسد کی ایک چنگاری دفتر تحقیق کو خاک سیاہ کر دیتی ہے عبد المطلب جب سن رشد کو پہنچے تو ان کے ایک چچا نوفل نے متروکات ہاشم کیلئے جھگڑا کیا عبد المطلب نے اپنی ننھیال میں اطلاع دی وہاں سے ابو سعد النجاری اسی آدمیوں کے ساتھ مکہ آئے اور صحن حرم میں جہاں سرداران قریش کیساتھ نوفل بھی موجود تھا پہونچکر تلوار نکالی اور نوفل سے کہا اس گھر کے رب کی قسم جب تک عبد المطلب کو اسکا حق نہ ملے گا تلوار نیام میں نہ کرونگا۔ نوفل مرعوب ہو کر مخالفت سے باز آیا۔ طبری لکھتے ہیں کہ جبوقت یہ روایت محمد بن ابی بکر الانصاری نے امیر موسیٰ بن عیسیٰ کے سامنے بیان کی تو وہ کہنے لگا عبد المطلب کو اپنی قوم میں عزت حاصل تھی انکو اسکی ضرورت نہ تھی کہ یثرب سے بنو النجار ان کی حمایت کو دوڑے آتے۔ محمد بن ابی بکر نے جواب دیا۔ اے امیر عبد المطلب سے جو بہتر تھے ان کو بھی ایسی ہی ضرورت پیش آئی۔ موسیٰ نے طیش میں آ کر کہا عبد المطلب سے بہتر کون تھا

ابن ابوبکر نے سنجیدگی سے جواب دیا وہ رسول اللہ تھے یوسف نے شرمندہ ہو کر کہا سچ کہتے ہو پھر حکم دیا کہ ابن ابوبکر کی یہ روایت لکھ لی جائے۔

مطلب کی وفات کے بعد عبد المطلب نے اپنے آبائی منصب سقایہ و رفادہ کو حاصل کیا۔ اس زمانہ میں پانی کی بڑی قلت تھی اور چاہ زمزم مدتوں سے تودۂ خاک میں گم ہو گیا تھا اور کسی کو اسطرف خیال نہ تھا عبد المطلب نے نہایت محنت سے خرابہ کو کھدوانا شروع کیا جس سے اُن کی سعی مشکور ہوئی اور کنواں نکل آیا اور اسکے ساتھ دو سونے کے غزال تلواریں، زرہیں جو بنی جرہم نے مکہ چھوڑتے وقت دفن کر دی تھیں برآمد ہوئیں۔ عبد المطلب نے غزالوں کو گلوا کر سونے کے پترے باب کعبہ پر جڑوا دیے اور تلواریں وہیں دروازے پر لٹکا دیں۔

خدا نے عبد المطلب کو دولت اور عزت کے ساتھ کئی بیٹے اور بیٹیاں عطا کیں ان میں ایک عبد اللہ تھے جو تقریباً ۵۴۵ء میں نوشیرواں عادل کے عہد میں پیدا ہوئے جب جوان ہوئے تو عبد المطلب نے انکا عقد قریش کے خاندان زہرہ میں آمنہ بنت وہب سے کر دیا۔

ولادت با سعادت آسمان پر جب کالی گھٹائیں چھا جاتی ہیں تب باران رحمت کا نزول ہوتا ہے صبح کاذب جب اپنا نیرنگ دکھا چکتی ہے تب صبح صادق کا ظہور ہوتا ہے فرعون نے جب بنی اسرائیل کے معصوم بچوں کا خون پانی کی طرح بہا دیا تب

۱؎ تاریخ طبری جزو ثانی صفحہ ۱۱۱

افواجِ فیل کے گھوارے میں ایک نورانی پیکر جھومتا نظر آیا۔ اصحاب الفیل جب تثلیث کی حمایت میں خدائے ابراہیم کے پہلے گھر کو بے چراغ کرنے آئے تب نورِ احمد نے چمک کر عالم کو روشن کیا اور پہلوئے آمنہ سے ربیع الاول میں دوشنبہ کے دن دعائے خلیل کا ظہور ہوا۔

آپ[1] کی ولادت اور ابتدائی حالات کے روایات جو ابن اسحٰق نے درج کئے ہیں وہ اسی لائق ہیں کہ پڑی رہیں سب بے بنیاد ہیں۔ بعض مؤلفین نے حضرت مسیح سے تعلق اختیار کی تھی ابن اسحٰق کی اسی روش پر متاخرین نے اور حاشیہ چڑھایا یہاں تک کہ منقطع اور ضعیف روایات سیرت نبوی میں بالعموم شامل ہو گئی ہیں لیکن شیرِ خالص کے ہوتے ہوئے پانی کی آمیزش کی کیا ضرورت ہے۔

آنحضرت کے ابتدائی حالات

رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ابتدائی حالات جو قرآن مجید میں مذکور ہیں وہ "قل و دل" میں ارشاد ہوتا ہے۔

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی — کیا نہیں پایا تجھے یتیم پس ٹھکانا دیا

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی — اور پایا تجھے گم ہو جانے والا پس راہ دکھائی

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی (سورۃ الضحیٰ) — اور پایا تجھے مفلس پس تونگر کیا۔

آنحضرت ابھی شکمِ مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد عبداللہ ایک قافلہ تجارت کے ساتھ شام کی طرف گئے واپسی میں بیمار ہو کر مدینہ میں انتقال کیا۔ جب ولادت ہوئی تو

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۹۴ تا صفحہ ۱۰۰

شرفائے عرب کی رسم کے موافق آغوش مادر سے الگ ہو کر ایام رضاعت قبیلہ ہوازن میں حلیمہ سعدیہ کے گھر میں بسر کئے چھ برس کی عمر میں جب وطن آئے تو آپ کی والدہ آپ کو ہمراہ لے کر اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کیلیے مدینہ آئیں اور ایک ماہ کے بعد واپسی میں بمقام ابوا انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئیں۔ والدہ کے انتقال کے بعد آپ کے دادا عبدالمطلب نے اپنی آغوش شفقت میں لیا مگر آٹھویں سال وہ بھی رحلت کر گئے تب آپ کے چچا ابوطالب نے اپنی کفالت میں آپ کو لیا اور ایسی شفقت و محبت سے پرورش کیا کہ سفر ہو یا حضر کسی حالت میں آپ سے جُدا نہیں ہوتے تھے۔

یتیمی کی دلخراش مصیبت برداشت کر کے جب آنحضرت سن شعور کو پہونچے تو قوم کی جاہلانہ رسموں اور بداخلاقیوں کے دھوئیں سے آپ کا پاکیزہ دم گھٹنے لگا، قلب نازک اس تیرگی کا متحمل نہوا۔ شوق طلب دامنگیر ہوا مگر حضرت موسیٰ کیطرح آپ وادی ایمن میں آگ لینے نہیں نکلے حضرت مسیح کے مانند آپ چالیس دن تک بیابان میں شیطان کی آزمائش میں مبتلا نہیں ہوئے۔ آپ طالب معرفت تھے اور تلاش حق میں سرگرداں۔ ایسی حالت میں وہ سچا رہنما جسکی رحمت اُسکے غضب پر سبقت لیگئی ہے عالم کی ہدایت کیلیے ایک یتیم امی کا خود ہادی بن گیا و وجدک ضالا فھدیٰ سچ ہے لرقمہ

گم گشتگان شوق کا خود رہنما ہے تو
لب تشنگان ذوق کا آب بقا ہے تو

سفر شام

قریش کا ذریعہ معاش تجارت تھا آنحضرت کے خاندان کے افراد بھی اسی پیشہ میں مشغول تھے اور شام ویمن وغیرہ مقامات میں قافلہ تجارت کے ساتھ مال بھیجا کرتے تھے اور اکثر خود بھی سفر کرتے تھے۔ عبداللہ آپ کے والد نے ایسے ہی ایک سفر میں انتقال کیا۔ حضرت ابوطالب سفر میں اکثر آپ کو ہمراہ رکھتے تھے۔ جب آپ جوان ہوئے تو ایک متمول قریشی بیوہ (حضرت خدیجہؓ) نے جو دور کے رشتہ سے آپکی چچیری بہن ہوتی تھیں اپنا مال دیکر اپنے ایک غلام میسرہ کے ہمراہی میں شام کی طرف تجارت کیلیے بھیجا۔ اس زمانہ میں شام پر رومیوں کا قبضہ تھا جسکو انھوں نے تین ضلاع میں تقسیم کیا تھا جو حصہ عرب سے ملحق تھا اسکا دارالحکومت بُصتری تھا۔ آنحضرت اس شہر میں تشریف لائے اور ایک راہب کی خانقاہ کے قریب درخت کے نیچے قیام فرمایا۔ ابن اسحق نے شام کے دو سفر میں راہبوں سے ملاقات اور اُن کی پیشنگوئیاں آپ کی آئندہ زندگی کے متعلق نقل کی ہیں۔ اکثر محدثین نے قصہ بحیرا کو جو پہلے سفر میں پیش آیا اپنے اصول کے مطابق موضوع ثابت کیا ہے لیکن سفر میں مختلف لوگوں سے ملاقات خاصکر راہبوں سے جو اس زمانہ میں مسافر نوازی اور خدمت خلق اپنا فرض سمجھتے تھے کچھ بعید نہیں ہے لیکن عیسائی مصنفین کا یہ دعوی کہ ان راہبوں کی صحبت میں آنحضرت کی اصلاح ہوئی حقیقت سے بعید ہے۔ اگر یہی طرز استدلال ہے تو انکے پاس اسکا کیا جواب ہے کہ حضرت مسیح نے فرقہ ایسین کے تارک الدنیا لوگوں سے عیسوی تعلیمات حاصل کیں اور حضرت یحیی کے وعظوں سے آپ کی حالت میں

اسی طرح حضرت موسےٰ نے فرعون کی تربیت میں ساحروں سے تعلیم پائی جو بعد کو عصا اور ید بیضا کی شکل میں جلوہ گر ہوئی حقیقت یہ ہے کہ خاصان خدا کیلیے کائنات کا ذرہ ذرہ ایک درس عرفان ہے اس میں نہ "برگ درختان سبز" کی کچھ خصوصیت ہے نہ خرپشنے کے تخم کی!

حضرت خدیجہ سے عقد

سفرِ شام سے جب آنحضرت واپس تشریف لائے تو حضرت خدیجہ سے عقد قرار پایا اسوقت آپ کا سن شریف پچیس سال کا تھا۔ حضرت خدیجہ کے والد خویلد کا انتقال حرب فجار سے پہلے ہو چکا تھا اسلئے ان کے چچا عمرو ابن اسد[1] نے اور آنحضرت کی طرف سے حضرت ابو طالب نے رسم نکاح ادا کی۔

جب سن شریف پینتیس سال کا ہوا تو مکہ میں ایک قضیہ پیش آیا جسکو اگر آپ کی عقل سلیم فیصلہ نہ کرتی تو گشت وخون کا بازار گرم ہو جاتا۔ کعبہ کی عمارت منہدم ہو چلی تھی۔ قریش نے از سر نو تعمیر شروع کی لیکن جب سنگ اسود رکھنے کا وقت آیا تو یہ جھگڑا پیدا ہوا کہ کون شخص اسکو اٹھانے کا شرف حاصل کرے۔ آخر قرار پایا کہ صبح کو جو شخص سب سے پہلے آئے اُسپر فیصلہ کا انحصار ہو دوسرے دن صبح کو آنحضرت پہلے تشریف لائے اور یوں فیصلہ کیا کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک سردار

---

[1] روض الانف صفحہ ۱۲۲ از ہری سے ایک عجیب روایت منقول ہے کہ حضرت خدیجہ نے اپنے والد کو شراب پلا کر نشہ کی حالت میں نکاح پڑھوا لیا جب باپ کو ہوش آیا تو بیٹی کی اس کارروائی پر بہت ناراض ہوا۔ اس روایت سے اموی دربار کی سیہ بختی کی بو آتی ہے اور آل مروان کی خباثت ظاہر ہوتی ہے۔ وہ ابن جریر نے حضرت عائشہ سے اور عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے جو روایت نقل کی ہو وہ یہ ہو کہ نکاح حضرت خدیجہ کے چچا عمرو ابن اسد نے پڑھا (زاد المعاد جلد اول صفحہ ۱۲م)

منتخب ہو پھر چادر پھیلا کر سنگ اسود اُس میں رکھا اور منتخب شدہ سرداروں سے فرمایا کہ چادر کے کونے تھام کر اوپر اُٹھائیں جب چادر موقع کے قریب آئی تو آپ نے سب کیطرف سے نیابۃً دست مبارک سے حجر اسود کو اُٹھا کر نصب کر دیا۔[۵۶]

ابن اسحٰق کا بیان

اس طور سے چالیس سال تک وہ دُر یتیم عہد جاہلیت کے صدف میں رہا۔ لیکن اسکی خوبیاں اسوقت بھی جھلکتی ہی تھیں ابن اسحٰق نے اسوقت کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

فشب رسول اللہ صلی اللہ	پس رسول اللہ صلعم جوان ہوئے اور
علیہ وسلم واللہ تعالیٰ یکلؤہ	اللہ تعالیٰ ہر ایک شر و فساد سے آپکی
ویحفظہ ویحوطہ من اقذار	حفاظت کرتا تھا اور جاہلیت کی ہر ایک
الجاھلیۃ لما یرید بہ من	ناپاکی سے آپ کو پاک رکھتا تھا کیونکہ
کرامتہ ورسالتہ حتّٰی بلغ ان	وہ آپ کو کرامت و رسالت عطا
کان رجلا افضل قومہ مروۃ	کرنے والا تھا۔ چنانچہ جب آپ بالغ
واحسنہم خلقا واکرمہم حسبا	ہوئے تو اپنی قوم میں سب سے بڑھ کر بامروت
واحسنہم جوارا واعظمہم حلما	صاحب اخلاق شریف ملنسار حلیم
واصدقہم حدیثا واعظمہم امانۃ و	راست گو امانت دار اور فحش وغیرہ
ابعدہم من الفحش والاخلاق التی	اخلاق ذمیمہ سے جو شرافت انسانی

---

[۵۶] ابن ہشام صفحہ ۱۰۱

تدنس الرجال تنزها وتکرما	کیلیے حضرت ذکر ساں ہیں بہت
حتی ما اسمہ فی قومہ الا الامین	دور تھے یہاں تک کہ قوم نے آپ کو
لما جمع اللہ فیہ من الامور	الامین کے لقب سے یاد کیا اسلیے کہ اللہ
الصالحہ	تعالیٰ نے امور صالحہ آپ میں جمع
	فرما دیے تھے۔ (ابن ہشام جزو اول صفحہ ۱۸۰)

نزول وحی سے ہجرت تک

کائنات ایک قفل ابجد

قلم کے تین حرف ق ل م کو اس شے سے جس سے لکھتے ہیں نہ کسی قسم کی مشابہت ہے نہ مناسبت لیکن جب یہ لفظ لکھا جاتا ہے تو پڑھنے والے کا ذہن اُسی شے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کائنات بھی اسیطرح ایک قفل ابجد ہے جسے علیم الحکیم نے معانی و اسرار کے خزانوں پر لگا دیا ہے یہ قفل اُن قدسی نفوس کے لیے کھلتا ہے جو باطن کی روشنی میں دل کی زبان سے ان معانی نقوش کو پڑھتے ہیں لیکن جس طرح ایک کج بحث جاہل کو یہ سمجھانا سخت مشکل ہے کہ ق ل م سے مراد آلہ تحریر ہے اسی طرح ظاہر بیں منکر روحانیت کو یہ یقین دلانا سخت دشوار ہے کہ مظاہر کائنات کے پردے میں کلمات الٰہی کا جلوہ نظر آتا ہے جسکے دیکھنے کے لیے دیدۂ باطن بینا چاہیے اور جسکے یقین کیلیے قلب سلیم درکار ہے۔

واقعات اور حوادث عالم کا تماشا یوں تو سبھی دیکھتے رہتے ہیں لیکن صرف گنتی کے ایسے نفوس ہیں جن پر کسی خاص وقت میں ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ وہ حقیقت سے آشنا ہوکر نوع انسانی کو ترقی کی راہ پر لاتے ہیں۔ لاکھوں آدمیوں نے سیب کا درخت سے گرنا دیکھا ہوگا لیکن یہ نیوٹن کا دماغ تھا کہ اُسنے اس معمولی واقعہ سے کشش کا ہمہ گیر قانون معلوم کرلیا۔ ہزاروں اشخاص نے بڈھوں کو اور مردوں کی لاشوں کو دیکھا ہوگا لیکن یہ گوتم کے دیدۂ عبرت بیں تھے کہ ان دردناک نظاروں سے متاثر ہوکر نروان کی فلسفیانہ سکون کی حقیقت معلوم کرلی۔ نیوٹن گوتم

تاروں کا نکلنا، چاند کا چمکنا اور پھر صبح کو آفتاب عالمتاب کا روشن ہونا کسنے نہیں دیکھا لیکن یہ ابراہیم کی نگاہ دوربیں تھی جسنے اجرام سماوی کے پردے میں ایک لازوال ہستی کی جھلک دیکھکر توحید کے سچے عقیدے کی تعلیم دی۔ سائنس فلسفہ اور مذہب کے عوالم کے یہ واقعات کیا معنی خیز نہیں ہیں۔ حضرت ابراہیم

نوع انسان کی روحانی ترقی ان برگزیدہ ہستیوں کی رہین منت ہے جنکے متعلق سخت سے سخت منکر بھی بشرطیکہ اُسکا دماغ صحیح ہو اسقدر تو ضرور تسلیم کریگا کہ ان میں کوئی خاص بات ضرور تھی جسنے انھیں خلق خدا کی ہدایت کے بلند مرتبہ پر پہونچا دیا۔ ساڑھے تین ہزار سال کا عرصہ گزرا جب اکبر فرعون کے محل میں پرورش پایا ہوا ایک نوجوان مصر سے نکلکر پہاڑ پر ایک نورانی نظارہ دیکھتا ہے اور ایک غیبی آواز سنتا ہے کہ جا اپنی قوم کو نجات دلا۔ وہ واپس آتا ہے اور تنہا دشمنوں پر غالب آکر

اپنی قوم کو نجات دلاکر دینی اور دنیوی ترقی کے راستہ پر لاتا ہے۔ دو ہزار سال ہوئے جب ناصرہ کے ایک غریب یہودی کے گھر ایک بچہ پیدا ہوتا ہے جو جوان ہو کر ایک غیبی آواز سنتا ہے کہ اے میرے محبوب فرزند اسرائیلی گلوں کی حفاظت کر اور آسمانی بادشاہت کی خوشخبری سنا۔ وہ اس خدمت کیلیے ناخدا ترس اسرائیلیوں میں آتا ہے اور اس کوشش میں اپنی جان قربان کر دیتا ہے جس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تین سو برس کے اندر قیصر اُسکا حلقہ بگوش غلام بنجاتا ہے اور لاکھوں نفوس ان کے نام پر جان دینے کو حاضر ہیں۔

ساڑھے تیرہ سو برس کا زمانہ گزرتا ہے جب مکہ کا ایک یتیم اُمّی چالیس ۴۰ سال کی عمر میں جب وہ ایک غار میں مراقب ہے ایک ربانی کرشمہ دیکھتا ہے اور یہ بے آواز صدا سنتا ہے کہ عالم کی ہدایت کیلیے اُٹھ وہ اُٹھتا ہے اور اس شان سے اُٹھتا ہے کہ ایک دین کامل کی تلقین کرتا ہے جو عالم کیلیے رحمت ہے۔ یہ وہ واقعات ہیں جن کی تاریخ شہادت دیتی ہے لیکن دیکھو کہ ان واقعات کی روایت کس طور سے بیان کیجاتی ہے۔

(ا)

کوہ طور کا نظارہ

موسٰی اپنے خسر یثرون کاہن مدیان کی بکریاں چراتے تھے جنہیں وہ جنگل کی پشت پر لیگئے یہاں تک کہ وہ خدا کے پہاڑ حوریب پر پہونچے۔

اور خدا کا فرشتہ شعلۂ آتشین میں جو ایک جھاڑی سے نکل رہا تھا ظاہر ہوا موسٰی نے دیکھا کہ جھاڑی میں آگ لگی ہوئی ہے مگر وہ جل نہیں جاتی۔

اور موسےٰ نے کہا میں جاکر اس منظرِ عظیم کو دیکھوں کہ جھاڑی جل کیوں
نہیں جاتی اور جب خدا نے دیکھا کہ موسےٰ تماشا دیکھنے چلا تو خدا نے اُس
جھاڑی سے پکارا۔ موسیٰ اے موسیٰ! اور اُسنے جواب دیا میں حاضر ہوں
اور خدا نے کہا اِدھر قریب مت آ اپنے پاؤں سے جوتی نکال ڈال
کیونکہ تو جس مقام پر کھڑا ہے وہ ارض مقدس ہے۔
پھر ندا آئی میں تیرا خدا ہوں، خدائے ابراہیم خدائے اسحٰق اور
خدائے یعقوب! یہ سُنکر موسےٰ نے مُنہ چھپالیا کیونکہ اُسے خدا کیطرف
نظر اُٹھاتے ہوئے خوف معلوم ہوا ۱۲ (توریت خروج باب ۳)

(۲)

اور ایسا ہوا کہ اِن دنوں یسوع ناصرۃ الجلیل سے آئے اور اردن میں یحیٰ — مسیح پر روح کا نزول
نے اُن کو بپتسمہ دیا، اور جب وہ پانی سے نکلے تو دیکھا کہ آسمان پھٹ گیا
اور روح کبوتر کی صورت میں اُن پر نازل ہوا اور آسمان سے ایک آواز
آئی تو میرا پیارا فرزند ہے میں تجھسے خوش ہوں۔
اور روح اُن کو بیابان میں فوراً لے گیا۔
اور چالیس دن تک وہ بیابان میں رہے شیطان اُنکو آزماتا رہا وہ
وحشی جانوروں میں رہے اور فرشتے اُن کی خدمت کرتے رہے۔

(انجیل مرقس باب اوّل)

ابن اسحاق کی روایت متعلق نزول

اہل کتاب کی ان دو روایات کو پیش نظر رکھ کر اب آنحضرتؐ کے متعلق اس روایت کو پڑھو جسے ابن اسحق نے نقل کیا ہے۔

(۳)

چالیس سال کی عمر میں جبکہ رمضان کا مہینہ تھا آپ غار حرا میں "تحنث" یعنی محو عبادت تھے آپ فرماتے ہیں میں خواب[۱] میں تھا کہ فرشتے نے دیبا کے ٹکڑے[۲] پر ایک تحریر دکھائی اور کہا پڑھ میں نے کہا میں پڑھا نہیں ہوں۔ اُسنے مجھے ایسا دبوچا کہ میں سمجھا موت آتی ہے۔ پھر چھوڑ کر کہنے لگا پڑھ میں نے وہی جواب دیا اور اُسنے پھر ویسا ہی کیا۔ تیسری مرتبہ میں نے کہا کیا پڑھوں اُسنے کہا اقرأ باسم ربك الذی خلق ... مالایعلم پھر فرشتہ چلا گیا میں بیدار ہوا اور ایسا معلوم ہوا کہ وہ الفاظ میرے قلب میں نقش ہو گئے[۳]۔ پھر میں غار سے نکلا پہاڑی کے بیچ میں ایک آواز آسمان سے آئی اے محمد تو رسول اللہ ہے اور میں جبرئیل ہوں میں نے سر اُٹھا کر آسمان کیطرف دیکھا تو جبرئیل بشکل انسان افق پر نظر آئے پھر میں جدھر دیکھتا ہوں وہی نظارہ پیش نظر تھا

---

[۱] ابن اسحق کے اصل الفاظ یہ ہیں وجاءنی جبرئیل وانا نائم ...

[۲] بنمط من دیباج فیہ کتاب پھر جب نزول اقرا ہو چکا تو یہ الفاظ ہیں۔

[۳] فانصرف عنی وھببت من نومی فکانما کتبت۔

میں پھر گھر آیا اور خدیجہ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ اُنھوں نے مجھے بشارت دی اور کہا۔ بخدا آپ اِس اُمت کے نبی ہوئے۔ (ابن ہشام صفحہ ۲۲۵، ۲۲۶)

مذکورۂ بالا روایات میں تین اُولوالعزم پیغمبروں پر نزول وحی کا واقعہ مذکور ہے لیکن جو نسبت وحی کے تین حرفوں کو اسکے معنی سے ہے وہی تعلق ان روایات کو حقیقت سے ہے شعلۂ آتشیں ہو یا کبوتر کی صورت یا شکل انسانی۔ یہ نظارہ انھیں حقیقت بین نگاہوں کیلیے ہے جو اِسی لیے خلق ہوئے تھے اور جنھوں نے اِس نظارہ کو دیکھکر اور آوازِ غیب سنکر اپنا فرض رسالت ادا کرکے وحشی انسان کو معراجِ کمال پر پہونچا دیا۔

ی کیفیت

اصل یہ ہے کہ وحی ایک فیضانِ الٰہی ہے جسکے دائرہ میں فرقِ مراتب کے ساتھ ادنیٰ مخلوق سے اشرف المخلوقات تک سب شامل ہیں۔ زمین و آسمان اس سے مستفیض ہوئے۔ شہد کی مکھی اسی فیض سے حیرت انگیز مسدسی شکل کا چھتہ بنا کر شہد خالص پیش کرتی ہے۔ حضرت موسیٰ کی والدہ اسی کے سہارے اپنے نوزائیدہ لخت جگر کو امواجِ نیل کے سپرد کرتی ہیں۔ حضرت مسیح کے حواری اسی کے اثر سے پتھر کے دلوں کو موم کر دیتے ہیں۔ وحی کے مختلف مراتب قرآن مجید میں یوں مذکور ہیں۔

(۱) وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا (سورۂ قصص)

(۲) یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰی لَهَا (سورۂ زلزال)

(۳) وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ (سورۂ نحل)

(۴) وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ
فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ (سورہ قصص)

(۵) وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِىْ وَبِرَسُوْلِىْ

وحی کے متعلق قدیم الایام سے مختلف خیالات ہیں۔ روایات یہود میں خدا اپنی انگلیوں سے الواح پر احکام عشرہ نقش کر کے موسیٰ کو دیکر روبرو گفتگو کرتا ہے۔ نصاریٰ کے نزدیک مسیح خود ہی ابن اللہ تھے اور "ثالث ثلثہ" اسلیے وحی زبانہ آتشیں کی شکل میں حواریوں پر نازل ہوئی اور وہ روح قدس سے بھر گئے۔ مگر قرآن پاک نے تجسیم کے اس طلسم کو توڑا اور صاف سُنا دیا۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ (سورۂ شوریٰ)

اور آدمی کا یہ حوصلہ نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کی آڑ سے یا وہ ایک پیغام پہونچانے والا بھیجتا ہے وہ اسکے حکم سے جو کچھ منظور ہے پہونچاتا ہے بیشک وہ برتر حکمت والا ہے۔

وہ یگانہ و بیچوں جو جسم و جسمانیت سے منزہ اور فہم و ادراک سے ارفع و اعلیٰ ہے کسی بشر سے خواہ وہ موسیٰ کلیم اللہ ہوں یا عیسیٰ روح اللہ یا محمد رسول اللہ اس طور سے کلام نہیں کرتا جس طرح انسان آپس میں باتیں کرتے ہیں یا پیغام بھیجتے ہیں۔ اس کا

کلام جو حرف و آواز سے منزہ ہے قلب صافی پر نقش ہوتا ہے دیدۂ دل اسکو پڑھتا ہے اور گوش باطن اسکو سنتا ہے۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ — اُتارا اُسے روح امین (جبرئیل)
عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ — نے تیرے دل پر تاکہ تو ڈرانے والوں
الْمُنذِرِينَ — سورۃ الشعراء — میں سے ہو جائے۔

اب ہم ابن اسحق کی روایت کے متعلق نزول وحی کیطرف متوجہ ہوتے ہیں۔

ابن اسحق اور اُن کے ساتھ جمہور علما[۵۱] کا اتفاق ہے کہ سب سے پہلے وحی جو غار حرا میں آنحضرت پر نازل ہوئی وہ سورۂ اقرا کے پانچ ابتدائی آیات ہیں:۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ — پڑھ نام رب کا اپنے جسنے پیدا کیا۔
خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَأْ — بنایا آدمی کو خون بستہ سے۔ پڑھ اور
وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ — تیرا رب بزرگ ہے جسنے بذریعۂ قلم
عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ — سکھایا۔ سکھایا انسان کو جو نہ جانتا تھا۔

ان آیات میں شان خالقیت اور اکرام خداوندی کی طرف توجہ دلائی کہ کس طرح ایک قطرہ ناچیز کو علوم اور اسکے محفوظ کرنے کے طریقہ تحریر کے ذریعے سے شرف عطا فرمایا یہ ایک لطیف پیرایہ ہے وحی اور رسالت کے معانی سمجھانیکا جیسا کہ ہم نے اس مضمون کے عنوان میں بیان کیا ہے۔

---

۵۱ بخاری باب کیف کان بدء الوحی۔ تفسیر قسمی بروایت حضرت امام محمد باقرؑ۔

ماہرین علم الانسان کا قول ہے کہ نوع انسانی کی اصلی ترقی جسنے اسکو حیوانیت کی زندگی سے ممتاز کیا اُسوقت سے شروع ہوئی جب سے فن تحریر کی ایجاد ہوئی۔ اس فن کے آلۂ اظہار یعنی قلم کے متعلق کسی نے خوب کہا ہے۔

القلم لسان الید	قلم ہاتھ کی زبان ہے اور دل کا ایلچی
وسفیر الضمیر ومستودع	اور بھیدوں کا ظاہر کرنے والا اور
الاسرار ومنبسط الاخبار	خبروں کا پھیلانے والا اور نشانیوں
وحافظ الاثار	کا حفاظت کرنے والا۔

حقیقت یہ ہے کہ انبیاء و رسل اقلام الٰہی ہیں۔ قلم جس طرح دست کاتب میں جنبش کرکے اسکے مافی الضمیر کو ظاہر کرتا ہے یہ قدسی نفوس بھی وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی کا جلوہ دکھا کر پیغام الٰہی سناتے ہیں!

فترة الوحی — عام روایت ہے کہ نزول اقرأ کے بعد تین برس تک وحی بند رہی۔ پھر سورۂ مدثر کا نزول ہوا اور آپ نے تبلیغ شروع کی لیکن اکثر روایات میں دو برس اور بعض میں چھ ماہ مذکور ہیں۔ تفسیر ابن جوزی اور معانی زجاج میں پندرہ دن۔ تفسیر مقاتل میں تین دن، اور حضرت عباس سے صرف ایک دن مروی ہے۔ علما نے ان اقوال مختلفہ میں تطبیق کی یوں کوشش کی ہے کہ ابتداً آپ نبوت کے درجہ پر تھے پھر رسالت اور قوم میں تبلیغ و انذار کا شرف[1] عطا ہوا لیکن ابن اسحٰق نے مدت کا

---

[1] زرقانی جلد اوّل صفحہ ٢٣٦۔

تعین مطلق نہیں کیا ہے[1] صرف یہ لکھا ہے کہ وحی کچھ دن بند رہی آپ محزون تھے کہ سورۂ والضحیٰ کا نزول ہوا جس میں آپ کو تسکین دیگئی مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى یہ بالکل صحیح ہے اور اِس سے ایک بات معلوم ہوئی کہ نزول سورۂ مدثر تک وحی کا بند رہنا ابن اسحٰق سے مذکور نہیں ہے۔

علماء نے اس عظیم الشان تاریخی انقلاب پر جو اُس زمانہ میں عرب کے چار جانب پیش آیا اور جسکا اثر یقیناً حجاز میں بھی محسوس ہوا جیسا کہ سورۂ روم سے صراحتہً ظاہر ہے غور نہیں کیا ورنہ آغاز رسالت کی تاریخ پر روشنی پڑتی۔

آغاز رسالت کی تاریخ

روم وعجم ابتدا سے ایک دوسرے کے دشمن رہے ہیں اور ہر قرن میں خونخوار لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا ہے آنحضرت کی بعثت کے پیشتر خسرو پرویز نے قیصر مارلس کے قتل کا انتقام لینے کے لیے سنہ ۶۰۳ء میں سلطنت روم پر چڑھائی کی اور کئی سال کے معرکوں کے بعد سنہ ۶۱۱ء میں شام فتح کر لیا اور پھر تین سال کے اندر فلسطین کو زیر وزبر کرکے بیت المقدس کو جو بخت نصر اور طیطوس رومی کے ہاتھوں دو مرتبہ ویران ہو چکا تھا برباد کر دیا۔ مؤرخ گبن نے اِس واقعہ کی تصویر یوں کھینچی ہے:۔

"بیت المقدس کی فتح جسکا قصد نوشیرواں نے کیا تھا اُسکے پوتے کے جوش اور حرص سے حاصل ہوئی دین عیسوی کی سب سے بڑھکر مایہ افتخار یادگار کی تباہی مجوس کے متعصبانہ جوش وخروش کا نتیجہ تھا اور اِس دینی لڑائی میں

---

[1] ابن ہشام جزو اول صفحہ ۲۳۰

چھبیس ہزار یہود بھی جن کی بزدلی اور بدنظمی کی پردہ پوشی ان کی قساوت قلبی
سے ہوتی تھی شریک عدو ہو گئے۔ آخر بیت المقدس مفتوح ہوگیا۔ مزار مسیح
اور قسطنطین اور ہلینا کے شاندار کلیسا شعلہائے آتش میں فنا ہو گئے۔ تین سو سال
کے پیش کردہ نذر و نیاز ایک بیحرمت کرنے والے دن کے اندر تاراج ہو گئے
اسقف اعظم زکریا اور اصلی صلیب کو ایران لے گئے اور نوے ہزار پیران مسیح
ان یہود اور اعراب کے ہاتھوں جو لشکر عجم کے ہمرکاب تھے خاک و خون میں
مل گئے!" (زوال روم جلد پنجم صفحہ ۰۰)

اس طور سے بیت المقدس تیسری مرتبہ تباہ ہوا اور بار بار کی ناشکریوں کی پاداش
میں آل اسحق عاق ہو گئی۔ اب وقت آیا کہ رب الافواج رب العالمین کے لقب سے آل اسمعیل
کیطرف متوجہ ہوا اور بیت اللہ انوار الٰہی سے معمور ہو۔ وہ خدا جس نے وادی ایمن میں آگ کے
پردے سے حضرت موسیٰ کو پکارا تھا اب اسکا جلوہ سدرۃ المنتہیٰ سے بشکل جبرئیل ظاہر ہوا
حضرت موسیٰ چرواہے کا عصا ہاتھ میں لئے تھے حکم آیا اپنا عصا پھینک اور قدرت خدا
کا تماشا دیکھ کہ کس طرح فرعون کی فرعونیت غارت ہوتی ہے۔ اور تیری قوم بند غلامی سے
آزاد ہوتی ہے۔ رسول کریم انقلاب عالم سے اوڑھے لپیٹے پڑے تھے حکم آیا اُٹھ نعرۂ تکبیر بلند کر
پھر دیکھ کہ کس طرح شرک جلی و خفی کی سرفلک عمارات خاک میں ملجاتی ہیں اور عالم میں توحید کا ڈنکا بجتا ہے

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ

یہ ہے آغاز رسالت کی تاریخ کی تشریح جسکو ہمارے راویوں نے اعجوبہ پرستی

کی دھن میں کچھ سے کچھ نقل کر دیا اور کہنے لگے جبرئیل کی عجیب و غریب شکل دیکھکر آنحضرت ؐ ڈر جاتے ہیں۔ حضرت خدیجہؓ آپ کو ورقہ کے پاس جو عیسائی تھا لیجاتی ہیں وہ کہتا ہے قدوس قدوس یہ فرشتہ تھا تب آپ کا ڈر کم ہوتا ہے پھر دوبارہ جبرئیل نظر آتے ہیں ایک ایسی کرسی پر جو زمین سے آسمان تک بچھی ہوئی ہے آپ پھر ڈر جاتے ہیں اور کانپتے ہوئے گھر آتے ہیں اور فرماتے ہیں زملونی زملونی مجھے اُڑھاؤ۔ یہ روایات اگرچہ احادیث[1] و سیر میں نقل ہو گئیں لیکن اصل میں یہ زہری کے بلاغات سے ہیں[1] جنکا سلسلہ منقطع ہے خاصان خدا عجیب و غریب شکلوں سے نہیں ڈرتے۔ کائنات کی کوئی شے انھیں مرعوب نہیں کر سکتی۔ وہ فرض رسالت کی نازک ذمہ داریوں سے ڈرتے ہیں۔ وہ عظمت و جلال خداوندی کے تصور سے لرزتے ہیں!

تبلیغ دین ابن اسحق لکھتے ہیں کہ نزول وحی کے بعد سب سے پہلے نماز کی دو رکعتیں فرض ہوئیں۔ حضرت خدیجہ۔ حضرت علیؓ جو بچپن سے آپ کے سایۂ عاطفت میں پرورش پا رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ جو ابتدائے عمر سے آپ کے انیس و جلیس تھے اور حضرت زیدؓ بن حارثہ جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور متبنّٰی تھے، وہ سابقین اولین ہیں جو سب سے پہلے آپ پر ایمان لاکر خدائے واحد کی درگاہ میں سر نیاز جھکانے لگے[2]۔ سورۂ فاتحہ جسے "ام الکتاب" اور "سبع المثانی" کا لقب ملا انھیں ایام میں نازل ہوئی علمائے اگرچہ اسکی نزول کی تاریخ کے متعلق اختلاف ہے لیکن قول اصح یہ ہے کہ اگرچہ سورۂ اقرأ

---

[1] سیرۃ النبی صفحہ ۱۷۹ [2] ابن ہشام جزء اول صفحہ ۱۳۲

کی پانچ ابتدائی آیتیں سب سے پہلے نازل ہوئیں لیکن سب سے پہلے جو کامل سورت نازل ہوئی وہ یہی سورۂ فاتحہ ہے، کیونکہ واقعات شاہد ہیں کہ اسلام میں نماز بغیر اس سورہ کے پڑھے ہوئے کبھی ادا نہیں کی گئی۔

سورۂ فاتحہ کے لطائف سورۂ فاتحہ دین کامل کی عمارت کا سنگ بنیاد ہے جس میں سات آیات ہیں جو حمد و ثنا، تعبد و استعانت، انابت اور دعا پر شامل ہیں۔ ابتدا کے دو آیات یہود و نصاریٰ کی تنگ خیالی اور غلط فہمی کی اصلاح کرتی ہیں یہود خداوند یہواہ کو رب الافواج اور بنی اسرائیل کا خدا کہکر پکارتے تھے۔ یہاں ہکو رب العالمین کے نام سے یاد کیا جو کائنات کا پالنے والا ہے اور جس سے اسلام کی وسعت مشرب کا اظہار ہوتا ہے۔ نصاریٰ اسکو باپ کہکر پکارتے تھے جس نے اپنے "اکلوتے بیٹے" مسیح کو گنہگار انسان کی نجات کیلئے قربان کر دیا، لیکن یہاں اس کو رحمٰن و رحیم کے صفات سے یاد کیا جنکا تصور "باپ" کے تجمانہ تصور سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے۔ وہ دنیا و آخرت میں بڑا رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے اسکی رحمت عام ہے پھر عبادت اور استعانت کے معاملہ میں اہل کتاب و مشرکین سب ہی غلط راہ پر تھے اصنام و اجرام کی پرستش، ولیوں اور راہبوں سے استعانت دیوتاؤں سے پناہ مانگنا غرضکہ شرک جلی و خفی کے ظلمات میں ایاك نعبد و ایاك نستعین کی پاکیزہ تعلیم وہ آب بقا ہے جس نے انسان کو حیات جاوید عطا کی پھر مذاہب عالم کی افراط و تفریط میں صراط مستقیم یعنی سیدھے راستے پر چلانے کی روزانہ دعا، حقیقت میں اس دین کامل کی

مابہ الامتیاز خصوصیت ہے۔

تبلیغ کے مشکلات

سورہ مدثر کے نزول کے بعد آنحضرت نے خدائے واحد کی پرستش اور شرک و بت پرستی کی علانیہ برائی شروع کردی۔ قریش جن پر نہ یہودیت کچھ اثر کرسکی تھی نہ نصرانیت۔ آپ کی تعلیم سے سخت برافروختہ ہوئے۔ وہ تجارت کے کیڑے اور دولت کے بندے تھے۔ یہود اگر خدا کے پیارے اور نصاریٰ اُسکے اکلوتے فرزند کو چاہنے والے کہلاتے تھے تو قریش بھی کعبہ کی تولیت کی بنا پر خود کو ہمسائگان الٰہی اور آل اللہ سمجھتے تھے۔ اِن کے مقتدر اور مالدار سردار ولید بن مغیرہ اور اُس کا بھتیجا ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ اور اُسکا داماد ابوسفیان، عاص بن وائل، ابی بن خلف اور عقبہ بن معیط بادۂ نخوت سے مست اسکو گوارا نہیں کرسکتے تھے کہ "یتیم ابوطالب" جو اُن کے مقابلہ میں نہ دولتمند تھا نہ صاحب اثر ان کے سامنے خدا کا رسول بنکر آئے پھر طرہ یہ کہ ایک خدا کی پرستش کی جائے جسکے معنی یہ تھے کہ کعبہ کے ۳۶۰ صنام کی گرمی محفل نہ رہے۔ نذر و نیاز کا سلسلہ بند ہو جائے جس سے مالی نقصان کے ساتھ اقتدار کا بھی خاتمہ تھا یہ خیالات تھے، یہ اندیشے تھے جن کی وجہ سے قریش نے آنحضرت کی مخالفت زور و شور سے شروع کردی۔

اِسکے ساتھ جن لوگوں کے قلوب اس قسم کے خیالات سے سیاہ نہیں ہوئے تھے وہ آنحضرت کی تعلیم سے بہت جلد متاثر ہوکر دولت ایمان سے مالامال ہوگئے۔ اُن میں حضرت عثمانؓ بن عفان جو خاندان بنی امیہ سے تھے۔ حضرت زبیر بن العوام آنحضرت کے

پھوپھی زاد بھائی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد ابن وقاص، حضرت طلحہ ابن عبیداللہ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح تاریخ میں خاص طور سے مشہور ہیں۔ ان سردارانِ قریش کے علاوہ حبش اور رُوم کے دو غلام حضرت بلال اور صہیب بھی اپنے مالکوں کے ظلم و ستم کی کچھ پرواہ نہ کر کے دینِ برحق میں شامل ہو گئے۔

قریش اب مختلف طریقوں سے آنحضرت اور مسلمانوں کو جنکی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی تکلیف اور ایذا دینے لگے لیکن رسُولِ برحق نہایت صبر و استقلال سے فرضِ رسالت ادا فرماتے رہے۔

ایک دن آپ کوہ صفا پر چڑھ کر پکارے "یا معشر قریش" لوگ جمع ہو گئے آپ نے فرمایا اگر میں تم سے کہوں کہ عقب کوہ سے ایک فوج گراں تم پر حملہ آور ہونا چاہتی ہے تو تم کو یقین آئیگا۔ سبھوں نے جواب دیا کیوں نہیں اسلیے کہ تم کو ہمیشہ سچ بولتے دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا تو سنو خدائے واحد پر ایمان لاؤ ورنہ عذاب شدید میں مبتلا ہو گے یہ سُنکر ابولہب آپ کا چچا برہم ہو کر بولا بس ابھی لیے ہمکو پکارا تھا۔ پھر اُسکے ساتھ اور لوگ بھی برہم ہو کر چلے گئے۔

ابولہب کی عورت اُمِ جمیل ابوسفیان کی بہن بنی اُمیہ کے خاندان سے تھی مخالفت میں اس تعلق کا بھی اثر تھا کیونکہ بانی ہاشم اور اُمیہ میں جیسا کہ ہم شروع میں لکھ چکے ہیں عداوت تھی جس کا اثر خاندان میں بھی مدتوں باقی رہا۔ آنحضرت کی دو بیٹیاں رُقیہ اور اُمِ کلثوم ابولہب کے دو بیٹوں کے عقد میں تھیں لیکن اُنکے والدین نے بیٹوں سے

محض عداوتاً طلاق دلوادی۔ اسیطرح آنحضرت کی توہین وتذلیل میں دونوں مصروف رہتے تھے۔ اُم جمیل اگرراہ میں کانٹے بچھاتی تھی تو ابولہب ساحر ومجنوں کہکر دلمیں نشتر چبھوتا تھا لیکن اگر ایک چچا عداوت پرکمر باندھ کے گمراہ ہوا تو دوسرے چچا کو خدا نے ہدایت دی جس کی تفصیل یہ ہے۔

ایمان حضرت حمزہ

عبدالمطلب کے بیٹوں میں حمزہ بڑے غیور اور شجاع تھے اور آنحضرت کے رضاعی بھائی بھی ہوتے تھے شکار کے شائق تھے صبح کو تیر وکمان لیکر جنگل کو نکل جاتے تھے شام کو واپس آکر پہلے کعبہ کا طواف کرتے تھے جہاں رؤسائے قریش صحن حرم میں اپنی اپنی محفلیں گرم کیاکرتے تھے آپ بھی وہیں دوستوں میں بیٹھ جاتے تھے۔ ایک دن شکار سے واپس آئے ایک لونڈی نے آپ سے کہا آج ابوجہل نے تمہارے بھتیجے کو گالیاں دیں اور بہت بُرا برتاؤ کیا۔ یہ سنکر حمزہ فرطِ غضب میں ابوجہل کے پاس حرم کعبہ میں آئے اور اپنی کمان اسکے سر پر ماری اور فرمایا میں بھی محمدؐ کا دین اختیار کرتا ہوں دیکھیں تو کیا کرتا ہے۔ ابوجہل کے خاندان کا ایک شخص فوراً حمزہ سے تعرض کرنے کو کھڑا ہوگیا مگر ابوجہل نے معاملہ کی نزاکت کو سمجھکر روکا اور اظہار ندامت کیا۔ حضرت حمزہؓ گھر واپس آئے اور جب غصہ فرو ہوا تو شب بھر تعلیم اسلام پر غور کرتے رہے۔ ابوجہل کے سامنے زبان سے جو کچھ نکلا تھا اب دل نے اسکی تصدیق کی۔ صبح کو آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کلمہ شہادت پڑھا[۵۱]۔ حضرت حمزہ کے ایمان لانے کا جو اثر ہوا ابن اسحٰق نے یوں ادا کیا ہے:

---

[۵۱] روض الانف صفحہ ۱۰۰

فلما اسلم حمزة عرفت — جب حمزہ ایمان لائے تو قریش
قریش ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ — سمجھ گئے کہ اب رسول اللہ صلعم کچھ چیز
وسلم قد عز وامتنع وان حمزة — ہو گئے اور حمزہ ان کی حمایت پر ہیں
سیمنعہ فکفوا عن بعض ما کانوا — اسلئے ایذا رسانی کی بعض باتوں سے
ینالون منہ (ابن ہشام صفحہ ۱۳۵) — باز آ گئے۔

قریش کی میٹھی چھری عتبہ ابن ربیعہ ابو سفیان کا خسر ایک مدبر اور مقتدر سردار قریش تھا ایک دن جب آنحضرت حرم کعبہ میں تشریف فرما تھے سامنے آکر ہمدردانہ لہجے میں کہنے لگا "اے میرے بھتیجے اگر تجھے اس کام سے مال و دولت جمع کرنے کا ارادہ ہے تو ہم سے کہدے ہم تجھ کو مالا مال کر دیں۔ اگر عزت وجاہ کی خواہش ہے تو وہ بھی انتظام ہو سکتا ہے۔ اگر ملک کی تمنا ہے تو ہم تجھکو بادشاہ تسلیم کرلیں اور اگر کوئی عارضہ ہے تو ہم مال خرچ کر کے طبیبوں سے تیرا علاج کرانے کو حاضر ہیں"

آنحضرت خاموشی سے سنتے رہے جب وہ چپ ہوا فرمایا اے ابا الولید بس کہہ چکے۔ سنو! نہ مجھے مال و دولت کی تمنا ہے نہ جاہ و سلطنت کی ہوس۔ خدا نے مجھے اپنا رسول فرمایا ہے اور اپنی کتاب نازل کی تا کہ میں نیکوں کو بشارت اور بدوں کو خوف دلاؤں۔ میں اس فرض کو ادا کرتا ہوں اور تم سب کو سمجھاتا ہوں اگر قبول کرتے ہو تو دنیا و آخرت میں فلاح پاؤ گے اور اگر نہیں سنتے تو میں امر الٰہی پہ صبر کے ساتھ قائم ہوں یہاں تک کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا

فیصلہ کردے۔[۱]

انجیل متی باب ۴ میں لکھا ہے کہ شیطان حضرت مسیح کو ایک بلند پہاڑ پر لیگیا اور زمین کی بادشاہت دکھاکر کہنے لگا اگر تو میرا مطیع ہوجا تو دنیا کی حکومت تیرے لیے ہے لیکن آپ نے جواب دیا " دور ہواے شیطان خدا کی اطاعت کے سوا کسی کی اطاعت جائز نہیں" یہ مکالمہ ایک وسوسہ تھا جسے اصطلاح شرع میں "نزغ شیطان" کہتے ہیں۔ لیکن آنحضرت کے سامنے قریش کے شیطان مجسم دنیا پیش کی مگر آپ کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔

قریش کی دھمکی قریش نے جب دیکھا کہ لالچ سے کام نہ نکلا تو ایک دوسری چال چلے ایک دن رؤسائے قریش حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے ہم آپ کے سن اور مرتبہ کا لحاظ کرتے ہیں مگر اس کی ایک حد ہے اب ہم آپ کے بھتیجے کی باتیں برداشت نہیں کرسکتے ہم اپنے معبودوں کی توہین نہیں سن سکتے یا تو اُن کو منع کردو ورنہ ہم سمجھ لینگے۔ ابوطالب اس خیال سے کہ اب معاملہ نازک ہوگیا آنحضرت سے کہنے لگے۔ بھتیجے قوم میرے پاس آئی اور ایسا کہہ گئی اب معلوم ہوتا ہے کہ تم ہی خاموش ہوجاؤ آنحضرت نے یہ خیال کرکے کہ شاید چچا حمایت سے دست بردار ہونا چاہتے ہیں جواب دیا۔ "اے میرے چچا اگر قریش آفتاب کو میری داہنی طرف اور ماہتاب کو بائیں جانب رکھ دیں تب بھی میں اپنے فرض کو ادا کرونگا اور خدا کے حکم میں ایک حرف بھی کم نہ کرونگا

---

[۱] ابن ہشام صفحہ ۲۶۰

خواہ اس کوشش میں میرا سر رہے یا جائے۔[1]"

یہ کہہ کر آنحضرت اُٹھ کھڑے ہوئے اور منہ پھیر کر چلے۔ ابو طالب جن پر آپ کے خلوص اور ہمت کا گہرا اثر پڑا تھا اب ضبط نہ کر سکے پکار کر کہا بھتیجے ادھر آ۔ تیرا جو جی چاہے کہہ خدا کی قسم میری زندگی میں کوئی شخص تیرا ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔

مسلمانوں پر ظلم و ستم | قریش اپنی کوشش میں ناکام رہ کر نہایت برہم ہوئے۔ اب انھوں نے وہ ہولناک کارروائی شروع کی جو سن عیسوی کی ابتدائی تین صدیوں میں خونخوار رومی بیچارے عیسائیوں کے ساتھ کرتے تھے کہ کسی کو بھوکے درندوں کے آگے ڈال دیتے تھے اور کسی کو آگ میں جلاتے تھے اور خود بیٹھے ہوئے تماشا دیکھتے تھے قریش کے پاس قیاصرہ کے اس قسم کی شاہانہ سفاکیوں کے سامان موجود نہ تھے۔ ہاں عرب کی جھلسا دینے والی دھوپ تھی۔ دہکتے ہوئے پتھر اور خار دار کوڑے حضرت بلال جو بعد کو موذن رسول اللہ کے لقب سے مشہور ہوئے اُمیہ بن خلف کے حبشی النسل غلام تھے۔ ٹھیک دوپہر کو اُمیہ ان کو جلتی ہوئی ریت پر لٹاتا تھا اور سینے پر بھاری پتھر رکھتا تھا پھر شب کو کوڑے پڑتے تھے مگر وہ سچا شیدائے دین اس دردناک عذاب کو نہایت استقلال سے برداشت کر کے احدًا احدًا کا وظیفہ پڑھتا تھا۔ آخر حضرت ابو بکرؓ نے اُمیہ کو بھاری رقم ادا کر کے بیچارے کو آزادی دلوائی۔ حضرت عمارؓ کے والدین یاسر اور سمیہ جب ایمان لائے تو ابو جہل نے سمیہ کو جو

[1] ابن ہشام صفحہ ۲۴۷

اسکی لونڈی بیتیں طرح طرح کی اذیتیں دیکر آخو نیزے کی انی سے بیچاری کا کلیجہ چھید ڈالا یاسر کو بھی کافروں نے اسیطرح ہلاک کرڈالا۔ حضرت عمر رضؓ اسوقت تک ایمان نہیں لائے تھے وہ بھی مسلمانوں کو نہایت تکلیف دیتے تھے۔ ان کی ایک کنیز زنیرہ تھی جسکو اسقدر زدوکوب کیا کہ بیچاری کی آنکھیں جاتی رہیں مگر دل نور ایمان سے روشن رہا۔ یہ مظالم کچھ بیکس غلاموں تک محدود نہ تھے۔ قریشی مسلمان بھی اپنے اعزا کے ہاتھوں سخت مصیبت میں مبتلا تھے۔ حضرت عثمان کو اُنکا چچا رسی سے باندھ کر مارتا تھا۔ حضرت زبیر کو چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دیتے تھے۔ حضرت سعد ابن وقاص بھی اسیطرح اپنے خاندان بنو اسد کے ہاتھوں مصیبت میں مبتلا تھے۔[۱]

اہل مکہ کے علاوہ باہر کے اور لوگ جو طالب ایمان تھے اوّل تو قریش انھیں آنحضرت تک پہونچنے نہیں دیتے تھے اور اگر کوئی زمرۂ اسلام میں داخل ہوگیا اور انھیں خبر ہوگئی تو اُسے نہایت تکلیف دیتے تھے۔ حضرت ابوذر بنی غفار سے تھے انھوں نے یہ سُنکر کہ مکہ میں ایک نبی پیدا ہوا ہے اپنے بھائی کو خبر لانے کیلیے بھیجا۔ اُسنے واپس آکر اطلاع دی کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو بھلائی سکھاتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے۔ ابوذر کو تسکین نہوئی خود سفر کرکے مکہ پہونچے مگر کسی سے شناسائی نہ تھی حرم میں ٹھہرے۔ اتفاق سے حضرت علیؓ کا اُدھر سے گزر ہوا اپنے ساتھ لیا اور قصہ پوچھا انھوں نے بشرط راز داری اپنا حال بیان کیا۔ آپنے فرمایا

---

[۱] ابن ہشام جزو اوّل صفحہ ۱۸۰، سیرۃ نبی صفحہ ۱۷۰

میں جس مکان میں داخل ہوں خاموشی سے میرے پیچھے پیچھے آنا کہ کسی کو شبہ نہ ہو بطور سے ابوذر خدمت رسول اللہ میں حاضر ہو کر مشرف با یمان ہوئے۔ آنحضرت نے فرمایا اب اپنے قبیلہ میں جاکر خدائے واحد کی عبادت کرو۔ حضرت ابوذر باہر آئے مگر جوش توحید چھپ سکا قریش کے سامنے برملا کلمہ شہادت زبان پر لائے سنتے ہی غل مچ گیا کہ اس "صابی" یعنی بیدین کو مارو لوگ ٹوٹ پڑے اور اسقدر مارا کہ ابوذر کہتے ہیں میں سمجھا اب دم نکلا۔ یہ دیکھکر عباس رضی اللہ عنہ ابن عبدالمطلب (جو اسوقت تک ایمان نہیں لائے تھے) بڑھے اور کہنے لگے کیا غضب ہے بنی غفار کے ایک شخص کو مارتے ہو جدھر سے تمہارا کاروان تجارت جاتا ہے۔ یہ سنکر لوگ منتشر ہو گئے اور ابوذر اپنے قبیلہ میں آکر خدا کی عبادت میں مشغول ہوئے۔[۱]

ہجرت حبشہ عام روایت ہے کہ آنحضرت نے کفار کے جور وستم سے تنگ آکر مسلمانوں کو حبشہ میں جہاں ایک عیسائی بادشاہ حکمران تھا ہجرت کرنے کی اجازت دی لیکن اگر اسوقت کے ہمسایہ سلطنتوں کی تاریخ اور نیز مہاجرین کی فہرست پر ایک غائر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قریش کی قساوت اور دین برحق سے اعراض دیکھکر آنحضرت نے ایک ایسی جگہ چند منتخب مسلمانوں کو بھیجا جہاں یہ خیال تھا کہ کیا عجب دین برحق کی شعاعیں پھیل جائیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اسوقت خسرو پرویز شام فتح کر چکا تھا اور بیت المقدس

۱۔ بخاری کتاب المناقب

تباہ ہو چکا تھا اب اسکی فوجیں مصر کی طرف بڑھیں اور پانچ سال کے اندر قیصر کی افریقی مقبوضات پر بھی ایرانی پرچم لہرانے لگا۔ مصر کی مذہبی حکومت قبطی کلیسا کے ماتحت تھی جو پانچویں صدی عیسوی سے کلیسائے روم کے عقائد متعلق اقنوم ثلثہ سے مخالفت کر کے علیحدہ ہو گیا تھا۔ ملک حبشہ جسکے حاکم کو نجاشی کہتے تھے قبطی کلیسا کا متبع تھا جہاں حضرت مریم کی "مادر خداوند" کی حیثیت سے پرستش ہوتی تھی اور راہبوں کی خانقاہیں عقیدت مندوں کا مرکز تھیں۔ آنحضرت نے عیسائیوں کی اصلاح عقائد پیش نظر رکھکر ایک مختصر جماعت جس میں گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں روانہ کی۔ ان میں مصعب بن عمیر تھے جو اسلام کے مشہور مشنری ہیں انکو آنحضرت نے قبل ہجرت مدینہ منورہ میں بھی تعلیم و اشاعت دین کیلئے بھیجا تھا۔ ان میں حضرت عثمان بھی تھے جو حلیم اور نیک مزاج تھے ان کے ہمراہ ان کی زوجہ رقیہ بنت رسول اللہ بھی تشریف لے گئیں ان میں عبداللہ ابن مسعود تھے جو حافظ قرآن تھے۔ ان میں حضرت زبیر بن العوام تھے جو حواری رسول کے لقب سے مشہور ہیں اس مختصر جماعت کی روانگی کے بعد آنحضرت نے اپنے ابن عم حضرت جعفر ابن ابی طالب کو جنکی تقریر پُر تاثیر ہوتی تھی اور چند اور مسلمانوں کو بھی روانہ کیا۔ سورہ مریم کا اسی زمانہ میں نزول ہوا جس میں خاص طور سے حضرت مسیح کی ولادت کا ذکر ہے پھر الوہیت مسیح کی تردید۔

غرضکہ آنحضرت اشاعت دین کیلئے یہ طریقہ اختیار کر رہے تھے

مگر قریش کی عداوت اور شترکینگی حبشہ میں بھی سدّراہ ہوئی فوراً ایک سفارت تحفہ اور تحائف کے ساتھ بسر کردگی عمرو بن العاص اور عبداللہ ابن ربیعہ نجاشی کے پاس بھیجی گئی کہ قریش کے "مفرور مجرمون" کو ملک سے خارج کر دیا جائے۔ نجاشی نے ایک دربار مین جہاں سچی مقتدایان دین بھی موجود تھے مسلمانون کو طلب کیا اور حقیقت واقعہ دریافت کی حضرت جعفر نے جماعت کیطرف سے یوں تقریر شروع ہوئی

حضرت جعفر کی تقریر

"اے بادشاہ ہم جہالت میں مبتلا تھے۔ بت پوجتے تھے۔ مردار کھاتے تھے فحش میں مبتلا تھے نہ قرابت کا خیال تھا نہ جوار کا لحاظ۔ قوی ضعیف کو کھائے جاتا تھا یہان تک کہ خدا نے ایک رسول بھیجا جسکے حسب نسب صداقت امانت اور عفاف سے ہم واقف تھے۔ اُسنے ہم کو خدائے واحد کی طرف بلایا کہ اُسکی عبادت کرین اور بُت پرستی ترک کریں۔ سچ بولین امانت ادا کریں، صلہ رحم اور جوار کی پاسداری کریں حرام سے بچیں، خون نہ کریں فحش اور برائی چھوڑ دیں، یتیم کا مال نہ کھائیں اور پاکدامن عورتون پر تہمت نہ لگائیں، نماز پڑھیں صدقہ دین روزہ رکھیں، اے بادشاہ ہم نے اسکی تصدیق کی اور اُسکے تبع ہو گئے پس ہماری قوم ہم سے بگڑ بیٹھی۔ ہم کو ستانا شروع کیا کہ کسیطرح خدائے واحد کی عبادت چھوڑ کر پھر اصنام پرستی مین مبتلا ہوں اور بُری باتیں اختیار کریں۔ مگر ہم نے اُن کے ظلم سے اذیتیں اُٹھائیں اور اب تیرے ملک میں آئے ہیں اور چاہتے ہیں

کہ تیرے جوار میں رہیں ہم امید وار ہیں کہ یہاں ہم پر ظلم نہ ہوگا۔"[1]

یہ سنکر نجاشی نے کہا تمہارے پیغمبر پر جو کلام نازل ہوا ہو وہ سناؤ حضرت جعفر نے سورۂ مریم کے یہ آیات وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ .... یوم عظیم تک جنمیں حضرت مریم کا حاملہ ہونا پھر ولادت مسیح کا احوال مذکور ہے پڑھے۔ نجاشی اور اسکے درباریوں پر کیا اثر ہوا قبل اسکے کہ ہم اسکو بیان کریں اس موقع پر اپنا ایک ذاتی واقعہ لکھتے ہیں۔

چند سال ہوئے جب ایکمرتبہ میں ایک بزرگ کے ساتھ نماز عشا پڑھ رہا تھا اُنھوں نے سورۂ مریم کے مذکورۂ بالا آیات کی تلاوت شروع کی جب اس آیت پر پہونچے جس میں حضرت مریم کا درد زہ سے بیتاب ہونا مذکور ہے تو میرے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ قرآن میں اس ذکر کی کیا ضرورت تھی معاً انکشاف ہوا کہ یہاں روئے سخن اُن لوگوں کی طرف ہے جو حضرت مریم کی "مادر خداوند" کی حیثیت سے جیسے بت پرستوں میں دیویاں ہوتی ہیں پرستش کرتے تھے اسلیے قرآن کا یہ بلیغ اسلوب بیان ہے کہ مریم پر بھی وہی کیفیت طاری ہوئی جو عام طور سے عورتوں پر وضع حمل کے وقت ہوتی ہے وہ بھی انسان تھیں اور جو بچہ پیدا ہوا وہ بھی بشر تھا اسلئے انکی الوہیت کا عقیدہ نافہمی نہیں تو کیا ہے۔

نجاشی حبشی تھا مگر اُسکا دل سیاہ نہیں ہوا تھا تثلیث کی ظلمت میں جب

---

[1] ابن ہشام جزء اول صفحہ ۳۰۴ و ۳۰۵

اُسے نورِ حقیقت نظر آیا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور علمائے دربار پر بھی رقت طاری ہوئی جیسا کہ قرآن میں ایک دوسرے مقام پر مذکور ہے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ — اور جب سنیں وہ جو اُتارا گیا

تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ — رسول پر دیکھے تو آنکھیں انکی بہتی ہیں

۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آنسوؤں سے۔

نجاشی بے اختیار کہنے لگا خدا کی قسم یہ کلام اور وہ جو عیسے پر نازل ہوا ایک ہی فانوس سے جھلکتا نظر آتا ہے۔ پھر قریش کی سفارت واپس کردی اور مسلمانوں کو امن و امان سے اپنی حفاظت میں رکھا۔ نجاشی کا جب انتقال ہوا آنحضرت مدینہ میں تھے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی[1] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی صاحب ایمان تھا اگرچہ اسکی قوم نے اسکا ساتھ نہیں دیا۔

ایمان حضرت عمر یہ قرآن کا اعجاز تھا کہ نجاشی کی طرح قریش میں ایک پتھر کا دل موم ہو کر شمع دین بنگیا۔ ایک شب کو حضرت عمر پھرتے پھراتے کعبہ کیطرف آنکلے چاہا طواف کریں دیکھا آنحضرت تنہا نماز میں مصروف تلاوت ہیں ایک گوشہ میں چھپکر کھڑے ہوگئے۔ آنحضرت سورۃ الحاقہ کی تلاوت فرماتے تھے جس میں ثمود و عاد کی بربادی اور فرعون کی تباہی پھر میدان حشر کا ہیبتناک نقشہ بدوں پر عذاب الیم اور نیکوں پر انعام کے حالات مذکور ہیں۔ حضرت عمر

[1] بخاری و زرقانی الالف صفحہ ۲۱۶

یہ دعائیں سنکر متاثر ہو رہے تھے کہ یہ آیات کان میں آئیں :-

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ	بیشک وہ رسول کریم کا قول ہے
وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا	نہ قول شاعر کا۔ تم کم ایمان لائے ہو
مَّا تُؤْمِنُوْنَ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ	اور نہ کلام کاہن کا۔ تھوڑا غور کرتے
قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ	ہو۔ اسکو رب العالمین نے اتارا ہے

دل نے بے اختیار گواہی دی کہ یہ کلام الٰہی ہے اور بیشک آپ خدا کے رسول ہیں غرضکہ آنحضرت جو وقت نماز پڑھکر گھر چلے پیچھے پیچھے یہ بھی ہوئے آنحضرت نے آہٹ پاکر مڑکر دیکھا اور فرمایا ابن خطاب سوقت کس ارادے سے آرہے ہو۔ جواب دیا خدا ورسول پر ایمان لانے کیلیے۔ آنحضرت نے فرمایا الحمد للہ خدا نے تجھکو ہدایت دی پھر بڑھکر حضرت عمر کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی الٰہی اسکو ایمان پر ثابت رکھ۔

ابن اسحاق نے یہ روایت مشہور تابعی مجاہد اور عطا سے نقل کی ہے اور اسکے ساتھ ایک دوسری روایت بھی جو عام طور سے مشہور ہے یعنی حضرت عمر کا رسول اللہ کے قتل کے ارادے سے تلوار لیکر نکلنا راہ میں یہ سنکر کہ انکی بہن اور بہنوئی بھی مسلمان ہو گئے ہیں پہلے انکو مارنے جانا پھر دونوں کو زدوکوب کرکے آخر سورۂ طٰہٰ کو جو اُن کی بہن کے پاس تحریر تھے پڑھکر متاثر ہونا، پھر دار ارقم میں جہان آنحضرت مقیم تھے جانا، صحابیوں کا انھیں شمشیر بکف دیکھکر خائف ہونا، مگر حضرت حمزہ کا تسلی دینا آخر حضرت عمر کا ایمان لانا۔

اس روایت کے واقعات صحیح معلوم نہیں ہوتے۔ قریش نے اگرچہ بہت کچھ برائی کی تھی لیکن باہمی کشت و خون کے خوف سے اُسوقت تک آنحضرت کے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا حضرت عمر اگرچہ تاریخ میں ایک زبردست مدبر اور کامیاب حکمراں کی حیثیت سے نمایاں ہیں لیکن وہ خالد ابن ولید کی طرح ایک بے جگر سپاہی نہ تھے کہ ایسی جسارت کر بیٹھتے اور تنہا اس مجمع میں جہاں حضرت حمزہ رسول اللہ کے سینہ سپر تھے یوں شمشیر کف چلے آتے۔ بہر حال اس روایت میں بھی قدر مشترک جو امر ہے وہ قرآن سے متاثر ہو کر ایمان لانا ہے۔

آپ کے ایمان لانے کی خبر سنکر قریش نے جو کارروائی کی اُس کو بخاری نے یوں نقل کیا ہے جیسا کہ ابن ہشام نے ذکر کیا تھا کہ عبد اللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ جب والد ایمان لائے تو لوگوں نے ہمارا گھر گھیر لیا اور غل تھا کہ عمر بیدین ہو گیا۔ میں خوردسال تھا مکان کی پشت پر اوپر کھڑا تھا۔ یکایک عاص بن وائل دیبا کی قبا پہنے اوہر آیا اور کہنے لگا عمر بیدین ہوا تو کیا ہوا۔ میں اُسکو پناہ دیتا ہوں یہ سنکر مجمع منتشر ہو گیا۔

عبد اللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر ایمان لائے تو قریش سے لڑے، یہانتک کہ کعبہ مین نماز ادا کی اور ان کے ساتھ ہلوگوں نے بھی۔

قرآن مین پہلا سجدہ۔ سورۂ والنجم | قرآن میں پندرہ سجدہ تلاوت ہیں۔ والنجم پہلا

سورہ ہے جس میں سجدۂ تلاوت ادا کیا گیا۔ اسکے متعلق ایک مشہور واقعہ پیش آیا جس کی تفصیل ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں لیکن پہلے جو امور اِس سورہ میں مذکور ہیں اُن کو سمجھ لینا چاہیے۔

کفار چونکہ آنحضرت کو معاذ اللہ ساحر و مجنون وغیرہ بُرے بُرے القاب سے پکارتے تھے اسلیے پہلے یہ بتایا کہ تمہارے صاحب یعنی رسول اللہ بہکے نہیں وہ اپنے جی سے بات نہیں بناتے بلکہ پیغام الٰہی سُناتے ہیں

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى

پھر نزول وحی کی کیفیت اور ملک و ملکوت کے عجائب بیان کرکے یہ سمجھایا کہ یہ ایک روحانی نظارہ تھا مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى

پھر لات عزیٰ اور منات کا جنھیں عرب خدا کی بیٹیاں مانتے تھے ذکر کیا کہ تم ہی انصاف کرو بیٹیوں کا وجود ذلت سمجھتے ہو اپنے لیے بیٹے لو اور خدا کو بیٹیاں دو اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى کیسی بیٹیاں اور کیسے بُت یہ صرف نام ہی نام ہیں اور خیال خام حقیقت کچھ بھی نہیں اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ ایسی بے بنیاد چیزوں کو یہ سمجھنا کہ خدا کے یہاں ہماری شفاعت کرینگے محض وہم پرستی ہے بھلا جس بے نیاز کے پُرجلال دربار میں فرشتوں کی یہ جرأت نہو سکے کہ کسی کی شفاعت کیلیے بغیر اسکی اجازت کے لب ہلا سکیں تو یہ

ا‍ے سورۂ نجم۔

برائے نام اصنام کیا چیز ہیں۔ یہ مت سمجھو کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں جنکی تمثال اِن بتوں کو سمجھے ہو۔ تم کو فرشتوں کا کچھ علم نہیں۔ تمہارا وہم حقیقت کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ پھر غضب یہ ہے کہ دنیا کے مزوں میں پھنسے ہو اور حق سے منہ موڑتے ہو

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ . الایہ •

یاد رکھو خدا ہی زمین و آسمان کا مالک ہے، وہی نیکی اور بدی کا بدلہ دینے والا ہے وہی بخشنے والا ہے اُسے خوب معلوم ہے کہ انسان جو اپنی پاکی کا دعویٰ کرتا ہے اور اکڑتا پھرتا ہے۔ ہے کیا چیز؟ وہ اسی مٹی سے بنا ہے اور شکم مادر میں خون اور نجاست میں لتھڑا رہا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ متقی کون ہے۔ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی

پھر سمجھایا کہ اگلے پیغمبروں موسیٰ اور ابراہیم کی بھی یہی تعلیم تھی۔ کوئی کسی کا بوجھ اُٹھا نہیں سکتا اپنے اپنے اعمال ساتھ جائینگے جو جیسا کریگا ویسا پائیگا۔ انسان کا کام اِس دنیا میں کوشش کرنا ہے۔ اسکی کوشش رائگاں نہیں جائے گی خدا اِس کی جزا دیگا۔ وہ خدا جس نے مرد اور عورت دونوں کو ایک قطرہ سے پیدا کیا۔ وہی مارتا ہے وہی جلاتا ہے وہی ہنساتا ہے وہی رُلاتا ہے جن قوموں نے اسکو نہ مانا دیکھو اُن کا کیا حشر ہوا۔ عاد و ثمود اور قوم نوح ایسے برباد ہوئی کہ پتہ بھی نہیں۔ کیا اب بھی آنکھیں نہیں کھلیں گی۔ دیکھو نازک معاملہ سامنے آگیا۔ خدا ہی بچائے کیا اب بھی اِس کلام الٰہی کا مضحکہ اڑاؤ گے!

ہاں آنکھوں سے آنسو بہاؤ اور سجدے میں گر پڑو فَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ وَاعْبُدُوْا
ختم سورہ کے بعد آنحضرتؐ نے سجدہ کیا۔ لیکن مجمع نے کیا کیا؟ اسکا جواب
وہ شخص دے جسنے کسی فصیح و بلیغ لکچرر کی دلکش تقریر کا اثر حاضرین پر دیکھا ہو۔ وہ
ماہر نفسیات جواب دے جسنے جذبات انسانی کا بغور مطالعہ کیا ہو۔ کفار قریش
اس قوم سے تھے جو دنیا میں جوشیلی مشہور ہے۔ انھیں میں سے ایک مقدس
افصح العرب وہ کلام سنا رہا ہے جو حاضرین کے سامنے ایک نیا عالم پیش کرتا ہے
جب وہ سجدہ کرتا ہے اور اُسی کے ساتھ اسکے تبع تو قریش بھی جذبات سے
لبریز ہو کر شریک سجدہ ہونے میں مجبور تھے۔ یہ اثر مجمع پر ایسا ہمہ گیر تھا کہ ایک
بڈھا متکبر ایک مٹھی خاک اٹھا کر پیشانی کے قریب لاتا ہے اور سر جھکا دیتا ہے

ایک جھوٹی روایت ابن اسحق نے مذکورہ بالا واقعہ کی نسبت لکھا ہے کہ
جب آنحضرتؐ نے لات و منات و عزیٰ کے نام لیے تو شیطان نے ان بتوں
کی تعریف میں یہ الفاظ آپ کی زبان سے نکلوا دیے تلك الغرانيق العلى
وان شفاعتهن لترتجى یعنی یہ بلند مرتبہ بت ہیں اور شفاعت
کرنے والے ہیں۔ یہ سنکر کفار نے بھی سجدہ کیا اور مشہور ہو گیا کہ آنحضرت اور کفار
میں سمجھوتہ ہو گیا۔ جب یہ خبر حبشہ پہونچی تو مسلمان واپس آئے مگر یہاں جبرئیل
نے دوسرے ہی دن آنحضرت کو شیطان کی کارروائی سے آگاہ کیا آپ کو
بہت رنج ہوا اور بتوں کی ہجو پھر شروع کی۔ یہ روایت چونکہ بالکل بے سر و پا

تھی ابن ہشام نے سیرت میں حذف کر دی۔ لیکن طبری نے اپنی تاریخ میں اسکو نقل کیا ہے اور واقدی نے بھی۔ البتہ بخاری اور مسلم میں اسکا مطلق ذکر نہیں اور نہ بقیہ صحاح میں۔ قاضی عیاض نے شفا میں اور بیضاوی اور رازی نے اپنی اپنی تفاسیر میں اس روایت کی قلعی کھولی اور ثابت کیا کہ عقلاً اور نقلاً یہ روایت مردود ہے۔ اگرچہ ابن حجر نے روایت پرستی کی دھن میں اسکی اسطرح تائید کی ہے جس طرح اخبار یہود تالمود کی جھوٹی روایات کی تصدیق کرتے ہیں مخالفین اسلام نے بڑے شد و مد سے اس روایت کو نقل کرکے یہ کوشش کی ہے کہ آنحضرت کی اخلاقی کمزوری کا یہ اثر تھا۔ ہم ان مخالفین کو جنھیں سر ولیم میور نولاکی اور مارگولیوث پیش پیش ہیں الزام نہیں دیتے۔ ہم اپنے نادان دوستوں کو ملزم ٹھہراتے ہیں اور تاویل کرنے والے متاخرین علما کو جنھیں یہ نہ سوجھا کہ خود اسی سورۂ والنجم میں اس جھوٹی روایت کی قلعی کھلی ہوئی ہے۔ شروع میں صاف فرما دیا ہے وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ۔ پھر شیطان کیونکر تصرف کرتا اور زبان پاک سے وہ نجس جملہ "تلك الغرانيق" والا نکلتا۔ پھر اسکے بعد ہی بتوں کے متعلق یہ مذکور ہے کہ یہ محض نام ہی نام ہیں۔ فرشتوں کو یہ جرأت نہیں کہ شفاعت کر سکیں پھر یہ فرضی اصنام کہاں رہے۔ ایسی صریح ہجو کے بعد "تلك الغرانيق" والا جملہ بالکل بے معنی ہے اور کافروں کو کیا خوش کر سکتا جو وہ سجدہ کرتے۔

کچھ شک نہیں کہ یہ روایت قطعاً غلط ہے۔ کفار کے سجدہ کی وجہ وہی تھی جو ہم نے اوپر والنجم کی تشریح میں بیان کی۔ اسکے سوا ایک اور بھی وجہ تھی کہ کفار اللہ کے نام سے اتنا نہیں بگڑتے تھے جسقدر کہ رحمٰن کے نام سے سورۂ فرقان میں جو والنجم کے بعد نازل ہوئی ارشاد ہوتا ہے:۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا	اور جب اُن سے کہا گیا رحمٰن
لِلرَّحْمَٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَٰنُ أَنَسْجُدُ	کو سجدہ کرو۔ کہتے ہیں رحمٰن کون؟
لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا	کیا ہم اُسکو سجدہ کریں جسکے لیے حکم دیا جائے اور اُنکی نفرت بڑھی

دیکھو یہاں بھی سجدۂ تلاوت ہے مگر کفار رحمٰن کو سجدہ کرنے سے انکار کرتے ہیں اگرچہ انھوں نے اللہ کو جیسا کہ والنجم میں ہے "فاسجدوا للہ واعبدوا" سجدہ کیا تھا۔

سورۂ عبس واقعہ والنجم کے بعد ایک روز آنحضرت چند سرداران قریش ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ وغیرہ کے سامنے فرض تبلیغ ادا فرما رہے تھے کہ یکایک ایک نابینا عبداللہ ابن شریح جسے ابن اُم مکتوم کہتے تھے محفل میں آیا اور دوران گفتگو میں دخل دیکر بولا، یا رسول اللہ مجھے خدا کا کلام تعلیم دیجیے۔ آپ اُس وقت مصروف کلام تھے اور ایسے لوگ مخاطب تھے جو مکہ میں صاحب جاہ وعزت تھے اور اُمید تھی کہ اگر یہ سردار راہ راست پر آجائیں تو مسلمانوں کی مصیبت کٹ جائے

اور دوسرے لوگ بھی ان کو دیکھکر ایمان لے آئیں۔ اِن وجوہ سے آپ نے نابینا کو کچھ جواب نہ دیا۔ اُسنے کچھ دیر ٹھہر کر پھر وہی سوال کیا آپ کو اُسوقت اسکی مداخلت ناگوار گزری اور چین بجبیں ہوکر اُسکی طرف سے منہ پھیرلیا اور سرداروں کیطرف مخاطب رہے۔ نابینا کچھ جواب نہ پاکر مایوس ہوکر گھر چلا گیا۔ معاً وحی الٰہی نازل ہوئی:-

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى اَنْ　　　تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا یہ کہ

جَآءَهُ الْاَعْمٰى　　　اسکے پاس ایک اندھا آیا۔

آنحضرت فوراً اوس نابینا کے گھر تشریف لے گئے۔ توجہ سے اُسکی بات سُنی اور خدا کا کلام سکھایا۔ پھر جب کبھی وہ نابینا آتا آپ اپنی چادر بچھاکر اُسکو بٹھاتے اور فرماتے یہ وہ ہے جسکے لیے میرے پروردگار نے مجھ پر عتاب کیا۔ مدینۂ منورہ میں آپ نے اُسکو اپنی جگہ پر جہاد کیلیے باہر تشریف لیجاتے وقت پیش امام مقرر کیا۔[۱]

ایک غریب نابینا کے ساتھ رسول اللہ کا یہ برتاؤ سرداران قریش کے سمند غرور کو ایک اور تازیانہ ہوا۔ لیکن اسلام کی تعلیم محض عقائد تک محدود نہ تھی اُسنے اخلاق اور معاشرت کی بھی اصلاح شروع کی جسکی وجہ سے قریش کو ضد جاہلیت کا طریقہ اور دین اسلام کی روش ایک دوسرے کی ضد نظر آئیں اور اسلیے انھوں نے اور بھی عداوت پر کمر باندھی۔

---

[۱] تفسیر ابن جریر

طرزِ جاہلیت اور دینِ اسلام کا تصادم

عرب ایک اُمّی یعنی اَن پڑھ قوم تھی مگر شعر و سخن میں اُن کے شعرا اعلیٰ پایہ پر پہونچے ہوئے تھے۔ زندگی کا جو معیار یہ لوگ اپنے دلکش پیرایہ میں پیش کرتے تھے وہی مقبول خاص و عام تھا۔ عرب کی "شریفانہ زندگی کی تصویر" قبیلہ بکر بن وائل کا مشہور شاعر طرفہ یوں کھینچتا ہے ؎

فَلَوْلَا ثَلَاثٌ هُنَّ مِنْ عِيشَةِ الْفَتَىٰ ۔۔۔ وَجَدِّكَ لَمْ أَحْفِلْ مَتَىٰ قَامَ عُوَّدِي

فَمِنْهُنَّ سَبْقِي الْعَاذِلَاتِ بِشَرْبَةٍ ۔۔۔ كُمَيْتٍ مَتَىٰ مَا تُعْلَ بِالْمَاءِ تُزْبِدِ

وَكَرِّي إِذَا نَادَى الْمُضَافُ مُحَنَّبًا ۔۔۔ كَسِيدِ الْغَضَا نَبَّهْتَهُ الْمُتَوَرِّدِ

وَتَقْصِيرُ يَوْمِ الدَّجْنِ وَالدَّجْنُ مُعْجِبٌ ۔۔۔ بِبَهْكَنَةٍ تَحْتَ الْخِبَاءِ الْمُعَمَّدِ

ترجمہ

(۱) پس اگر یہ تین چیزیں جو ایک شریف جوان کی لذت ہیں نہ ہوتیں تو تیرے بخت کی قسم مجھے اسکی پروا نہ ہوتی کہ تیمار دار میری بالیں سے کب اُٹھ گئے۔

(۲) ان میں سے ایک یہ ہے کہ ملامت گروں کے بیدار ہونے سے پہلے ایسی سُرخی مائل سیاہی شراب اُڑا لیتا ہوں کہ جب اس میں پانی ملایا جاتا ہے تو بہ سبب تندی کے کف لے آئے۔

(۳) دوسری چیز یہ ہے کہ جب کوئی دشمنوں میں گھرا ہوا مجھے مدد کیلئے پکارتا ہے تو میں تیز گھوڑے پر جنگلی بھیڑئیے کی طرح جو پیاسا ہو

اور جیسے کسی نے للکارا ہو جھپٹ کر پہونچ جاتا ہوں۔

(۳) اور تیسری چیز یہ ہے کہ جب دن گھٹا جھوم رہی ہو ایک پر تکلف خیمہ میں ایک خوبصورت بدن کی حسینہ کے ساتھ ایسا محو نشاط ہوں کہ یہ خبر ہی نہ ہو کہ کب دن گزرا۔

تصوف جاہلیت

قوم عرب جذبات انسانی کا طرفہ معجون تھی۔ بات بات پر کٹ مرنے والے دلیری میں شیر مگر سفاکی اور بیدردی میں درندوں سے بڑھکر تھے۔ مٹھی بھر جو ... پہ ... رہتے کے دھنی، مگر جہاں بگڑے تو وہ وہ حرکتیں کرتے تھے کہ شیطان بھی پناہ مانگتا تھا۔ روم و عجم کی شاہانہ عیش پرستیاں اور بزم آرائیاں اگرچہ انکو نصیب نہ تھیں مگر یہ اپنے جام سفالیں میں ایسے مست تھے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی۔ ملک الضلیل امرأ القیس "دارة جلجل" کا واقعہ عیاشی اس طرز سے بیان کرتا ہے کہ بہشت بھی عالم خیال میں ایکمرتبہ جوان ہو جائیں۔ بدنصیب طرفہ جسکے اشعار ہمنے اوپر نقل کئے صلہ کے عوض جب پیغام اجل سنتا ہے تو کہتا ہے مجھے شراب کے جام پر جام دیتے جاؤ یہانتک کہ مدہوش ہو جاؤں پھر میری فصدیں کھول دو میں مرجاؤں۔

عمرو بن کلثوم کی ماں جس سے ایک محفل میں بادشاہ حیرہ کی ماں نے اتفاقاً ایک طبق اٹھالانے کی خدمت کیلیے کہا اپنی توہین سمجھ کر چیخ اٹھتی ہے دلیر بیٹا یہ سمجھکر کہ ماں کی کچھ بیعزتی ہوئی فوراً بھرے دربار میں تلوار سے بادشاہ کا سر اڑادیتا ہے پھر لڑتا بھڑتا اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لئے ہوئے نشۂ شجاعت سے مست صاف

نکل جاتا ہے۔

سماؤل بن عادیہ کے پاس امرأالقیس اپنے چند زرہیں امانتاً چھوڑ کر قیصر کے پاس امداد کی طلب میں جاتا ہے۔ سماؤل کا دشمن شاہ حیرہ حملہ کر کے قلعہ ابلق کو گھیر لیتا ہے پھر سماؤل کے بیٹے کو گرفتار کر کے سامنے دکھاتا ہے کہ یا تو زرہیں دیدو یا بیٹے سے ہاتھ اُٹھاؤ۔ سماؤل وفائے عہد پر قائم رہتا ہے اور لخت جگر کو خاک وخون میں تڑپتا دیکھتا ہے!

سورۂ فرقان کے لطائف

جاہلیت کی زندگی کے مقابلہ میں قرآن نے جو تعلیم شروع کی اُس کو سورۂ فرقان سے جو قدیم مکی سورت ہے ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

(۱)

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا

عرب ایک جوشیلی قوم تھی جو آندھی کی طرح اٹھتی تھی اور بادل کی طرح گرجتی تھی۔ ذراسی بات میں بگڑ جانا اور مرنے مارنے کیلئے تیار ہو جانا اسکا شعار تھا جیسا کہ حرب بسوس اور فجار وغیرہ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن نے ان کو حلم اور وقار کی تعلیم دینا شروع کی تاکہ جذبات کے متلاطم سمندر میں پہاڑ کی طرح قائم رہیں ہانڈی کا اُبال عارضی ہے غائت پختگی ہے ذراسی بات پہ برافروختہ ہو کر جامہ سے باہر ہو جانا اوچھا پن ہے۔ بندگان الٰہی وہ ہیں جب اُنھیں جاہلوں سے سابقہ پڑتا ہے

تو وہ اُن سے اُلجھتے نہیں اور عمرو بن کلثوم کی طرح فنجھل فوق جهل الجاهلین
نہیں کہتے بلکہ قالوا سلاما یعنی تم پر سلامتی ہو کہتے ہیں جس سے جھگڑے کو طول
نہیں ہوتا۔ رات کو بجائے اسکے کہ شبخون ماریں اور مے و معشوق سے ہمکنار ہوں،
سر نیاز جھکاتے ہیں اور قیام و سجود میں لذت مناجات پاتے ہیں پھر جلال آلہی
سے مرعوب ہو کر کانپتے ہیں اور تھرتھراتے ہوئے لبوں سے عرض کرتے ہیں آلہی ہم کو
عذاب جہنم سے محفوظ رکھ۔

(۲)

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ
بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا

علم اخلاق میں صفات انسانی کو حد اعتدال پر قائم رکھنا کمال انسانی ہے
اسکو عدالت کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں صراط مستقیم۔ مال خرچ کرنا ایک فعل محمود
ہے لیکن نہ اسطرح کہ مٹھی کھلی ہوئی ہے۔ جا و بیجا مصرف کا کچھ خیال ہی نہیں اور نہ
اس طرح مٹھی بند کہ پیسہ کیا نکلا گویا جان نکل گئی۔ اسی طرح قوت غضبی انسان کو دفع
[illegible]ور جلب منفعت کیلیے عطا ہوئی ہے لیکن اسکو اس طرح کام میں لانا کہ جس
بکرے فوراً سر اڑا دیا یہ نہ دیکھا کہ بگڑنا جاسے تھا یا بیجا۔ قوت شہوی سے بقائے
نوع اور لطف زندگی مقصود ہے لیکن نہ اسطرح کہ گھر کی مرغی تو موجود ہے غیر کی بھی
چڑیا اڑا لیجائیں اور اگر کوئی گھر والی نہیں ہے تو بجائے اسکے کہ جائز طور پر خانہ آبادی

کی فکر کریں ادھر اُدھر منہ کالا کرتے پھرتے ہیں۔

(۳)

الا من تاب

انسان جنس حیوانات سے ہے شہوی اور غضبی قوتوں کے جوش سے مغلوب ہوکر اگر آلودۂ معصیت ہوجائے تو یہ نہ سمجھے کہ اب اصلاح ہو نہیں سکتی۔ اگر وہ نادم ہوکر آئندہ سچے دل سے ایسی حرکات سے باز آنے کا تہیہ کرے تو خدا اُسکی توبہ قبول کرنے والا ہے کیونکہ وہ بڑا غفور رحیم ہے ؎

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست صدبار اگر توبہ شکستی باز آ

شعب ابو طالب

صراط مستقیم کی اِس تعلیم سے کفار قریش کا وہ معیار زندگی جسکے وہ خوگر تھے باطل ہوا جاتا تھا۔ اسلئے ہر ممکن طریقے سے اونھوں نے اسکی مخالفت کی۔ ڈرایا دھمکایا، لالچ دی، طرح طرح کے آزار پہونچائے مگر کچھ نہ ہوسکا۔ حبشہ میں جو سفارت بھیجی تھی وہ بھی ناکام واپس آئی۔ اب جوش غضب میں انھوں نے ایک ہولناک حربہ سے کام لیا۔ برادری سے باہر کرکے ترک تعلقات کرلینا اِس زمانہ میں بڑی سخت سزا تھی جسکی وجہ سے بیچارہ معتوب قوم طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہوکر قوم کا مطالبہ منظور کرلیتا تھا یا پھر خود تباہ ہوجاتا تھا۔

نبوت کے ساتویں سال سرداران قریش نے مکہ کے ایک بلند مقام خیف میں جمع ہوکر عہد کیا کہ قبائل مکہ کا کوئی شخص بنی ہاشم سے نہ خرید و فروخت کرے نہ قرابت

نہ سامان خورد و نوش پہونچائے۔ غرضکہ پورے طور سے "بائیکاٹ" کرے۔ پھر ایک تحریر لکھ کر کعبہ میں آویزاں کردی۔ حضرت ابوطالب جو سردار خاندان تھے مجبور ہوکر آنحضرت اور بنی ہاشم کو لیکر ایک درّہ کوہ میں جو "شعب ابوطالب" کے نام سے مشہور ہے پناہ گزیں ہوئے۔ عباس بن عبدالمطلب اگرچہ اسوقت تک ایمان نہیں لائے تھے مگر وہ بھی ہمراہ ہوئے۔ صرف ابولہب نے ساتھ نہ دیا اور بدستور عداوت پر آمادہ رہا۔ قریب تین سال تک یہ مقاطعہ قائم رہا جسکی وجہ سے حالت ہوگئی کہ محصورین بھوک کی شدت میں درخت کی پتیاں کھانے لگے۔ مگر باوجود ان مصائب کے آنحضرت اور مسلمانوں نے دین حق سے منہ نہ موڑا۔ آخر مخالفین نے خود ہی عہدنامہ کو چاک کرڈالا۔ قریش نہ سارے کے سارے ابوجہل اور ابولہب جیسے ظلم و کفر تھے وہاں ایسے بھی لوگ تھے جن میں عرب کی ضرب المثل قومی حمیت اور فیاضی کے جذبات موجزن تھے۔ خاندان ابوجہل کا ایک شخص ہشام جو بنی ہاشم کا قریبی رشتہ دار تھا زہیر ابن امیہ کے پاس آیا اور کہنے لگا زہیر تم عبدالمطلب کے نواسہ ہو تمہیں کیسے گوارا ہے کہ تم کھاؤ پیو اور تمہاری ماں کے رشتہ داروں کو نہ نصیب ہو۔ زہیر نے کہا ایسی حالت کونہ پہونچتے۔ خدا کی قسم میری ماں کے عزیز کبھی ایسی حالت کو نہ پہونچتے زہیر نے کہا افسوس تنہا میں کیا کرسکتا ہوں۔ ہشام نے کہا تم کھڑے ہو تو میں تمہارا ساتھ دوں۔ پھر دونوں مطعم بن عدی کے پاس جو ایک شریف النفس سردار قریش تھا، گئے، وہ آمادہ ہوگیا اور ابوالبختری اور زمعہ بن الاسود کو بھی آمادہ کرکے پانچ

آدمی حرم میں آئے اور سرداران قریش سے گفت وشنید کے بعد مقاطعہ کی تحریر کو چاک کر ڈالا۔ اس طور سے اس ظالمانہ مقاطعہ کا خاتمہ ہوا اور بنی ہاشم درہ سے نکلکر شہر میں آئے۔ ہشام اور زہیر آخر کو دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔ مطعم نے کفر کی حالت میں غزوۂ بدر سے پہلے وفات کی حضرت حسانؓ دربار رسالت کے شاعر نے اسکا مرثیہ لکھا اور اسکی شریف النفسی کی تعریف کی۔

عام الحزن

مقاطعہ ختم ہونیکے چند روز بعد آنحضرت کو دو سخت سانحے پیش آئے حضرت خدیجہؓ آپ کی زوجۂ محترمہ جنھوں نے سب سے پہلے تصدیق رسالت کی تھی اور جان ومال سے آپ پر نثار تھیں ۶۵ برس کی عمر میں انتقال کیا اور انھیں ایام میں حضرت ابوطالب نے بھی جنھوں نے بچپن سے آنحضرت کو نہایت شفقت و محبت سے پرورش کیا تھا پھر آغاز نبوت سے باوجود کفار کی سخت مخالفت اور عداوت کے مرتے دم تک آنحضرت کی رفاقت اور اسلام کی حمایت کی لیکن بنی ہاشم اور بنی امیہ کی خاندانی مخالفت کا اثر دیکھو کہ روایات میں آپکے ایمان کا مسئلہ مابہ النزاع ہوگیا جسکی تفصیل یہ ہے۔

✓ دربار بنی امیہ کے مقرب زہری کے سلسلہ سے جو روایت مسیب سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ ابوطالب کی وفات کے وقت آنحضرت انکے پاس تشریف لیگئے دیکھا ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ موجود ہیں آپ نے فرمایا اے چچا ایک مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ دیجئے تاکہ آپکے ایمان کی شہادت خدا کے یہاں دوں۔ کفار بولے ابوطالب

کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے۔ آنحضرت بار بار کلمہ پیش کرتے تھے اور کفار وہی بات کہے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ابوطالب نے آخر کلام جو کہا وہ یہ تھا علی ملۃ عبدالمطلب۔

مگر ابن اسحٰق حضرت عبداللہ ابن عباس سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے حضرت عباس نے کان لگا کر سنا پھر آنحضرت سے کہنے لگے:۔

یا ابن اخی واللہ لقد قال اخی	بھتیجے خدا کی قسم بھائی نے وہ
الکلمۃ التی امرتہ ان یقولھا۔	کلمہ کہہ دیا جسکے لیے تو نے کہا تھا۔

زہری کی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ عینی شارح صحیح بخاری لکھتے ہیں کہ مسیب جو اسوقت کافر تھے انکا وفات ابوطالب کے وقت حاضر ہونا ثابت نہیں ہے لم یثبت حضور المسیب وفاۃ ابی طالب وھو کافر[1] اور واقعی قرین قیاس بھی یہی ہے۔ ابولہب جو سگا بھائی تھا اسوقت موجود نہو اور دوسرے لوگ حاضر ہوجائیں۔ ابوطالب کا آخری کلام سب سے زیادہ ابولہب کا کلیجہ ٹھنڈا کرتا اب دوسری روایت ابن اسحٰق لو۔ عباس اگرچہ اسوقت تک ایمان نہیں لائے تھے مگر حقیقی بھائی تھے انکا اسوقت موجود ہونا زیادہ قرین قیاس ہے انھوں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔ فقہا اگرچہ حالت احتضار کا ایمان معتبر نہیں سمجھتے لیکن

---

[1] عینی جلد التاسع صفحہ ۲۰۰ باب التفسیر

یہ ایمان ابوطالب تھا جسکی تصدیق پہلے فعل پھر قول سے ہوئی۔

مقام غور ہے کہ یزید جسنے جگر گوشۂ رسول کو شہید کیا۔ مہاجرین اور انصار کو واقعہ حرہ میں بیدریغ تہ تیغ کرا کے قتل عام کا مرتکب ہوا پھر کعبہ شریف پہ بیدردی سے حملہ کیا اسکے خاتمہ کے متعلق فقہا حسن ظن کی تعلیم دیں لیکن ابوطالب جو حضرت کے بچپن سے پچاس سال کی عمر تک رفیق و شفیق رہے۔ سفر و حضر میں سایہ کی طرح ساتھ رہے مصائب کے وقت سینہ سپر رہے اور مرتے دم تک آپکا ساتھ چھوڑا پھر وقت مرگ اعزا کو جمع کر کے آنحضرت کی نصرت و اعانت کی وصیت[1] کی انپر رضی اللہ عنہ کہنے کی اجازت نہ دیجائے۔ کیا اسلام کی یہی تعلیم ہے جسکا نام ہے ؟

بخاری میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے۔ آنحضرت فرماتے ہیں:-

والذی نفسی بیدہ	اس ذات پاک کی قسم جسکے قبضہ
لایومن احدکم حتی	قدرت میں میری جان ہے تم میں
اکون احب الیہ من	سے کوئی مومن نہیں جب تک
والدہ وولدہ	میں اُسکے باپ اور بیٹے سے زیادہ
	اُسکا محبوب نہو جاؤں۔

اب نہ بنی امیہ رہے نہ بنی عباس مگر جو جھگڑے اُنکے زمانہ میں پیدا ہو گئے تھے

۱؎ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ ابوطالب نے قریش کے طعنہ اور مخالفت کی کچھ پرواہ نہ کر کے زندگی بھر اپنے بھتیجے محمد کا ساتھ دیا۔ مرتے وقت قریش کے طعنہ کا خیال کر کے جیسا کہ روایت میں بیان کیا گیا ہے کلمہ نہ پڑھنا اور محمد کو خوش نہ کرنا خلاف قیاس ہے اور علم النفس کی شہادت کی تردید کرتا ہے۔ "لائف آف محمد صفحہ ۱۱۱"

اُن کا اثر آجتک باقی ہے۔ دمشق اور بغداد پر جو عَلَم اب لہرا رہا ہے اسکا رنگ ہی کچھ اور ہے مگر اسلام کے دو زبردست فرقوں کا یہ عالم ہے کہ آجتک دست و گریباں ہیں فتنہ ارتداد زوروں پر ہے مگر کچھ فکر اصلاح نہیں۔ ہاں سچے حامیانِ دین اور شیدائیانِ رسول کو محض فرقہ بندی کی کورانہ تقلید کے اثر سے آج بھی دائرہ اسلام سے خارج کرنے کو طیار ہیں۔ خداوندا اُمت محمدی پر رحم فرما۔

سورۂ کوثر — الغرض آنحضرت ان دو پے در پے حادثوں سے نہایت مغموم ہوئے اسلئے اِس سال کو عام الحزن کہتے ہیں۔ حضرت خدیجہ سے چار بیٹیاں زینبؓ، رقیہؓ، کلثومؓ، فاطمہؓ یادگار رہیں۔ دو بیٹے بھی ہوئے قاسم و عبداللہ (جنکا لقب طیب وطاہر بھی تھا) مگر دونوں بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ کفار جہاں اور طرح طرح کی اذیتیں دست و زبان سے دیتے تھے اب زخم پر نمک چھڑکنے لگے۔ عاص بن وائل سہمی طعنہ دیتا تھا کہ محمد الابتر ہیں یعنی اِن کے بعد انکا نام و نشان باقی نہ رہیگا۔ حق تعالےٰ نے اپنے دل شکستہ رسول کی تسلی فرمائی اور سورۂ کوثر کا نزول ہوا، کہ جو خیر کثیر اور چشمہ فیض آپ کی ذات مبارک سے جاری ہے وہ ہمیشہ رہیگا، آلِ محمد اور اُمتیان محمد آپکا نام روشن کرینگے۔ یہ پیشین گوئی جسطور سے پوری ہوئی اور ہوتی رہیگی وہ آفتاب کی طرح چمک رہی ہے۔

سفر طائف — حضرت ابوطالب کے بعد قریش کو جو کچھ لحاظ تھا وہ بھی جاتا رہا اب انھوں نے آنحضرت کو نہایت بیرحمی اور سفاکی سے اذیتیں دینا شروع کیں اور

نہایت سختی سے مانع تبلیغ ہوئے تب آپ نے زید بن حارثہ کو ساتھ لیکر طائف کا رُخ کیا جو مکہ سے جانب مشرق ۶۰ میل پر ایک زرخیز بستی ہے! ور جہاں سرداران قریش کے اکثر باغات بھی تھے۔ طائف میں اسوقت تین بھائی جنکو اپنی دولت و جاہ پر بڑا غرور تھا حاکم تھے اُنھوں نے نشہ حکومت میں تعلیم نبوی کی طرف کچھ توجہ نہ کی۔ اِسی پر اکتفا نہ کرکے اِن متکبروں نے شہر کے اوباشوں اور لڑکوں کو لگا دیا کہ رسُول برحق کو گالیاں دیتے تالیاں بجاتے اور پتھر مارتے ہوئے شہر سے باہر کر آئیں آنحضرت ملول و محزون ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور با دل پُر غم و چشم پُر نم یوں دعا مانگی :-

اللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْ	اے اللہ میں اپنے ضعف قوت،
ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ	قلت حیلت اور مخلوق کے سامنے اپنی
وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ یَا اَرْحَمَ	خواری کی تجھ سے شکایت کرتا ہوں
الرّٰحِمِیْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ	تو ہی ارحم الراحمین ہے ضعیفوں کا
وَاَنْتَ رَبِّیْ اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ اِلٰی بَعِیْدٍ	پالنے والا میرا رب۔ تو مجھے کسکے حوالہ
یَتَجَھَّمُنِیْ اَوْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ	کرتا ہے ایسے بیگانہ کو جو ترش رو ہوتا
اِنْ لَّمْ یَکُنْ بِکَ عَلَیَّ غَضَبٌ فَلَا	ہے یا ایسے دشمن کو جو میرے کام
اُبَالِیْ وَلٰکِنْ عَافِیَتُکَ ھِیَ اَوْسَعُ لِیْ	پر مسلط ہے اگر تیرا غضب مجھ پر نہیں
اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ	تو کیا پرواہ ہے تیرا مرحمہ عافیت

اشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ	میرے واسطے کشادہ ہے۔ تیرے
امر الدنیا والاخرۃ من ان	چہرے کے نور کی جس سے تاریکیاں
ینزل بی غضبک او یحل علی	روشن اور دین و دنیا کے کام ٹھیک
سخطک لک العتبی حتی ترضی	ہوتے ہیں پناہ پکڑ کر عرض کرتا ہوں
لاحول ولا قوۃ الا بک	کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرا غضب مجھ پر نازل
طبری بروایت ابن اسحق	ہو اور تو مجھ سے بگڑ جائے۔ عتاب بس
(صفحہ ۲۳۰)	تیرا ہے جب تک تو راضی نہ ہو جول
جزء ثانی	و قوت تیرے سوا کہیں نہیں۔

آنحضرت صحابہ سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ دوران تبلیغ میں سب سے زیادہ سخت دن مجھ پر وہ تھا کہ جب طائف کے سرداروں نے میری بات نہ سُنی۔ غور سے دیکھو سرداران طائف نے قریش کے مقابلہ میں کوئی ایسی جسمانی اذیت نہیں پہونچائی تھی لیکن جن متکبرانہ اور حقارت آمیز الفاظ میں اُنھوں نے آپ کو رد کیا وہ ویسے ہی تھے جیسے ابلیسؑ نے آدمؑ کیلیے استعمال کئے تھے۔ وہ کہنے لگے اگر خدا کو رسُول بھیجنا تھا تو مکہ اور طائف کے کسی صاحب جاہ و مال بزرگ کو ہم سرداروں کے پاس بھیجتا نہ یہ کہ ایک ٹوٹا مارا مسافر ہماری ہدایت کو آیا ہے۔ حکماء یونان نے اسیطرح اپنے علم و حکمت پر غرور کر کے انبیاءے بنی اسرائیل کی بات نہ سُنی اور اس زمانہ میں بھی دانایان فرنگ اپنے ایجادات و اختراع اور دنیاوی کامیابی پر ناز کرتے ہوئے

حقارت آمیز لہجہ میں اسلام کو صرف جاہلوں اور نیم مہذب قوموں کیلئے موزوں خیال کرتے ہیں! ۔ سچ ہے کبر و غرور سے بدتر کوئی صفت انسان کو تباہ کرنیوالی نہیں ہے تزکیہ نفس اور صفائے باطن جو منشائے تہذیب تمدن ہیں صرف وسعت معلومات اور جدید انکشافات پر منحصر نہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ	خداوندا میں تجھسے پناہ مانگتا ہوں
مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَقَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَ	ایسے علم سے جو فائدہ نکرے اور ایسے
دُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ وَنَفْسٍ لَا تَشْبَعُ	دل سے جو تیرے حضور نہ جھکے اور
مسلم	ایسی دعا سے جو قبول نہو اور ایسے
(بروایت انس رض)	نفس سے جسکو آسودگی نہو۔

روایت آیات آغاز رسالت کے عنوان میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ خسرو پرویز کی فوجوں نے جب شام فتح کرلیا اور بیت المقدس پر ۶۱۴ء میں درفش کاویانی لہرانے لگا تو اس واقعہ کا اثر مکہ میں بھی پڑا۔ مشرکین قریش کو آتش پرستوں سے قدرتاً ہمدردی تھی اسلیے وہ خوش ہوئے بخلاف اسکے حامیان توحید کو اہل کتاب یعنی پیروان مسیح کی شکست سے رنج ہوا۔ قریش خوش تھے کہ اسیطرح مسلمانوں کو بھی وہ پامال کردینگے ایسی ناکامی کی حالت میں سورۂ روم کا نزول ہوا جس میں یہ صریح پیشین گوئی تھی کہ:۔

هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ	وہ دب جانے کے بعد قریب ہے
سَيَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ	کہ چند سال کے اندر غالب ہوں۔

لیکن چونکہ قیام مکہ میں اس پیشین گوئی کی صداقت کا ظہور نہیں ہوا اسلیے بیت المقدس کی بے حرمتی اور بربادی پیروان حق کیلیے باعث درد و غم تھی۔ بنی اسرائیل جو کبھی خداوند یہوواہ کے پیارے تھے خانماں خراب ہوکر ذلیل و خوار پھرتے تھے اور ورود مسیحا کے منتظر تھے حالانکہ حضرت مسیح تشریف بھی لائے مگر قاتلان انبیا نے کچھ قدر نہ جانی۔ نصاریٰ "ابن اللہ" کے دوبارہ آسمان سے نزول کے منتظر تھے حالانکہ انھوں نے اس نبی معصوم کی تعلیمات کو بت پرستوں کے توہمات کے قالب میں ڈھالکر مسخ کردیا تھا۔ غرضکہ اہل کتاب کی یہ حالت تھی کہ انکی شامت اعمال سے بیت المقدس میں تہلیل و تحمید کے عوض پیر مغاں زمزمہ سرا تھے ادھر نسل اسمعیل کی یادگار قریش نے بیت اللہ کی حالت اور بھی بدتر کردی تھی اسکو بتوں کی نجاست سے آلودہ کردیا تھا اور خداپرستی کے عوض ہبل کی جے پکارتے تھے اور جب نبی کریم نے توحید کا چراغ روشن کیا تو ہر ممکن طریقہ سے اسکو بجھانے لگے اور پیروان حق کو طرح طرح کی اذیتیں دینے لگے۔ ایسی پستی اور ناکامی کی حالت میں حق سبحانہ تعالے اپنے برگزیدہ بندے کو ایک شب اپنے آیات یعنی نشانیوں کا نظارہ دکھاتا ہے کہ حق پھر بلند ہوگا نہ صرف بیت اللہ بلکہ بیت المقدس میں بھی اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوکر فضائے عالم میں گونجے گا یہودیت کی سخت گیری اور ظاہریت "دین یسیر" سے بدل جائیگی۔ "آسمانی باپ" کا طفلانہ مسیحی تصور رحمن و رحیم کے ارفع اور اعلیٰ تعلیم سے روشن ہو جائیگا۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی — پاک ہے وہ ذات کہ لے گئی
بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ — بندے کو اپنے را تا رات مسجد حرام
اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا — سے مسجد اقصیٰ کیطرف ایسی کہ
حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ — مبارک کردیا ہم نے گرداگرد اسکا
ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ — تاکہ دکھائیں ہم اسکو نشانیاں اپنی
(سورۂ بنی اسرائیل) — بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔

یہ ہے رویت آیات کا واقعہ اسریٰ جسکو ابن اسحٰق اور واقدی اور پھر انکے اتباع میں راویان مابعد نے یہود کے قصہ معراج[۱] حضرت یعقوبؑ۔ رویائے حزقیل اور مکاشفات یوحنا کے قالب میں ڈھالکر ایک عجیب و غریب داستان کی شکل میں بیان کیا ہے پھر اس قسم کی بحثیں چھڑ گئیں کہ معراج جسمانی تھا یا روحانی براق کیا تھا، آسمان کے دروازے کیونکر کھلے جنت و دوزخ میں کیا کیا عجائبات نظر آئے۔ آسمان پر فرشتوں اور پیغمبروں سے کس طرح ملاقات ہوئی۔ رفرف کیا تھا اور کیسے آپ کو لیگیا۔ خدا پردے سے کیونکر باہر نکل آیا اور کیا باتیں ہوئیں

اصل یہ ہے کہ واقعہ اسریٰ جو قرآن میں مذکور ہے اور قصہ معراج جسکا تذکرہ از قبیل اسرائیلیات ہے ان دونوں میں خلط مبحث ہو گیا ہے۔ واقعہ اسریٰ جسکا ذکر ہمنے اوپر کیا ہے مثل وحی کے ایک سچا نظارہ آیات تھا جس طرح مدینہ میں

---

[۱] توریت کتاب پیدائش باب ۲۸

آنحضرت کو عالم رویا میں دکھایا گیا کہ اہل اسلام بیت الحرام میں داخل ہونگے لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّؤْیَا بِالْحَقِّ اسیطرح مکہ میں عین اُس حالت میں جبکہ ہر طرف سے ناکامی نظر آتی تھی واقعہ اسریٰ دکھایا گیا جیسا کہ اسی سورہ بنی اسرائیل میں مذکور ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ	اور نہیں بنایا ہم نے اُس خواب کو
اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ	کہ دکھایا ہم نے تجھے مگر فتنہ آدمیوں
(سورہ بنی اسرائیل)	کیلیے۔

محدث طبری اس آیت کی تفسیر یوں لکھتے ہیں :۔

عن ابن عباس قولہ	حضرت ابن عباس سے روایت ہے
وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ اَرَيْنٰكَ	کہ ماجعلنا الرویا التی اریناک
اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ قَالَ هُوَ	الا فتنۃ للناس سے مراد وہ ہے جو
مَا اُرِيَ فِيْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَيْلَةَ	آپ نے شب اسریٰ میں بیت المقدس
اُسري بہ تفسیر ابن جریر صفحہ جز ۱۵	میں دیکھا۔

اسکی تائید بخاری ابن عباس سے باب التفسیر میں یوں کرتے ہیں قال ھی رویا عین اریھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بہ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس رویا کا اس آیت میں ذکر ہے وہ وہی واقعہ اسریٰ تھا جو از قسم منام یعنی خواب نہ تھا۔ ورنہ کفار منکر نہوتے۔ خواب تو سبھی دیکھتے ہیں اور ہر قسم کے لیکن یہاں رویا ویسا ہی

تھا جیسا نزول وحی کے وقت نظارہ ملک وملکوت جس کی تشریح ہم آغازِ وحی میں کر چکے ہیں۔

افسوس ان حقائق پر غور نہیں کیا گیا اور اسریٰ کے سچے واقعہ پر معراج کی عجیب غریب داستان کا پردہ ڈال دیا گیا۔ اب وہ زمانہ ہے کہ بیت المقدس میں توحید تثلیث کے نرغے میں ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ کبوترانِ حرم کعبہ کیلیے جدید پالیسی کا ریشمی جال بچھایا جا رہا ہے مگر ہمارے علماء۔ واعظین اور شعراء وہی قصّہ معراج سُنا رہے ہیں۔ اب وقت آگیا کہ واقعہ اسریٰ پر سچّا ایمان لا کر صاحب اسریٰ سے یوں فریاد کی جائے۔ ع

خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب!

قبائل میں تبلیغ اسلام خانہ کعبہ کو اُمیین عرب میں وہی شرف حاصل تھا جو بیت المقدس کو اہل کتاب میں سال کے چار ماہ حرام میں جب جنگ و جدال موقوف ہو جاتی تھی تو قبائل عرب ہر طرف سے جمع ہو کر حج و عمرہ ادا کرتے تھے۔ اسیطرح چند مشہور بازار عکاظ اور ذوالمجاز وغیرہ میں میلے اور قومی جلسے ہوتے تھے شعر و سُخن کی محفلیں گرم ہوتی تھیں اور عیش و نشاط اور خرید و فروخت میں لوگ مصروف رہتے تھے۔ آنحضرت ان قومی محفلوں میں تشریف لیجا کر تبلیغ اسلام فرماتے تھے اور کفار قریش ساتھ ساتھ آپکی تکذیب کرتے تھے جس سے قبائل پر پورا اثر نہیں ہوتا تھا۔ تاہم اکثر طالب حق اسلام کے گرویدہ ہو کر اپنے اپنے قبائل میں جا کر فرض تبلیغ ادا کرتے تھے۔ ہم

اور حضرت ابوذرؓ کا تذکرہ لکھ چکے ہیں۔ یہ اپنے قبیلہ غفار میں واپس آکر اسلام کی دعوت دینے لگے اور نصف قبیلہ مسلمان کرلیا۔ باقی نصف بھی بعد ہجرت مسلمان ہوگیا[1]

یمن کے قبیلہ دوس کا ایک مشہور شاعر طفیل ابن عمرو جسے قریش آنحضرت تک پہونچنے نہیں دیتے تھے اسی زمانہ میں ایک مرتبہ آنحضرت کو قرآن مجید پڑھتے سنکر ایمان لایا، پھر اپنے قبیلہ میں جاکر لوگوں کو دعوت اسلام دینے لگا۔ اسیطرح شہر نصیبین کے چند باشندے نخلہ کے مقام پر جہاں طائف سے آنحضرت واپس تشریف لاکر مقیم ہوئے تھے ایک شب کو جب آپ تلاوت کلام اللہ میں مصروف تھے قرآن پاک سے متاثر ہوکر ایمان کیطرف مائل ہوئے اور اپنی قوم میں جاکر دوسروں کو مائل کیا۔ یہ واقعہ سورۂ احقاف میں واذ صرفنا الیک نفرا من الجن اور سورۂ جن میں مذکور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح واقعہ اسریٰ میں آپ کو نشانیاں دکھائی گئیں اسیطرح ایسی حالت میں جب آپ طائف سے دل شکستہ ہوکر تشریف لارہے تھے ایک جماعت کے پوشیدہ ایمان لانے کی اطلاع بذریعۂ وحی آپ کو دیگئی کہ اگرچہ اسباب ظاہر اس وقت مخالف ہیں لیکن خدائے رحمٰن کے الطاف خفیہ اپنا پوشیدہ اثر دکھاتے ہیں ولله رحمٰن الطاف خفیہ۔ ابن اسحٰق نے صرف نصیبین کے چند جنہ کا ایمان لانا مجملاً بیان کیا ہے[2] لیکن ارباب سیر ان اجنہ کو ایک آتشی مخلوق سمجھکر عجیب غریب داستان بیان کی ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں لفظ جن متعدد معنوں میں

---

[1] بخاری ذکر غفار و مسلم [2] ابن ہشام جزء ثانی صفحہ ۲۴

استعمال ہوا ہے۔

قبل اسکے کہ ہم ان معنوں کی تشریح کریں ایک مختصر تمہید کی ضرورت ہے

بحث اجنہ اجرام سماوی اور اجسام سفلی کیطرح کرشمہ خواب نے بھی بدو فطرت سے انسان کے قلب کو متاثر کر کے عقائد و اعمال پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ بیداری کے واقعات کا خواب کی حالت میں نظر آنا قدیم انسان کیلیے ایک سراپا حیرت معما تھا۔ وہ دیکھتا تھا کہ خواب میں دور دراز مقامات پر وہ اپنے دوستوں سے ملا۔ دشمنوں سے ناگوار واقعات پیش آئے عیش و عشرت رنج و غم کے مناظر اُسنے اپنی آنکھوں سے دیکھے لیکن باینہمہ اسکے ہم نشین یقین دلاتے ہیں کہ وہ یہیں بستر پر تھا اب اُن میں سے سچا کون اس معمہ کا حل یوں اسکی سمجھ میں آیا کہ اس جسم میں ایک پوشیدہ شے بھی ہے جو باہر نکلکر اڑتی پھرتی ہے۔ اس طور سے قدیم انسان نے خود کو جسم و جان کا مجموعہ یقین کیا پھر متخیلہ نے تمام خارجی اشیاء کو بھی جاندار باور کرادیا اور چونکہ اُسنے خواب میں اپنی جان کو جسم سے الگ مصروف کار دیکھا تھا اسلیے اُسکو یہ باور کرنے میں کچھ مشکل نظر نہ آئی کہ اسی طرح اور بھی جانیں ہیں جو نظر نہیں آتیں مگر اپنا کام کر رہی ہیں اور اُسکے نفع نقصان پر اثر ڈال رہی ہیں۔ اس خیال کی تائید یوں بھی ہوئی کہ علم طبیعات اور علم الابدان سے ناواقفیت کی باعث بیماری اور موت کے خوفناک نظارے سوائے اسکے کہ پوشیدہ دشمنوں کی کارروائی سمجھی جائیں اور کچھ سمجھ میں نہ آسکے۔ اب ہم نے اپنی عجیب و غریب کرشمہ سازیوں سے ننگ آمیری

شروع کرکے ارواح کا طلسم ہوشربا طیار کر دیا جس میں دیو بھوت جن و پری وغیرہ وغیرہ کے افسانوں کا انبار لگ گیا اور سارا عالم نیک و بد ارواح کا جولانگاہ نظر آنے لگا۔ پھر انکی تسخیر کیلیے مدعی بھی پیدا ہو گئے۔ جو ساحر، کاہن اور عامل مشہور ہوئے۔

"جن" کے لفظی معنی پوشیدہ کے ہیں۔ بابل والوں کی طرح عرب بھی بیماریوں کو اجنہ کا خلل سمجھتے تھے۔ بیابانوں میں تموج ہوا سے جو آوازیں پیدا ہوتی ہیں انکو جنات کیطرف منسوب کرتے تھے اور انکا نام ہاتف رکھا تھا جب کسی نئے مقام پر جاتے تھے تو جس طرح انسانی سرداران قبیلہ کی پناہ طلب کرتے تھے سرداران جنات سے بھی ایسی ہی استدعا کرتے تھے اور انکو مستغیث سمجھتے تھے۔ انکا عقیدہ تھا کہ اجنہ غیب داں ہیں اور کاہن جو انسے تعلق پیدا کرتے ہیں اسی ذریعہ سے غیب کی باتیں معلوم کر لیتے ہیں۔ خدائے پاک سے انکا رشتہ جوڑا تھا اور سمجھتے تھے کہ فرشتے انکی بیٹیاں ہیں، سرکش اجنہ کو عفریت کہتے تھے۔ ان قومی خرافات پر بہو وسکے توہمات نے اور حاشیہ چڑھا دیا اب انھیں ویرانوں اور جنگلوں میں سانپوں اور وحشی جانوروں کی شکلوں میں جن پھرتے نظر آتے تھے جنکو شعریم کہتے تھے۔ ظلمت شب میں انکی بھیانک شکلیں انکے سامنے ہو جاتی تھیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ نیک و بد انسانوں کی طرح اجنہ بھی ہوتے ہیں نیکوں و ملنسار کو عامر اور چالاک و مفسدی کو شیطان کہتے تھے غرضکہ اجنہ نے ان کو ہرطرح مرعوب کر کے، وہم پرست بنا کر شرک کے اندھے کنوئیں میں ڈھکیل دیا تھا۔

جن کے مختلف معنی

عہد جاہلیت کے ان خیالات کو پیش نظر رکھ کر دیکھو کہ قرآن مجید جسکے کہ نزول کی اصل غایت اصلاح عقائد فاسدہ واوہام باطلہ، تزکیۂ نفس، توجہ الی اللہ اور تعلیم دین حق ہے لفظِ جن کو کن کن معنوں میں استعمال کرتا ہے۔

(۱)

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ... الآیہ (سورہ سبا)

ان آیات میں جو کچھ مذکور ہے وہ حضرت سلیمان کے عہد میں بیت المقدس کی تعمیر کا تاریخی واقعہ ہے جیسا کہ توریت کتاب اوّل سلاطین باب پنجم میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان نے حیرام صور کے بادشاہ سے صیدونی قوم کے آدمی جنگل سے لکڑی کاٹنے کو مانگے تھے مقام لبنان سے لکڑی کاٹی جاتی تھی اور حضرت سلیمان کے ملازمین حیرام بادشاہ صور کے بھیجے ہوئے لوگ اور "جبلیم" یعنی پہاڑی آدمی یہ کام کرتے تھے اور پتھر وغیرہ تراش کر عمارت تعمیر کرتے تھے۔ اسیطرح کتاب دوم تاریخ الایام باب دوم میں درج ہے کہ صور کے بادشاہ نے ایک کاریگر حضرت سلیمان کے یہاں کام کرنیکو بھیجا تھا جسکی طرف مذکورۂ بالا آیت میں اشارہ ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان کے قصہ میں جہاں جہاں لفظِ جن کا استعمال قرآن مجید میں ہوا ہے اس سے مراد غیر اسرائیلی یعنی بیگانہ قوموں کے چالاک اور چابکدست کاریگر اور پہاڑی مضبوط آدمی مراد ہیں لیکن مسلمانوں میں ان کے متعلق "اسرائیلیات" اور "جاہلیات" کے افسانوں کے باعث عجیب و غریب روایات

مشہور ہوگئیں۔ عباسیوں کے آغاز حکومت میں ایک شخص ابن ہلال[۵۱] پیدا ہوا جسنے چند کتابیں مثلاً شرح اقوال شیاطین وغیرہ لکھکر عہد سلیمان کے واقعات کو فسانۂ عجائب بنادیا۔ اسیطرح مفسرین میں مقاتل ابن سلیمان اور سدی وغیرہ نے اِس قسم کے بہت سی روایات کاذبہ نقل کئے[۵۲] اور مسلمانوں میں عام طور سے یہ خیالات پھیل گئے۔

(۲)

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ ..... کافرین (سورہ انعام)

انسان کی معاشرت دو قسم کی نظر آتی ہے ایک بدوی یا وحشی دوسری حضری یا شہری۔ یہ تقسیم قدیم الایام سے اب تک موجود ہے۔ مثلاً اسی ہندوستان میں اس بیسویں صدی میں بھی بھیل۔ گونڈ۔ سنتھال وغیرہ جنگلی قومیں دشت وجبال میں آباد ہیں جنکی معاشرت جُداگانہ ہے وہ علیحدگی اور پوشیدگی میں بسر کرتے ہیں اور بہت کم شہریوں سے ملتے جلتے ہیں یہی حال اور بر اعظموں کا ہے اور یورپ کا بھی جہاں روس کے وسیع ملک میں خانہ بدوش وحشی آباد ہیں۔ مذکورۂ بالا آیات میں انہیں دونوں قسموں کیطرف خطاب ہے لیکن عام طور سے یہاں بھی یہ لفظ اسی قسم کے اجنہ کیلیے سمجھ لیا گیا جنکے متعلق عجیب و غریب روایات مشہور ہیں۔ پھر چونکہ اس آیت میں رسول بھیجنے کا ذکر ہے اسلیے یوسف نامی ایک پیغمبر اجنہ کا قصہ بنایا گیا اور سند میں ضحاک کا قول پیش کیا گیا پھر ایک گروہ علما نے کہا کہ نہیں جو نبی

---

۵۱ فہرست ابن ندیم صفحہ ۳۱۰ ۵۲ میزان الاعتدال جلد دوم صفحہ ۳۰۲ و ۲۴۴

کوئی پیغمبر نہیں ہوا ہاں پیغمبران انس سے اجنہ میں ہدایت پھیلی۔ اِس گروہ نے حضرت ابن عباس کی ایک روایت پیش کی[1] لیکن یہ موشگافیاں اور باہمی خلاف لفظ جن کے وہی معنی لینے سے پیدا ہوئے جو زبان زد عوام ہیں ورنہ مطلب صاف تھا

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر اس آیت سے اجنہ میں رسول کا وجود ثابت کیا جاتا ہے تو اسی سورۂ انعام کی اِس آیت سے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم

زمین پر چلنے والے جانور اور ہوا میں اُڑنے والے پرندسبھوں میں بمصداق آیہ کریمہ وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ وجود انبیا ثابت کرنا چاہئے

(۳)

وَخَلَقَ الْجَانَّ مِن قَبْلُ مِن نَّارِ السَّمُومِ

جرمنی کا ایک مشہور سائنس داں ہیکل جس کا حال میں انتقال ہوا ہے کہتا ہے

" اس امر کا زیادہ احتمال ہے کہ کرہ ارض کی طرح نظام شمسی کے دوسرے سیاروں مثلاً مریخ اور زہرہ میں بھی اِس قسم کا ارتقائے حیات عمل پیدا ہو اور یہی حال دوسرے نظام شمسی کے سیاروں کا ہو...........

برعکس اسکے یہ امر بھی مشکوک ہے کہ آیا جانوروں اور نباتات کے اعلیٰ اقسام بعینہ وہی مدارج ارتقا طے کر رہے ہیں جیسے اس زمین پر خاص کر

---

[1] تفسیر ابن جریر جزء ہشتم صفحہ ۲۷

تو بالکل غیر واقعی ہے کہ دوسرے سیاروں میں بھی ریڑھ والے جانور موجود ہوں جو لاکھوں سال کے ارتقا کے بعد دودھ پلانے والے جانور (جنکی سب سے اعلیٰ قسم انسان ہے) بن گئے ہوں جنکی مدت بھی لاکھوں سال ہونا چاہیے اب اسکے مقابلہ میں اسکا بھی زیادہ احتمال ہے کہ دوسرے سیاروں میں ایسے اعلیٰ قسم کے نباتات اور جانور پیدا ہو گئے ہوں جنکی نظیر دنیا میں نہیں ہے اور غالباً ریڑھ والے جانوروں سے اعلیٰ قسم کے جانوروں کے ارتقا نے ایسے اعلیٰ مخلوق پیدا کر دی ہو جو انسان خاکی کے مقابلہ میں کہیں زیادہ عقیل اور زیرک ہو لیکن سیاروں کی ایسی مخلوق سے ہمارا نامۂ و پیام براہ راست اسوجہ سے ممکن نہیں کہ مسافت بعیدہ حائل ہے پھر واسطہ بادنا پدید ہے کیونکہ فضا میں صرف ایتھر موجود ہے۔

(رڈل آف دی یونیورس صفحہ ۱۳۱)

کیا عجیب بات ہے کہ ماہرین سائنس کے ان احتمالات کو اس زمانہ میں وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن جب مخبر صادق کی زبان پاک سے وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السَّمُومِ سنتے ہیں تو ممکنات سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ اس قسم کی مخلوق کا قبل تخلیق انسان وجود میں آنا کچھ بعید نہیں ہے کیا ہمارا کرۂ ارض جو نظام شمسی کا ایک رکن ہے ایک وقت میں آتشیں سیال مادہ متحرک نہ تھا کیا پروٹوپلیزم (مادۃ الحیات) کے وجود کے قبل "پروٹوگیس" یعنی مَادِجٍ مِنْ نَارٍ

کی آتشبازی اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کی آمد آمد میں اپنی بہار نہیں دکھا رہی تھی۔ کیا مردم چشم کے سامنے ایتھر اور الکٹران کی پوشیدہ کارروائیاں آئینہ ہوسکتی ہیں لیکن چشم دل کو نارونور کی پوشیدہ ہستیاں نظر نہیں آسکتیں۔ اصل یہ ہے کہ قرآن مجید نے جس طورسے ایک پوشیدہ مخلوق آتشی اور جنود مجندہ کا ذکر کیا ہے اسکی تائید سائنس کے روزافزوں انکشافات سے ہوتی جاتی ہے البتہ وہ روایات جو اہل کتاب میں اسی مخلوق کے متعلق مشہور ہیں اور عہد جاہلیت کی یادگار ہیں معتبر نہیں ہیں اگرچہ عام طورسے مسلمانوں میں بھی مشتہر ہوکر کتب مذہبی میں مندرج ہوگئی ہیں۔

ابن اسحٰق کی روایۃ جنۃ
اب ہم ابن اسحٰق کی روایت کے متعلق اجنۃ شہر نصیبین کیطرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس شہر میں ایک قوم آباد تھی جسکی کیفیت یہ ہے کہ حضرت سلیمان کی وفات کے بعد منجملہ بارہ اسباط بنی اسرائیل کے دس نے آپکے بیٹے رجبعام سے بغاوت کرکے اپنی سلطنت سماریہ میں علیحدہ قائم کرلی تھی اور خداوند یہواہ کے عوض سونے کے بچھڑوں کی پرستش شروع کردی تھی ۷۲۱ قبل مسیح میں اہل اسیریا نے اس سلطنت کو غارت کیا اور باشندوں کو نینوا میں پکڑلے گئے جہاں وہ لوگ تھوڑے ہی عرصہ میں بت پرستوں میں جذب ہوگئے لیکن پھر بھی توراۃ کے منجملہ ۲۴ کتابوں کے صرف ابتدا کی پانچ کتابیں جو حضرت موسیٰ کیطرف منسوب ہیں مانتے تھے۔ بیت المقدس کے عوض کوہ جرزیم پر اپنا معبد الگ قرار دیا تھا انکے مذہبی پیشوا کاہن کہلاتے تھے

یہ لوگ زیادہ تر پہاڑوں میں دیگر اقوام سے علیٰحدہ رہتے تھے واقعہ طائف کے بعد اسی قوم کے چند اشخاص نے آنحضرت کو کلام الٰہی پڑھتے سُنا جیسا کہ اُنکے قول " یا قَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى " سے صاف ظاہر ہے۔

نکتہ یہاں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیئے کہ سورۂ جن اصل میں ایک پیشین گوئی ہے اس امر کی کہ اسلام پر جب کبھی نازک وقت آیا اور کفر کے نرغہ میں پھنس گیا تو خدائے رحمٰن نے اپنے الطاف خفیہ کا کرشمہ دکھایا۔ دیکھو سفر طائف کے بعد ہی جبکہ نامرادی اور ناکامی کا سناٹا چھایا تھا آنحضرت کو " نفر من الجن " کے ایمان لانے کی خوشخبری سُنائی جاتی ہے اور پھر تھوڑے ہی عرصہ میں یثرب کے چھ شخص آپ پر خفیہ ایمان لاتے ہیں اور اشاعت دین کا سلسلہ کامیابی کے ساتھ جاری ہو جاتا ہے۔ ساڑھے چھ سو برس بعد اسلام پر ایک دوسرا سخت دن وہ آیا جبکہ مغولستان کے خون آشام دیو ہلاکو خاں کی سرکردگی میں دارالسلام بغداد پر بلا کی طرح چھا گئے اور عم مصطفےٰ کے فرزندوں کا خون پانی کی طرح بہا کر عظمت اسلام کو خاک میں ملا دیا لیکن پرچم دین کی سرنگونی کا پوشیدہ اثر دیکھو کہ آج ہلاکو کا پوتا مع اپنی فوج ظفر موج کے محراب توحید میں سر تسلیم خم کرتا ہے اور اسلام کی طاقت کو از سر نو چمکاتا ہے۔

تیرہ سو برس کے بعد ہماری نگاہوں نے وہ دن بھی دیکھا جب کہ ثالث ثلٰثہ کی ظلمت نے آج واحد کے نور کو گھیر لیا۔ شاخ طلا کی بہار اسلامبول میں رخصت

ہوئی اور ہلالی جھنڈا سرنگوں ہوا۔ لیکن بہت جلد مہذب دنیا نے دیکھ لیا کہ ایشیا کے
کوچک کے پہاڑوں کے ابنا نے کیا کر دکھایا۔ سورہ جن کو غور سے پڑھو اور روایات
کے طلسم کو توڑ کر اپنے ایمان کو تازہ کرو لراقمہ ؎

پیس ڈالے گرچہ گردش چرخ کجرفتار کی
مٹ نہیں سکتی ہے اُمت احمد مختار کی

یثرب میں ورود اسلام | پہلی صدی عیسوی میں جب بیت المقدس رومیوں کے ہاتھوں تباہ
ہوگیا اور یہود خانماں خراب ہو کر اقصائے عالم میں منتشر ہوگئے تو اُن میں سے ایک
گروہ نے حجاز کیطرف رُخ کیا اور یثرب میں جسے اب مدینہ منورہ کہتے ہیں
سکونت اختیار کی اور تھوڑے عرصہ میں ثروت اور اقتدار حاصل کرکے مستحکم قلعے
بنالیے اور امراء کی طرح رہنے لگے۔ اِن میں سے تین قبیلے بنی نضیر بنی قریظہ
اور بنی قینقاع مشہور ہیں۔

انھیں ایام میں یمن کا قدیم شہر سبا سد مارب کے ٹوٹنے سے جب سیلاب
کی نذر ہوگیا تو خاندان قحطان کے دو بھائی اوس و خزرج خانہ بدوش ہو کر یثرب میں
آباد ہوگئے۔ انکی نسل کو ترقی ہوئی جو رفتہ رفتہ آبادی کے معتدبہ حصہ پر قابض
ہوگئی مگر یہود نے اُنکو دبالیا اور ظلم وستم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آخر غسان کے عیسائیوں
نے حملہ کرکے یہود کی قوت کو توڑا اور اوس وخزرج کو اقتدار حاصل ہوگیا۔ لیکن عربی
طینت کے مطابق دونوں خاندانوں میں باہمی رقابت نے خانہ جنگی کی شکل

اختیار کرلی۔ آنحضرت کی بعثت کے وقت انمیں جنگ بعاث ہو رہی تھی۔

ابن اسحق کی روایت ہے کہ اس گروہ سے ایک شخص سوید ابن صامت جو سپہ گری کیساتھ مشہور شاعر بھی تھا۔ حج کے ایام میں مکہ آیا۔ آنحضرت اُسکے پاس تشریف لیگئے اثنار گفتگو میں اُسنے صحیفہ لقمان کو پیش کیا آپ نے فرمایا میں تمکو اس سے بہتر کلام سُناتا ہوں۔ پھر کلام مجید کی تلاوت فرمائی اُسنے تحسین کی اور متاثر ہوا۔ مدینہ واپس آکر یہ شخص قبل ہجرت نبوی جنگ بعاث میں مارا گیا۔

صحیفہ لقمان سوید نے جس صحیفہ لقمان کو پیش کیا اور جسکا ذکر ابن اسحق نے کیا ہے وہ اصل میں ایک قدیم اشوری کتاب قصہ احیکر سے ماخوذ ہے۔ اِس قصہ کو یہود نے کتب عہد عتیق سے خارج کر دیا تھا اور اس مجموعہ میں جسے اپوکرائفہ (نامعتبر اور ضعیف) کہتے ہیں داخل کیا تھا اِس مجموعہ کا انگریزی ترجمہ آر۔ ایچ ۔ چارلس نے ۱۹۱۳ء میں آکسفورڈ سے دو ضخیم جلدوں میں شائع کیا ہے اور اسکا نام "دی اپوکرائفہ آف دی اولڈ ٹسٹامنٹ" رکھا ہے۔ قصہ احیکر جلد دوم میں اس طور سے مذکور ہے۔

احیکر اسیریا کے بادشاہ سناشریب کا وزیر تھا اور علم و حکمت میں بھی کامل دستگاہ رکھتا تھا مگر لاولدی کے غم میں مبتلا تھا آخر ناامید ہو کر اپنے بھانجے کو متبنےٰ کیا اور اُسکی تعلیم و تربیت میں خود متوجہ ہوا۔ اُسکے تعلیمات مواعظ کی شکل میں تمامتر اسطور سے مذکور ہیں۔ اے میرے بیٹے ایسا کر اور ایسا نہ کر

جس طرح سورۂ لقمان میں منقول ہے

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ... آیۃ

مواعظ احیکر اسقدر مقبول ہوئے کہ اُنکا ترجمہ ارمنی سُریانی اور حبشی زبان میں کیا گیا۔ آنحضرت کی ولادت سے بہت پیشتر عربی میں بھی اُنکا ترجمہ ہوچکا تھا اسی کا حوالہ سوید ابن صامت نے دیا تھا۔ مواعظ احیکر کے اقتباسات تورات کی کتاب امثال اور دانیال وغیرہ میں نیز انجیل لوقا اور اعمال حوارین میں بھی موجود ہیں قرآن مجید میں بھی چند مواعظ مذکور ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اشوری احیکر اہل کتاب میں لقمان کے نام سے یاد کیا گیا۔ پھر لقمان کی سیرت کے متعلق روایات مشہور ہوگئے۔ مثلاً شارح ابن اسحٰق روض الانف میں لکھتے ہیں

ولقمان کان نوبیا من اھل ایلة وھو لقمان بن عنقاء بن مرور[۱]

نبوت کے دسویں سال جب آنحضرت کو عقبہ کے مقام پر یثرب کے قبیلۂ خزرج کے چند اشخاص نظر آئے آپ نے انکو پیغام الٰہی سُنایا چونکہ یہود اُس زمانہ میں اور آجتک بھی ورود مسیحا کے منتظر ہیں اسلیے یثرب کے بت پرست اپنے ہمسایہ یہود سے ایک نبی کی آمد کا ذکر سُن چکے تھے آنحضرت کو کلام الٰہی پڑھتے سُنکر کہنے لگے یہود جس نبی کی بشارت دیتے تھے وہ یہی تو نہیں آؤ ہم سبقت کرکے اسپر ایمان لائیں کیا عجب اسکی برکت سے ہم فلاح پائیں چنانچہ چہ شخص ایمان لاکر گھر واپس گئے

---

[۱] ابن ہشام جز اول صفحہ ۲۹۶

پھر دوسرے سال بارہ یثربی آئے اور ایمان لاکر یہ خواہش کی کہ کوئی صحابی بطور معلم انکے ساتھ کردیا جائے۔ آنحضرتؐ نے مصعب بن عمیر کو جو اشاعت دین کیلیے حبشہ بھی جاچکے تھے اور ابن اُم مکتوم کو جنکی شان میں سورۂ عبس نازل ہوا تھا ساتھ کردیا۔ انکی تعلیم و تلقین کا یہ اثر ہوا کہ ایک ہی سال میں نور اسلام گھر گھر پھیل گیا۔ اسید ابن حضیر اور انکے ابن عم سعد بن معاذ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے مصعب کی زبان سے کلام اللہ سنکر ایمان لائے اور انکے اثر سے سارا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔

ابن اسحق کی روایت ہے کہ مصعب اسعد ابن زرارہ کے مکان پر بیٹھے ہوے تعلیم دے رہے تھے سعد ابن معاذ غصہ میں بھرے ہوئے آئے اور کہنے لگے یہ تم کمزور طبیعتوں کو کیا بہکا رہے ہو یہاں سے چلے جاؤ مصعب نے نرمی سے جواب دیا کہ پہلے ہماری بات سن لو پھر اختیار ہے سعد زمین پر نیزہ گاڑکر بیٹھ گئے۔ مصعب نے کلام مجید کی چند آیات پڑھیں جنھیں سنکر کہنے لگے کیا اچھا کلام ہے بتاؤ مجھے اب کیا کرنا چاہیے مصعب نے کہا طہارت کرکے کلمۂ شہادت زبان پر لاؤ اور درگاہ الٰہی میں سر نیاز جھکاؤ۔ سعد ایمان لائے۔ پھر اپنے قبیلہ میں گئے اور کہنے لگے بنی عبدالاشہل تم لوگ میری نسبت کیا خیال رکھتے ہو، جواب ملا آپ ہمارے سردار اور صاحب الرائے بزرگ ہیں۔ یہ سنکر سعد نے جوش میں آکر کہا بخدا میں تم سے اسوقت تک کلام نہ کرونگا جبتک تم خدا اور رسول پر ایمان نہ لاؤگے۔ سعد اپنے قبیلہ میں ہر دلعزیز اور محترم تھے جس راہ پر وہ لا رہے تھے وہ حق کا سیدھا اور صاف راستہ تھا۔ قوم نے تعمیل کی اور قبیلہ مذکور مسلمان ہوگیا۔

دوسرے سال حج کے ایام میں ۷۲ مسلمان یثرب سے مکہ آئے انکے ہمراہ انکے معلم مصعب بھی تھے۔ انکی ماں جو کافرہ تھی جسوقت بیٹے کی آمدسنی کہلا بھیجا اے نافرمان تو اس شہر میں آیا جہاں میں موجود ہوں مگر سیدھا پہلے میرے پاس کیوں نہ آیا مصعب نے جوابدیا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ رسولخدا کی خدمت میں حاضر ہونیسے پہلے میں کہیں اور جاؤں پھر بابرے سالت پر حاضر ہوئے اور یثرب میں اشاعت اسلام کی کیفیت عرض کی بعد فراغ ماں کے پاس آئے مصعب ناز و نعمت میں سپلے تھے ایمان لانے سے پیشتر بڑے ٹھاٹھ سے رہتے تھے اور اچھے کپڑوں کا بڑا شوق تھا۔ اب جو آئے تن بدن کا ہوش نہیں صرف اشاعت دین کی ایک دھن تھی۔ ماں نے غصہ سے نظر اُٹھائی اور کہنے لگی حبشہ کی مصیبتوں اور یثرب کی تکلیفوں سے ابھی تک تیری آنکھ نہیں کھلی اور تو اُسی دین پر قائم ہے مصعب نے ملتجیانہ انداز سے جوابدیا۔ اے ماں یہ راہ خدا ہے اللہ اور اُسکے رسول پر تو بھی ایمان لا۔ مگر وہ دنیائے دوں کی شیدا بولی چمکتے ہوئے تاروں کی قسم میں ایسی دیوانی نہیں

بیعت عقبہ الغرض آنحضرت نے مصعب سے یثرب میں دین حق کی اشاعت اور اُنکی ایک جماعت کے حاضر ہونیکی کیفیت سنکر منیٰ کے ایک پوشیدہ مقام عقبہ میں انسے ملاقات کی۔ انھوں نے درخواست کی کہ اب آپ ہمارے شہر میں قدم رنجہ فرمائیں اور ہمارے برادران دین کو جن پر مکہ میں ظلم وستم ہو رہا ہے۔ یہاں بھیج دیں۔ آنحضرت نے اس سے پیشتر حبشہ میں مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت دی تھی وہاں کفار قریش نے

ہر ممکن ذریعے سے کوشش کی تھی کہ کسی طرح وہ مظلوم وہاں سے بھی نکال دیئے جائیں اب اگر یثربیوں کی درخواست منظور کیجائے تو شتر کینہ قریش کب وہاں بھی چین سے بیٹھنے دینگے یہ خیالات تھے جنکی بنا پر آنحضرت نے فرمایا کیا تم اپنے اہل وعیال کیطرح ہملوگوں کی حفاظت کا عہد کرتے ہو۔ دین حق کے شیدائیوں نے وہی جواب دیا جو ایک آزاد عرب کی فطرت ہے۔ برا ابن معرور کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ہم لوگ تلواروں کی گود میں پلے ہوئے ہیں پھر سب سے پہلے بیعت کی اور ان کے ساتھ اوروں نے بھی[1]۔

ابن اسحق عاصم بن عمر بن قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ دوران بیعت میں عباس ابن عبادہ انصاری کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ کچھ خبر بھی ہے کہ اس بیعت سے احمر و اسود یعنی عرب و عجم سے لڑائی مول لینا ہے اور مبتلائے مصیبت ہونا ہے۔ جواب ملا ہاں ہم جان بوجھ کر ایسا کر رہے ہیں۔ عاصم کہتے ہیں کہ عباس کا یہ انتباہ عقد بیعت کے مضبوط کرنے کیلئے تھا جیسا کہ ان الفاظ سے ثابت ہے

واللہ ما قال العباس ذلک الا لیشد العقد لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اعناقہم[2]

طبری نے عروہ ابن زبیر سے جو روایت نقل کی ہے اس میں الفاظ بیعت یہ درج ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا۔

ابایعکم علی — تم سے اس امر پر بیعت لیتا ہوں

---

[1] طبری جزو دوم صفحہ ۲۳۸ [2] طبری جزو دوم صفحہ ۲۳۹

الاتمنعونی مماتمنعون منہ کہ مثل اپنے اہل وعیال کے میری
نساءکم وابناءکم طبری جزو ۳ حمایت کرو گے۔

کیا عجیب بات ہے کہ ان کھلی ہوئی شہادتوں کے ہوتے ہوئے مارگیولیث وغیرہ نے صرف اس بنا پر کہ ابن اسحق نے بیعت اول کو بیعت نساء اور اس دوسری بیعت کو بیعت حرب لکھا ہے آنحضرت پر حصول سلطنت مدینہ کا الزام لگایا ہے سچ ہے فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔

ہجرت صہیبؓ ہجرت کی اجازت پاکر اہل اسلام ایک ایک دو دو کرکے قریب ڈیڑھ دو سو آدمیوں کے مدینہ روانہ ہوگئے۔ جہاں انصار نے ان کو بھائیوں کی طرح ہاتھوں ہاتھ لیا۔ صرف رسول اللہ و حضرات ابوبکرؓ و علیؓ اور چند عاجز اور بے مایہ مسلمان باقی رہے۔ مشرکین نے ہجرت کی راہ میں طرح طرح کی دقتیں پیدا کردیں لیکن طالبان حق نے کچھ پروانہ کی ان میں ایک حضرت صہیبؓ رومی تھے جنہوں نے غلامی سے آزاد ہوکر اپنے قوت بازو سے کافی سرمایہ جمع کر لیا تھا جو وقت ہجرت کو نکلے مشرکین نے کہا اس حقیر غلام کو دیکھو ہمارے شہر میں آکر آسودہ ہوگیا اب اپنی جان کیساتھ مال بھی لیے جاتا ہے یہ نہیں ہوسکتا ہے ہاجر صہیب نے کہا اگر ایسا ہو تو لو میرا سارا مال حاضر ہے اب تم مجھے جانے دو گے مشرکین نے قبول کیا صہیب نے بمصداق "و بہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ" سارا اثاثہ وہیں چھوڑا اور ہجرت کر گئے جب وقت رسول اللہ نے یہ سنا فرمایا صہیب نے بڑا نفع کمایا۔[1]

[1] ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۷۶

ہجرت رسول اللہ مشرکین نے اب مدینہ میں اسلام کی روزافزوں ترقی روکنے کیلیے ایک خوفناک تدبیر کی۔ دارالندوہ میں جمع ہوکر مشورہ ہونے لگا کہ آنحضرت کے متعلق اب کیا کرنا چاہیے۔ ایک نے کہا بیڑیاں پہنا کر قید کردو مگر اسپر یہ اعتراض ہوا کہ اس صورت میں پیروان محمدؐ ہجوم کرکے لڑائی شروع کردینگے۔ دوسرے نے کہا اچھا خارج البلد کردو۔ مگر اسکی بھی یوں تردید کیگئی کہ ایسی حالت میں آپ اپنے کلام کے زور سے قبائل عرب کو مسخر کرکے مقابلہ کو تیار ہوجائینگے آخر ابوجہل نے صلاح دی کہ ہر قبیلہ سے ایک منچلا جوان منتخب ہو۔ پھر سب ملکر ایک ساتھ اپنی تلواروں سے محمدؐ کے ٹکڑے کرڈالیں اسطور سے خون کے ذمہ داری ہر قبیلہ پر بٹ جائیگی۔ بنی عبدالمطلب کو یہ جرأت نہوگی کہ ہر قبیلہ سے بدلہ لیتے پھریں۔ یہ رائے پسند کیگئی اور عملی کارروائی شروع ہوگئی۔ حق تعالے ارشاد فرماتا ہے۔

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ	اور جب داؤں کرتے تھے تجھے
كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ	وہ جنھوں نے کفر کیا تاکہ ٹھہرائیں تجھے
يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ	یا قتل کریں تجھے یا نکال دیں تجھے
وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ	اور مکر کرتے تھے اور داؤں کیا اللہ نے
وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ	اور اللہ اچھا ہے سب داؤں کرنے
(سورۂ انفال)	والوں سے

حق و باطل کا مقابلہ تاریخ مذاہب میں حیرت انگیز رہا ہے۔ اور کلدانیاں

میں باطل نے ابراہیم کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈالنا چاہا مگر خود ہی انگاروں پر لوٹتا رہا اور حق نے اپنے خلیل پر آنچ نہ آنے دی۔ مصر میں باطل بڑے کروفر سے موسےؑ اور انکی قوم کو دریا کنارے پکڑنے چلا مگر خود ہی مع فوج دریا برد ہوگیا اور حق اپنے کلیم کو یوں نکال لیگیا کہ دامن بھی تر نہوا۔

مکہ میں باطل نے بڑی ہوشیاری سے محمدؐ پر تلواریں کھینچیں مگر خود ہی گر پڑا اور حق اپنے حبیب کو یوں بچا لیگیا کہ دشمن منہ دیکھتے رہگئے۔ حقیقت یہ ہے کہ واقعات عالم کے پس پردہ ایک زبردست ہستی کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔ جسکے سامنے ضعیف البنیان انسان کا دام مکر تار عنکبوت سے بھی زیادہ بودا ہے!

ادھر مشرکین قتل کا انتظام کر رہے تھے اور ادھر حافظ حقیقی اپنے رسول کی حفاظت کی تدبیر میں تھا۔ آنحضرتؐ اپنے رفیق قدیم حضرت ابوبکرؓ کے پاس تشریف لائے تخلیہ میں عزم ہجرت ظاہر فرمایا۔ ابوبکرؓ نے پہلے سے دو اونٹنیاں طیار کر رکھی تھیں۔ جلدی جلدی سامان سفر درست کر لیا جو وقت مشرکین کی منتخب جماعت خانۂ اقدس کے گرد کمینگاہ میں بیٹھی تھی۔ آنحضرتؐ نے انکے خونخوار ارادہ سے واقف ہو کر حضرت علیؓ سے فرمایا آج شب کو تم میرے بستر پر میری چادر اوڑھکر آرام کرو میں مدینہ روانہ ہوتا ہوں کفار تم سے تعرض نہ کرینگے صبح کو جن جن اشخاص کی امانتیں میرے پاس ہیں انکو ادا کر کے عقب سے مدینہ چلے آنا۔ وہ فدائے رسولؐ جسنے تیرہ برس کی عمر میں کفار کے بھرے مجمع میں جب آنحضرتؐ نے فرمایا تھا۔ اے حق

میں میرا ساتھ کون دیتا ہے۔ عرض کیا تھا یا رسول اللہ میں ساتھ دونگا۔ اِس جاں نثار شب کو بھی بے خوف و خطر تعمیل ارشاد کیلیے حاضر ہوگیا۔ الغرض آنحضرت تاریکی شب میں پشت مکان سے نکلکر چپکے سے حضرت ابو بکرؓ کو ہمراہ لیکر مدینہ کا رستہ چھوڑ کر مکہ سے جانب جنوب ڈیڑھ گھنٹے کی راہ پر جبل ثور کی بلند چوٹی پر چڑھ گئے پھر ایک غار میں اُتر کر بیٹھ گئے اور تین دن تک اس میں پوشیدہ رہے۔ حضرت ابو بکر نے اپنے وفادار غلام عامر بن فہیرہ کو جو بکریاں چرآتا تھا مقرر کرلیا تھا کہ شب کو پوشیدہ طور پر غار میں دودھ پہونچا دیا کرے اور اسیطرح اپنے بیٹے عبد اللہ کو خبریں لانے کیلیے مقرر کردیا تھا۔ یہ سب کچھ انتظام کیا تھا۔ لیکن اپنے ہادی برحق کو ایسی مصیبت میں دیکھکر غمزدہ ہوگئے۔ وہ سنسان مقام۔ وہ غار کی تاریکی۔ وہ شبانہ روز بیم وامید کی حالت میں مبتلا رہنا۔ نہ کوئی یاور نہ کوئی مددگار جو چند ماننے والے تھے وہ مدینے میں تھے یا حبشہ میں۔ کیا غار حرا کا نورانی نظارہ غار ثور کی تاریکی میں غائب ہوجائیگا کیا حق وباطل کے مقابلہ میں حق یوں مست جائیگا۔ یہ اندوہناک خیالات تھے جن میں آپ ڈوبے ہوئے تھے ایسی حالت میں رسول کریم کے لب جاں بخش یوں جنبش کرتے ہیں:۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا غم نہ کھا۔ بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (سورۂ توبہ)

اگر دنیا اُمید پر قائم ہے تو دین کی بنیاد یقین پر ہے معیت الٰہی کا عین الیقین

اولوالعزم رسولوں کا خاصہ ہے۔ بنی اسرائیل نے جب فرعون کو فوج کے ساتھ دریا کنارے اپنے قریب آتے دیکھا ڈر کر کہنے لگے۔ اب ہم پکڑے گئے اُسوقت بھی معیت الٰہی کے پختہ یقین کی یہی آواز بلند ہوئی تھی۔

قَالَ كَلَّا ۚ (موسیٰ نے کہا) ایسا نہوگا بیشک

مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ میرا پروردگار میرے ساتھ ہے وہ راستہ بتائیگا۔

فرعون مع اپنی فوج کے غرق ہوگیا اور حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لیکر صاف نکل آئے اسیطرح قریش بھی اپنے خونخوار ارادوں میں ناکام رہے۔

صبح کو دشمنوں نے بستر رسُول پر حضرت علی کو پاکر پکڑا اور حرم میں لاکر قید کیا پھر ڈرایا دھمکایا کہ کسی طرح رسُول کا پتہ بتادیں۔ مگر اصحاب رسول حواری مسیح نہ تھے کہ نازک وقت میں ساتھ چھوڑتے۔ ایک نے بستر رسول پر اپنے آپ کو فدا کیا دوسرے نے سفر و حضر میں رفاقت کا پورا حق ادا کیا۔

چوتھے دن آنحضرت غار سے برآمد ہوئے۔ عامر دونوں اونٹ لایا اور ایک بدوی عبداللہ بن اریقط راستہ بتانے کیلیے مقرر ہوکر ہمراہ چلا۔ یہ مختصر قافلہ عام راہ چھوڑکر جانب ساحل غیر معروف راستے سے یثرب کیطرف روانہ ہوا۔ قریش نے اگرچہ اشتہار دیدیا تھا کہ جو کوئی آنحضرت کو گرفتار کر لائے سو اونٹ انعام پائیگا۔ لیکن حافظ حقیقی نے اپنے رسول کو تکمیل دین کیلیے سلامت رکھکر بحفاظت مدینہ پہونچادیا۔

اہل مدینہ تشریف آوری کے منتظر تھے روزانہ استقبال کو گھر سے نکلتے تھے اور بعد انتظار واپس آتے تھے۔ آخر وہ دین برحق کا چاند جو تین شب غار ثور میں چھپا رہا اُفق مدینہ سے نمودار ہوا۔

مدینہ میں اعلائے کلمۃ اللہ

مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر جو بالائی آبادی ہے اُسکو قُبا کہتے ہیں۔ یہاں انصار کے اکثر خاندان آباد تھے چند مہاجرین نے بھی یہیں قیام کیا تھا آنحضرت ۹۔ ربیع الاوّل اتوار کے دن عمرو بن عوف کے خاندان کے سرگروہ کلثوم بن الہدم کے گھر میں سب سے پہلے تشریف فرما ہوئے۔ طبری بروایت ابن اسحٰق نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت نے پہلے جو کام یہاں کیا وہ یہ تھا کہ خدائے واحد کی عبادت کیلئے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔ کلثوم کے قبضہ میں ایک افتادہ زمین تھی جہاں کھجوریں سُکھائی جاتی تھیں وہیں یہ مسجد بنائی گئی جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے۔

لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ — البتہ وہ مسجد جو بنائی گئی

مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ (سورہ براءت) — ہے تقوی پر پہلے دن۔

قبا میں آنحضرت کا قیام چار دن رہا لیکن طبری نے لکھا ہے کہ بعض روایتوں میں دس دن سے زائد بھی مذکور ہیں۔ بہرحال جمعہ کے دن آپ قبا سے شہر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے جب وقت نماز جمعہ کا وقت آیا آپ ٹھہر گئے مہاجرین و انصار کے

ساتھ نماز ادا فرمائی اور خطبہ پڑھا۔

یہ پہلا خطبہ ہے جسکو مورخین اسلام[ل] نے بجنسہ نقل کیا ہے۔ اس خطبہ میں آپ نے تقوی کی فضیلت اور صلاح نفس کی ضرورت پر زور دیا۔ پھر سمجھایا کہ خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا وہ رؤف ہے انکی یاد سے غافل نہ رہنا چاہیے اور آخرت کو پیش نظر رکھنا چاہیئے نماز سے فارغ ہو کر آپ اپنی ناقہ قصوی پر سوار ہوئے راہ میں انصار کے خاندان استقبال کو کھڑے تھے عورتیں جوش مسرت سے گارہی تھیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا ۔۔۔ مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ

وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا ۔۔۔ مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعِ

(چودھویں رات کا چاند ہم پر چمکا۔ کوہ وداع کی گھاٹیوں سے۔

ہم پر خدا کا شکر واجب ہے۔ جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں۔)

آنحضرت کے ننھالی رشتہ دار بنو نجار کے زن ومرد بھی حاضر تھے جن میں ایک ابوایوب بھی تھے انھیں کو محبوب رب العالمین کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔

مواخات آنحضرت نے دار ابوایوب میں سات ماہ قیام فرمایا، خانماں برباد مہاجرین بھی اپنے دینی بھائیوں انصار کے یہاں مہمان تھے۔ آنحضرت نے اس تعلق کو مضبوط اور گہرا کرنے کیلیے ایک دن انصار کو بلایا پھر مہاجرین وانصار میں مواخاۃ یعنی بھائی چارہ کرادیا، اسطور سے کہ ہر انصاری نے اپنے مہاجر بھائی کو املاک وغیرہ

ل طبری حالات سنہ صفحہ ۲۵۵

میں نصف کا شریک کر لیا یہاں تک کہ اگر کسی انصاری کا انتقال ہوتا تو اُسکا مہاجر بھائی ترکہ پاتا (یہ انتظام آیہ توریث کے نزول تک رہا)۔

اِس اثنار میں ایک افتادہ زمین کی قیمت ادا کرکے آنحضرتؐ نے مسجد نبوی کی تعمیر شروع کی۔ اِس متبرک خداخانہ کے واسطے بیت المقدس کیطرح نہ بیش قیمتی پتھر آرے اور نہ صناع۔ معمار اور مزدور بلائے گئے۔ سید الانبیار اپنے مقدس ہاتھوں سے کچی اینٹیں اُٹھاتا تھا اور گروہ "خیر الامم" کے ساتھ کام بنانے میں مشغول تھا۔ آخر اینٹ اور گارے کی دیواریں بن گئیں۔ کھجور کی چھال سے چھت پاٹی گئی اور خرمے کی لکڑی کے ستون قائم ہوئے۔ پھر تھوڑے ہی عرصہ میں خالق بے نیاز کی سچی عبادت کیلیے یہ سادہ عمارت۔ جس میں نہ محراب نہ منبر نہ ظاہری ساز و سامان تھا تیار ہوگئی۔ لیکن اگر یہ چیزیں نہ تھیں تو کیا مضائقہ تھا۔ بھلا جہاں تسلیم کی محراب اخلاص کا منبر، تواضع کا فرش اور صدق و صفا کا سامان ہو وہاں فانی چیزوں کا کیا ذکر ہے۔

اصحاب صفہ اِس مسجد کے کنارے پر ملا ہوا ایک سائبان تھا جسے صفہ کہتے تھے اسکے نیچے وہ غریب اور مسکین بسر کرتے تھے جنھوں نے اپنی زندگی محض خدمت دین اور عبادت الٰہی کیلیے وقف کر دی تھی۔ یہ لوگ دن کو بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے اور حدیثیں سُنتے اور رات کو اسی چبوترہ پر پڑے رہتے حضرت ابوہریرہ بھی انھیں لوگوں میں تھے ان میں سے کسی کے پاس چادر اور تہمد دونوں

چیزیں کبھی ساتھ مہیا نہ ہو سکتیں چادر کو گلے سے اسطرح باندھ لیتے کہ رانوں تک لٹک آتی۔ آنحضرتؐ کے پاس جب کہیں سے صدقہ کا کھانا آتا تو مسلم انکے پاس بھیجدیتے اور جب دعوت کا کھانا آتا تو انکو بلا لیتے اور انکے ساتھ بیٹھکر کھاتے۔ راتوں کو یہ لوگ عموماً عبادت کرتے اور قرآن مجید پڑھا کرتے۔ ان کیلیے ایک معلم مقرر تھا اسکے پاس جاکر پڑھتے۔ اسی بنا پر ان میں سے اکثر قاری کہلاتے تھے دعوت اسلام کیلیے کہیں بھیجا ہوتا تو یہ لوگ بھیجے جاتے۔[۱]

مسجد جب تعمیر ہو چکی تو اسی کے متصل آنحضرتؐ نے اپنے اہل وعیال کے واسطے مختصر مکان بنوائے پھر حضرت زیدؓ کو بھیجا کہ حضرت فاطمہ زہرا اور ام المومنین سودہ کو مکہ سے لے آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہ کو مکہ ہی میں آنحضرتؐ سے منسوب کر دیا تھا۔ اب انکو بلا کر شوال میں رسم رخصتی ادا کر دی۔

آنحضرتؐ کے "مکانات" جو اصل میں مختصر حجرے تھے۔ انکی کیفیت طبقات ابن سعد میں یوں مذکور ہے کہ چھ چھ سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لانبے تھے۔ چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھو لیتا تھا۔ دروازوں پر کمل کا پردہ پڑا رہتا تھا۔

مدینہ کی زندگی کی کشمکش

ہجرت کے وقت انصار کا مخلصانہ خیر مقدم اگرچہ ایک خوش کن نظارہ اور ترقی دین کیلیے نہایت ہمت افزا تھا۔ لیکن چونکہ اب قصبہ کے

---

[۱] سیرۃ النبی صفحہ ۲۱۴ و ۲۱۵

مختلف الخیال مخلوط آبادی سے براہ راست سابقہ تھا اور واقعہ ہجرت سے قریش کے غیظ و غضب اور جوش انتقام کا طوفان اُفق مدینہ پر قدرتاً اٹھتا ہوا نظر آرہا تھا۔ آنحضرت اور غریب الدیار مہاجرین کو اطمینان سے بیٹھنا نصیب نہوا۔ یہ شہر مکہ نہ تھا جہاں رجب ذیقعدہ ذیحجہ اور محرم چار ماہ تک لڑائی حرام سمجھی جاتی تھی اور جہاں اطراف عرب سے مختلف قبائل حج کیلیے آتے تھے جنسے ملکر آنحضرت فرض تبلیغ ادا فرماتے تھے یہ مدینہ تھا جہاں ہر وقت جان کا خطرہ تھا اور تبلیغ کا دائرہ محدود تھا۔ یہاں صرف قریش کا ایک ہی قبیلہ آباد نہ تھا۔ جکے افراد آنحضرت اور مہاجرین بھی تھے بلکہ اوس و خزرج کے دو حریف قبائل کے ساتھ ایک ایسی قوم بھی آباد تھی جو مذہباً اور معاشرتاً ان سے بیگانہ تھی۔ یہ قوم جو کبھی خداوند یہواہ کی محبوب تھی اب شامت اعمال کی بدولت غضب الٰہی میں گرفتار تھی کفران نعمت اور انبیاء کا خون بیگناہ انکی نسلوں کے لیے طوق گردن تھا جس سے روحانیت سلب ہو گئی تھی اور دین صرف ظاہری پابندیوں اور فقیہانہ بجز و لایجز میں پھنس کر رہگیا تھا۔ یہ مدینہ کے یہودی بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ تھے جو زمیندارانہ حیثیت سے زمین کے ایک بڑے حصہ پر قابض تھے اور سودی لین دین جاری کرکے کاشتکاروں کا خون چوستے تھے، اوس و خزرج انکے مقروض رہتے، قرضہ کی کفالت میں بچے اور عورتیں تک رہن رکھہ لیے[۱] جاتے

[۱] بخاری و مسلم ذکر قتل کعب ابن اشرف

بنی قینقاع صنّاع تھے اور زرگری اور حدادی کا پیشہ کرتے تھے، عربی اور یہودی خون کی آمیزش سے یہ لوگ شجاع اور سرشور تھے۔ انکے پاس اسلحہ جنگ کے ذخیرے مہیا رہتے اور کسی کی کچھ ہستی نہ سمجھتے تھے۔

یہودی مورخ گرائٹز کا بیان اور اسی پر تبصرہ

گزشتہ صدی کے ایک مشہور جرمن مستشرق پروفیسر گرائٹز یہود مدینہ کی حالت اور اُنکا برتاؤ رسول اللہ کے ساتھ جس طرز سے بیان کرتا ہے اُسکا ترجمہ ہم ذیل میں درج کرتے ہین۔ پروفیسر موصوف نے یہود کی ایک مفصل اور مبسوط تاریخ عہد حضرت ابراہیم سے ۱۸۷۰ء تک لکھی تھی اسکا ترجمہ انگریزی میں پانچ ضخیم جلدوں میں ہوا اور ۱۸۹۲ء میں لندن سے شائع ہوا۔

۶۲۲ء میں جب محمد (صلعم) ہجرت کرکے یثرب آئے تو انھوں نے یہود کو ملا لینے کی کوشش کی اور اپنے اغراض اِس طور سے پیش کئے جنسے معلوم ہوتا تھا کہ آپ تمام عرب میں یہودیت پھیلانا چاہتے ہیں۔ آپنے جب یہود کو یوم کفارہ کو روزہ رکھتے دیکھا تو یہ کہکر کہ یہود سے زیادہ ہم اسکے اہل ہیں صوم عاشورہ مقرر کیا، باہمی حفاظت کیلیے آپنے قبائل یہود سے ایک معاہدہ کیا اور بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے مقدمات میں جو کسوٹی کے طور پر پیش آتے تھے آپ یہود کے ساتھ نرمی کرتے تھے اسلئے مسلمان اپنے مقدمات بجائے اوروں یہود کے پاس لیجاتے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ لوگ آپسے زیادہ ناطرفداری کرینگے چونکہ آپ اُمّی تھے اسلیے

عرصہ تک ایک یہودی کاتب رکھا۔ یہ پیش قدمیاں ایک ایسے شخص کی جانب سے جس کی ذات سے آئندہ امیدیں وابستہ تھیں یہود مدینہ کیلیے دلخوش کن تھیں۔ وہ ایک حد تک یہ سمجھے کہ آپ یہودی ہو گئے اور اسلیے یہ امید ہوئی کہ آپ کے ذریعے سے یہودیت عرب میں غالب ہو جائے گی بعض یہود آپ پر ایمان لاکر زمرۂ انصار میں داخل ہوئے۔ ان میں بنی قینقاع کا ایک نوجوان عالم عبداللہ ابن سلام تھا جس نے مع چند دیگر نومسلم یہود کے اشاعت قرآن میں مدد دی، ان یہودی انصاریوں نے یہودیت کو بالکل ترک نہیں کیا، کیونکہ وہ احکام توریت کے متبع رہے اور شروع میں محمد ان کی اس روش سے ناراض بھی نہیں ہوئے۔ لیکن بہ استثنائے معدودے چند اور کوئی یہودی مدینہ میں ایمان نہیں لایا خاصکر جبکہ انھیں یہ نظر آیا کہ آپ خود غرض مدمغ اور عورتوں کے شائق ہیں۔ یہود اپنے قدیم پیغمبروں کی شان اس سے کہیں زیادہ ارفع اور اعلی سمجھتے تھے کہ ایک جوشیلے واعظ کو بھی جو ہر حسین عورت کا متمنی تھا انکے زمرے میں شامل کر دیتے۔ یہود کہتے تھے ملاحظہ ہو یہ شخص غذا سے سیر نہیں ہوتا اور اسکی خواہش سوا اسکے اور کچھ نہیں کہ اسکے گرد و پیش عورتیں ہوں۔ اگر یہ نبی ہے تو فلسطین میں کیوں نہ پیدا ہوا جہاں وہ خود کو برگزیدہ الٰہی قرار دیتا۔ یہود یہ اعتراض بھی کرتے تھے کہ اگر اسکو دین ابراہیمی میں شامل ہونیکا فخر ہے تو بتائے

کہ ابراہیم نے اونٹ کا گوشت اور دودھ کب استعمال کیا، محمد کے سربرآوردہ مخالفوں میں ایک یہودی فنحاص ابن عازور، اِس بلا کا ستم ظریف تھا کہ کسی موقع پر چوکتا نہ تھا کہ آپ کی ہنسی نہ اُڑائے۔ دوسرا شخص مشہور و معروف کعب بن اشرف تھا جسکا باپ عرب اور ماں یہودن تھی۔ ایک شاعر ابو عفک پیر صد سالہ تھا جس کی یہ کوشش تھی کہ جاہل عرب آپ سے متنفر ہو جائیں۔ اسیطرح عبداللہ ابن صوریا جو حجاز میں سب سے بڑا عالم سمجھا جاتا تھا نفرت پھیلاتا تھا۔

محمد نے جب بنی قینقاع کو دعوت اسلام دی تو فنحاص نے ایک مشہور تقریر میں یوں مضحکہ اُڑایا کہ محمد کہتے ہیں اقرضوا اللہ قرضاً حسنا (اللہ کو قرض حسنہ دو) کیا خدا ایسا فقیر ہو گیا کہ ہم سے بھیک مانگتا ہے مخالفین یہود اسطور سے وحی اور آپکے قول کی تحقیر اور استہزا کرتے تھے اور یہ نہ جانتے تھے کہ یہ مہاجر مکہ جو مدینہ سے اعانت چاہنے آیا ہے اُنکے قبائل کو ذلیل و تباہ کر دیگا اور آیندہ اُن کے لاکھوں ہم مذہبوں کی قسمت کا مالک بنجائیگا۔ ان کو اپنی بہادری اور قوت پر ناز تھا اور یہ نہیں سمجھتے تھے کہ سب سے زیادہ خطرناک دشمن وہ ہے جس کی کچھ پروا نہ کیجائے۔ بیشک ابتدا میں محمد نے اس تحقیر کو فراخ حوصلگی سے برداشت کیا اور ہوشیاری سے پردہ فاش ہونے دیا آپنے

اپنے تبعین کو یون سمجھایا ولا تجادلوا اهل الکتٰب الا بالتی هی احسن

لیکن ایک عرصہ تک اس باہمی نارضی کی باعث امن امان قائم نہو سکا،

یہود نے مسلمانون کے بھکلنے میں کوئی دقیقہ اُٹھانہ رکھا یہانتک کہ دانشمند

عبداللہ ابن ابی خزرجی کا دل آپ کیطرف سے ایسا پھیر دیا کہ مرتے دم تک

وہ دشمن ہی رہا ؎ (تاریخ یہود جلد سوم صفحہ ۷۰، لغایت ۷۰،)

مذکورۂ بالا تحریر اگرچہ آنحضرت پر وہی الزامات لگاتی ہے جنکا راگ یورپ گایا کرتا ہے لیکن اسکے ساتھ چند باتیں ایسی بھی ہیں جن سے ایک غیر متعصب اور منصف مزاج شخص یہود مدینہ کے کیرکٹر کا کچھ اندازہ کر سکتا ہے اور چونکہ خود ایک یہودی مورخ کا یہ بیان ہے اسلیے اور بھی وقیع ہے۔

قبل اسکے کہ ہم مورخ مذکور کی تحریر پر تبصرہ کریں پہلے ایک غلط فہمی کو دور کرنا چاہتے ہیں جو مخالفین اسلام کو قبول حق سے دور رکھتی ہے۔ اُنھون نے پہلے سے یہ فرض کرلیا کہ آنحضرت کی مدینہ میں تشریف آوری ہوس جاہ و مکنت اور حصول قوت سلطنت کیلیے تھی اسلیے آپکے ہر قول و فعل کو اُسی مفروضہ غرض کی عینک سے دیکھتے ہیں۔ ہم اسکے جواب میں یہ نہیں کہتے کہ آنحضرت کو پہلے رسول تسلیم کرلو تب آپ کی کارروائی پر تبصرہ کرو بلکہ صرف یہ کہتے ہیں کہ مخالفت یا جنبہ داری دونون سے خالی الذھن ہو کر واقعات پر انصافانہ نظر ڈالو پھر رائے قائم کرو۔

؎ ترجمہ۔ اور مت جھگڑو اہل کتاب سے مگر ایسے طریقے سے جو بہتر ہو۔

آنحضرتؐ نے آغاز رسالت سے جو طریقہ شرک وکفر کی برائی اور توحید اور تزکیہ نفوس کی تعلیم کا اختیار کیا تھا وہ مختلف حالتوں اور مقاموں میں یکساں رہا۔ مکہ میں قریش کے معبودوں یعنی بتوں کی برائی اور کفار کے اخلاق ذمیمہ کی خرابیوں کا اظہار جن کھلے ہوئے الفاظ میں صاف صاف بیان کیا انکی شہادت مکی سورتیں آج بھی دے رہی ہیں قریش نے دنیاوی حکومت کی لالچ دلائی مگر آپ نے کچھ پروانہ کی۔ ظلم وستم سہے پھر بھی اسی روش پر قائم رہے۔ حبشہ میں جب ایک عیسائی حاکم کی حمایت درکار تھی تب بھی آپ نے فرض رسالت کو مقدم سمجھکر عیسائیوں کے عقائد کی جس طور سے برائی ثابت کی انکی شہادت سورۂ مریم دے رہی ہے جو خاص اس موقع پر نازل ہوئی الوہیت مسیح کی تردید کھلے ہوئے الفاظ میں کی گئی اور اسکی کچھ پروانہ کی کہ حاکم وقت اور انکی رعایا ناراض ہو جائینگے اور مہاجرین کے ساتھ برا برتاؤ کرینگے۔ مشرکین مکہ کیطرف سے افسردہ ہوکر جب آپ طائف تشریف لیگئے تب بھی سرداران طائف کے سامنے فرض رسالت بخوف وخطر ادا کیا اور اسکی کچھ پروا نہ کی کہ یہ صاحب اثر سردار جنکی ملا لینے کی اسوقت بہت ضرورت تھی ناراض ہو جائینگے مدینہ میں جب اوس وخزرج کے سرداروں نے نور اسلام سے منور ہوکر آپ کو مدعو کیا تو آپ نے وہاں پہونچ کر جو تبلیغی فرائض ادا کئے انکی نوعیت پر غور کرو۔ قبا میں داخل ہوتے ہی آپ نے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔ شہر میں پہونچ کر ابو ایوب میں قیام فرمانیکے بعد مکان کے سامنے کی افتادہ زمین دو یتیموں سے خرید کرکے مسجد نبوی کی تعمیر شروع کی۔ آغاز رسالت سے پابندی نماز شعار دین تھا۔ مدینہ پہونچتے ہی پنج وقتہ نماز باجماعت قائم کی اور اذان کا

خالص اسلامی طریقہ جو یہود و نصاریٰ سب کے طریقے سے بالکل جداگانہ ہے جاری کیا گیا
اِن نمازوں میں قرآن مجید کی سورتیں جسقدر اُسوقت تک نازل ہو چکی تھیں پڑھی جاتی
تھیں۔ مدینہ پہونچتے ہی چونکہ آبادی کا ایک بڑا حصہ جو مشرک تھا ایمان لاچکا تھا یعنی
اوس و خزرج لیکن یہود باقی تھے اسلیے سب سے پہلے سورہ بقرہ نازل ہوئی جسمیں یہود
کو خاص طور سے دعوت حق دیگئی۔ یہود مشرک تھے جاہل نہ تھے وہ توراۃ کے حامل
اور علم و حکمت سے واقف تھے اسلیے دیکھو کس انداز سے خطاب ہوتا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا	اے بنی اسرائیل یاد کرو نعمتیں
نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ	میری جو کیں ہمنے تم پر اور پورا کرو
وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ	عہد میرا پورا کروں میں عہد تمہارا اور
وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ وَاٰمِنُوْا	مجھسے ڈرو اور ایمان لاؤ جو اتارا ہمنے
بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا	تصدیق کرتا انکی جو تمہارے ساتھ ہے
اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ	اور نہو جاؤ پہلے پہل منکر اُس سے اور
ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ وَلَا تَلْبِسُوا	نہ خریدو میری آیتوں سے قیمت کم
الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ	اور مجھی سے بس ڈرو۔ اور قائم کرو
وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ	نماز اور دو زکوٰۃ اور رکوع کرو ساتھ
وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ	رکوع کرنیوالوں کے کیا حکم کرتے ہو
اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ	آدمیوں کو نیکی کا اور بھلاتے ہو اپنی

وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ ۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔ اور تم پڑھتے ہو کتاب کیا نہیں عقل سکتے ۔

خداوند یہواہ نے اجمالی طور پر ان نعمتوں کو جو بنی اسرائیل کو عطا ہوئی تھیں یاد دلایا کہ دل میں کچھ تو شرمندہ ہوں کہ وہ کیسی ناشکری کر رہے ہیں پھر وہ عہد یاد دلایا جو توریت مثنے باب ۱۸ ورس ۱۵-۱۸ میں کیا تھا۔ خدا حضرت موسےٰ سے یوں خطاب فرماتا ہے۔

"میں ان میں ایک رسول انھیں کے بھائیوں میں سے اُٹھاؤنگا جو مثل تیرے ہوگا اور جسکے منہ میں میں اپنا کلام رکھونگا اور جو کچھ میں اُسے حکم دونگا وہ انھیں پہونچائے گا"

بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسمعیل میں سے محمد رسول اللہ فراعنہ قریش کے پنجہ سے مہاجرین کو نکالکر مدینہ میں تشریف لائے اور وہ کلام سُنایا جو کبھی کوہ طور پر سنایا گیا تھا۔ سورۂ مزمل جو قدیم مکی سورت ہے اور جو ہجرت سے بہت پیشتر نازل ہو چکی تھی اُس میں صاف کہدیا گیا تھا انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا۔ اس دعوے کی تصدیق یہود مدینہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھی اب اُن کو چاہیئے تھا کہ جس نبی موعود کی تشریف آوری کے وہ منتظر تھے اور اوس و خزرج کے مقابلہ میں جسکو پیش کرتے تھے اُس پر بے تامل ایمان لاتے مگر اُنھوں نے جان بوجھ کر ناشکری کی اور باوجودیکہ وہ توریت پڑھتے تھے مگر "خود را فضیحت دیگراں را نصیحت" کے مصداق ہوگئے۔ پھر معاملہ کی اہمیت کے لحاظ سے مکرر ان نعمتوں کو تفصیل کے ساتھ

یاد دلایا تاکہ وہ اپنی گزشتہ تاریخ سے عبرت حاصل کرلیں اور راہ راست پر آئیں۔

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اذْكُرُوْا	اے بنی اسرائیل یاد کرو نعمتیں میری
نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ	جو کیں ہم نے تم پر اور تحقیق میں نے
فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ	فضیلت دی تم کو جہاں والوں پر۔

دعوت حق کے اس بلیغ پیرایہ سے متاثر ہونے کے بجائے یہود مدینہ استہزا اور جحود پر آمادہ ہو گئے صرف عبداللہ ابن سلام انکے دو بھتیجے اور چار یہودی اسد و اُسید کعب کے بیٹے۔ ثعلبہ ابن قیس اور یٰسین ابن یامین کل سات آدمی ایمان لائے انکے سوا اور کوئی مسلمان نہوا اتنا ہی نہیں بلکہ انھوں نے فتنہ پردازی تفرقہ اندازی اور تہمت تراشی میں وہ طریقے اختیار کیے جو جاہل قریش کے ظلم و ستم مقابلہ میں کہیں زیادہ خطرناک تباہ کن اور اذیت رساں تھے۔

مورخ گرائنز کہتا ہے کہ:۔

"یہود اپنے پیغمبروں کی شان اس سے کہیں ارفع اور اعلیٰ سمجھتے تھے کہ ایک جوشیلا واعظ بھی جو ہر حسین عورت کا متمنی تھا انکے زمرہ میں شامل کر لیا جاتا۔"

توریت میں پیغمبروں کی شان

اچھا اب توریت میں جو شان ان قدیم پیغمبروں کی مذکور ہے وہ ملاحظہ ہو۔

صموئیل دوم باب اا درس ۲۔۱۳ میں لکھا ہے کہ ایک شام کو داؤد اپنے شاہی بالاخانہ پر ٹہل رہے تھے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک حسین عورت جسکا حسن لفظوں میں کھپا جا تا ہے، غسل کر رہی ہے دریافت سے معلوم ہوا کہ وہ بت شبع زوجۂ اوریا ہے۔ آپنے اُس کو

بلوا بھیجا وہ غسل حیض سے پاک ہو چکی تھی داؤد اُس سے ہمبستر ہوئے جسکے بعد وہ گھر چلی گئی۔ عورت کو حمل رہ گیا اُسنے داؤد کو خبر کی۔ اب داؤد نے اپنے ایک فوجی افسر یواب کو لکھا کہ اوریا کو میدان جنگ سے واپس بھیج دے۔ وہ حاضر ہوا داؤد نے اُس سے جنگ کے حالات دریافت کیے پھر کہا اپنے گھر جا کر آرام کر وہ گھر پہونچا۔ بادشاہ نے اُسکے لئے توشہ بھیجا۔ اوریا اپنے گھر کے باہر شاہی ملازمین کے ساتھ شب کو سویا۔ صبح کو جب داؤد کو خبر ہوئی اوریا کو بلایا اور کہنے لگے تو سفر سے آیا اپنے گھر میں کیوں نہ سویا تب اُسنے جواب دیا اے بادشاہ تابوت سکینہ اور بنی اسرائیل خیموں میں پڑے ہیں میرا سردار یواب جان نثاران شاہی کھلے میدانوں میں بسر کر رہے ہیں میں کس دل سے گھر میں جاؤں کھاؤں پیوں اور اپنی بی بی کے ساتھ عیش کروں۔ اے بادشاہ تیری جان کی قسم مجھسے تو یہ نہیں ہو سکتا تب داؤد نے کہا اچھا آج اور ٹھہر کل جانا۔ اوریا نے حکم کی تعمیل کی پھر داؤد نے اپنے سامنے اسکو کھلایا پلایا اور شراب پلا کر مست کر دیا۔ مگر شب کو جب وہ سونے چلا تو پھر ملازمین شاہی کے ساتھ باہر سویا اور اندر نہ گیا تب صبح کو داؤد نے ایک خط سردار فوج یواب کے نام لکھا اور اوریا کو قاصد بنا کو بھیجا خط میں لکھا تھا کہ اوریا کو جہاں تنور جنگ خوب گرم ہو بھیجدے اور آپ ہٹ آئے۔ سردار نے ایسا ہی کیا اور محاصرہ کرنیوالے جانبازوں کی صف میں اوریا کو بھیجدیا جہاں اُن بہادروں کے ساتھ اوریا نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ جب یہ خبر بیت المقدس پہونچی زوجۂ اوریا سوگ میں بیٹھی اور عدت ختم ہونیکے بعد داؤد نے اسکو اپنے محل میں داخل کر لیا۔

ہم نے تھرّاتے ہوئے دل اور کانپتے ہوئے قلم سے مجبوراً یہ قصہ[۵۱] توریت سے ترجمہ کیا ہے۔ اب ایک دوسرے پیغمبر کی شان ملاحظہ ہو۔

"۱ سلاطین باب ۱۱ آیات ۳-۸ میں لکھا ہے کہ سلیمان کی سات سو بیگمات تھیں اور تین سو لونڈیاں۔ جب آپ بوڑھے ہوئے اِن عورتوں نے آپکا دل دوسرے معبودوں کی طرف پھیر دیا آپ نے بیت المقدس کی پہاڑی کے سامنے شمس کا بتخانہ بنوایا اور اسیطرح اپنے بیگانہ قوموں سے لائی ہوئی بیگمات کی خاطر صنمخانے بنوائے جہاں قربانیاں ہوتی تھیں اور خوشبو جلتی تھی۔ اور خداوند یہواہ سلیمان سے ناراض ہوا کیونکہ اُسکا دل خداوند کیجانب سے پھر گیا تھا، حالانکہ دو مرتبہ خداوند اُسکو نظر آیا تھا اور حکم دیا تھا کہ خبردار دیوتاؤں کی پوجا نہ کرنا مگر سلیمان نے عدول حکمی کی[۵۲]"

اللہ اکبر یہود کیوں نہ ذلیل و خوار ہوں کہ ان خاصان خدا کی نسبت جو حامی توحید اور اخلاق حسنہ کی مجسم تصویر تھے، ایسی لغو اور شرمناک روایات اس کتاب میں نقل کیں جسے کلام الٰہی یقین کرتے ہیں اور پھر یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ یہود مدینہ اپنے قدیم پیغمبروں کی شان ارفع و اعلیٰ سمجھتے تھے اسلئے آنحضرت کو ہوا و ہوس کا شیفتہ پاکر اور اُس بلند معیار سے گرا ہوا سمجھکر ایمان نہ لائے۔ کاش مخالفین کچھ تو اصل واقعہ پر غور کرتے

اصل یہ ہے کہ "خوئے بد را بہانہ بسیار" یہود نے اپنے اُن بزرگ پیغمبروں کے ساتھ جو خاص فلسطین میں پیدا ہوئے اور خالص یہودی تھے کیا برتاؤ کیا جو نبی عربی

---

۵۱ اس قصہ کی تردید ہم نے اپنی کتاب صحف سماوی صفحہ ۲۶-۳۰ میں درج کی ہے ۵۲ اس الزام کی تردید کے لئے بھی دیکھو صحف سماوی صفحہ ۲۰ - ۲۱

کے ساتھ جو اسمٰعیلی تھے کرتے۔ کیا حضرت موسیٰ پر الزام نہیں لگائے گئے۔ کیا حضرت یحییٰ کا سر اسلیے کہ آپنے یہودی حاکم کو فحش اور زنا سے منع کیا کاٹا نہیں گیا۔ کیا حضرت مسیح کو جور و خیانت کی خالص تعلیم دیتے تھے یہود نے دار پر نہیں چڑھایا۔ پھر اگر آنحضرت کو مطعون کیا تو کیا تعجب ہے۔ آپ قرآن کے ذریعے سے جو تعلیم فرماتے تھے وہ تورات کی اصلی ہدایات کی مصدق تھی۔ مگر اُسکے ساتھ ربیین اور احبار کی خود ساختہ شریعت کی قلعی کھولنے والی تھی اسلیے یہ گروہ آپ کا دشمن ہو گیا۔ آپ کو نہ یہودیت کی رسم پرستی سے کچھ ہمدردی تھی نہ نصرانیت کی بیراہ روی کیطرف کچھ خیال تھا آپ اُس دین کا رستہ دکھاتے تھے جس پر حضرات ابراہیمؑ، موسیٰؑ، داؤدؑ، عیسیٰؑ تمام پیغمبران ماسبق کے نقشِ قدم نظر آتے تھے۔ خدائے واحد پر ایمان، آخرت کا یقین اور اعمال صالحہ کی بجا آوری بس یہی آپ کی تعلیمات کا لب لباب تھا۔ تعلیمات نبوی کا لب لباب

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ	بیشک جو ایمان لائے اور جو یہودی
هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ	ہوئے اور نصاریٰ اور صابی جو کوئی
مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ	ایمان لایا اللہ پر اور آخرت پر اور نیکی کی
وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ	پس واسطے انکے مزدوری ہے اُنکی انکے
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ	ربکے پاس اور نہ خوف ہے اُن کو اور
وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (سورۂ بقرہ)	نہ وہ رنجیدہ ہوں۔

مگر یہود جنکی ظاہر پرستی اور قساوت نے آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تھا اسلام کی بیخ کنی کے درپے ہو گئے

اور جیسا کہ مورخ گرائٹز کا قول ہم نے اوپر نقل کیا صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہود نے مسلمانوں کے بہکانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ انکے مشاہیر علماء اور شعراکی یہ کوشش تھی کہ جاہل عرب آپ سے متنفر ہو جائیں۔ اوس وخزرج ابتک ایک دوسرے کے دشمن تھے اب اسلام کی برکت سے شیر وشکر ہو گئے۔ مگر یہود اس اتفاق کو دیکھ نہیں سکتے تھے اور چاہتے تھے کہ قتل وخون کا بازار پھر گرم ہو جائے۔ ہجرت کے بعد ہی ایکمرتبہ اوس وخزرج کے ایک جلسہ میں چند یہودی پہونچ گئے اور جنگ بعاث کا تذکرہ اس انداز سے شروع کیا کہ دونوں قبیلوں کو پچھلے واقعات یاد آگئے۔ دفعتہً زبانیں کھلیں تیوریاں چڑھیں پھر تلواریں کھینچ گئیں آنحضرت کو خبر ہوئی فوراً موقع پر تشریف لائے اور پند ونصیحت سے دونوں کو ٹھنڈا کیا۔[۵۱]

اسلام سے تنفر پھیلانے کیلیے یہود نے ایک اور کارروائی کی۔ ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ بنی قینقاع کے چند احبار سعد بن حنیف اور زید بن اللصیت وغیرہ ظاہر میں مسلمان ہوکر مسجد نبوی میں آتے تھے اور پھر طرح طرح کے شبہات پیدا کرکے دوسروں کو حق کی راہ سے باز رکھتے تھے اکثر یہود چند روز کیلیے مسلمان ہو جاتے پھر بیزاری ظاہر کرتے تاکہ لوگ سمجھیں اسلام ہی میں کچھ خرابی ہے۔[۵۲] غرضکہ یہود مدینہ کی ان کارروائیون سے ایک ہی سال کے اندر ضیق عافیت ہو گئی۔ عبداللہ ابن ابی خزرجی جسے آنحضرت کی تشریف آوری کے قبل مدینہ کی حکومت ملنے والی تھی اور جو یہود بنی نضیر کا حلیف بھی تھا مخالف

---

۵۱ سورۂ آل عمران یاایھا الذین آمنوا ان تطیعوا فریقا۔۔۔۔ الآیہ

۵۲ ابن ہشام جو بعسم صفحہ ۱۱۰

ہو کر گروہ منافقین کا سردار بن گیا اور اسلام کو خطرات نے اندر اور باہر گھیر لیا قریش اگر برہنہ شمشیر تھے تو یہود میٹھی چھری پھر منافقین مار آستین اور بھی غضب ہو گئے

مظلومی کی داد رسی — مہاجرین بجست دین میں اگرچہ اپنے عزیز وطن مکہ کو چھوڑ اور مال و دولت سب سے منہ موڑ کر مدینہ میں مقیم ہوئے مگر یہاں بھی آرام سے بیٹھنے نہ پائے۔ اول تو مدینہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی۔ طبری حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ جب مدینہ آئے تو وہاں کے پھل ہمارے مزاج کے ناموافق تھے اسلئے لوگ بیمار ہونے لگے اکثر مہاجرین تپ شدید میں مبتلا ہو کر تڑپتے تھے اور ان قریشیوں کو کوستے تھے جنھوں نے انکو محض اسلئے کہ یہ خدائے واحد کی پرستش کرتے تھے گھر سے بے گھر کیا تھا۔ انصار اگرچہ دینی اخوت کی بے نظیر عملی مثال پیش کر کے اپنے مہاجرین بھائیوں کی ہر وقت دلجوئی کرتے تھے اور اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح انکا دل تھوڑا نہ ہو سچ ہے ؎

خیال خاطر احباب چاہیئے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

مگر مہاجرین میں اکثر ایسے تھے جو مکہ میں اپنے گھر کے بادشاہ صاحب دولت و جاہ تھے مسافر انکے گھر اترتے تھے اور یہ خوشی خوشی مہمان نوازی میں مشغول ہوتے تھے لیکن اب وہ اپنے انصاری بھائیوں کے در پر پڑے تھے غیرت تقاضا نہیں کرتی تھی کہ انکے باعث انکے جاں نثار بھائیوں پر بار پڑے۔ بخاری کتاب المناقب میں روایت

ؐ ابن ہشام صفحہ ۱۰۱ جلد دوم

کرتے ہیں کہ سعد ابن ربیع عبدالرحمن ابن عوف سے کہنے لگے بھائی میں انصاریوں میں بہت مالدار ہوں۔ لو میرا آدھا مال حاضر ہے تم اسپر قبضہ کرو اور میری دو بیبیاں بھی ہیں تم کو جو پسند آئے مجھسے کہو میں اسکو طلاق دیدوں تم بعد عدت اس سے نکاح کر لینا یہ سنکر عبدالرحمن بولے خدا تمہارے مال اور اہل میں برکت عطا فرمائے مجھے تو بازار کا رستہ بتادو۔ سعد متاثر ہو کر چپ ہو گئے اور بازار بنی قینقاع کا راستہ بتایا۔ عبدالرحمن پنیر پنیر رکھکر بیچنے لگے۔ خدا نے انکی تجارت میں برکت عطا کی یہانتک کہ انھوں نے بہت جلد نفع کما کر شادی کر لی۔

انصار کا ایثار

غرضکہ مہاجرین اگر ایسے غیور تھے تو انصار بھی ایثار مجسم تھے۔ انکی دولت انکے نخلستان تھے جنکو انھوں نے نہایت فراخ حوصلگی سے آنحضرت کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ انکو ہمارے مہاجرین بھائیوں پر تقسیم فرما دیجئے۔ مگر چونکہ مہاجرین فن زراعت سے واقف نہ تھے کیونکہ مکہ میں وہ تجارت پر بسر کرتے تھے۔ اسلئے آنحضرت نے انصار سے فرمایا ایسا نہ کرو لیکن انھوں نے التجا کی کہ ہم زراعت کا کام خود کر لینگے مگر پیداوار میں انکو نصف حصہ دیجئے۔ آنحضرت کو قبول کرنا پڑا پھر مہاجرین بھی جو کچھ آبپاشی وغیرہ کاموں میں مدد دے سکتے تھے حاضر ہو گئے۔ ایکمرتبہ ایک شام کو ایک فاقہ زدہ شخص آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے گھر میں دریافت فرمایا کہ کچھ کھانے کو ہے تو یہ جواب آیا افسوس بجز پانی کے اور کچھ موجود نہیں ہے آپ نے حاضرین سے فرمایا کوئی ہے جو آج اسکو اپنا مہمان بنائے۔ ابوطلحہ انصاری اٹھے

اور مہمان کو ساتھ لے کر گھر پہونچے مگر بیوی سے معلوم ہوا کہ صرف بچوں کیلیے کچھ کھانا رکھا ہے انھوں نے کہا خیر چراغ گل کردو اور جو کچھ ہو لاؤ۔ پھر مہمان کو ساتھ لے کر میاں بیوی بیٹھے اور اندھیرے میں اسطرح ہاتھ چلاتے رہے گویا کھا رہے ہیں ،اس طور سے مہمان کو کھلا کر خود بھوکے سو رہے انھیں کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ — اور ایثار کرتے ہیں اپنے نفسوں

وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ — پر اگرچہ ساتھ ہو انکے فقر و فاقہ

مدینہ میں اسطور سے اسلام کی نشو و نما ہو رہی تھی مگر معاندین قریش اسکو برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ آنحضرت اور آپکے تبعین وطن سے دور ہو کر کہیں بھی چین سے بیٹھنے پائیں اتنا ہی نہیں بلکہ کعبہ کی زیارت سے جو ہر عرب کو سال کے چار مہینوں میں جبکہ لڑائی حرام ہو جاتی تھی بے روک ٹوک نصیب ہوتی تھی نہ صرف مہاجرین کو روکا بلکہ اُنکے حامیوں یعنی انصار کو بھی روکنے لگے۔

ابوجہل اور حضرت سعد ابن معاذ کی گفتگو

بخاری نے کتاب المغازی میں ابوجہل اور حضرت سعد ابن معاذ کی ایک گفتگو کا ذکر کیا ہے جسکو ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

عن سعد بن معاذ انه كان — سعد ابن معاذ سے روایت ہے کہ وہ

صديقا لامية بن خلف وكان — اُمیہ بن خلف کے دوست تھے اور اُمیہ

امية اذا مر بالمدينة نزل على سعد وكان — جب مدینہ آتا تو سعد کے یہاں ٹھہرتا اور سعد

سعد اذا مر بمكة نزل على امية فلما — مکہ میں اُمیہ کے گھر ٹھہرتے۔ پس جب رسول اللہ

قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم	مدینہ تشریف لائے تو سعد عمرہ کیلیے
المدينة انطلق سعد معتمرا فنزل	چلے اور مکہ میں اُمیّہ کے یہاں ٹھہرے اور
على أمية بمكة فقال لأمية انظر	اُمیّہ سے کہا کہ وقت خلوت دیکھتے رہنا
لي ساعة خلوة لعلي أن أطوف	تاکہ میں کعبہ کا طواف کروں قریب
بالبيت فخرج به قريبا من نصف	دوپہر بعد نکلے۔ دونوں کو ابوجہل ملا اور
النهار فلقيهما أبو جهل فقال يا أبا صفوان	کہنے لگا اے ابا صفوان یہ تمہارے ساتھ
من هذا معك فقال هذا سعد فقال له أبو جهل	کون ہے جواب دیا یہ سعد ہے پس ابوجہل
ألا أراك تطوف بمكة آمنا وقد آويتم الصباة	کہنے لگا میں تجھے امن کے ساتھ طواف
وزعمتم أنكم تنصرونهم وتعينونهم	مکہ کرتے دیکھتا ہوں حالانکہ تم نے صابوں
أما والله لولا أنك مع أبي	(مسلمانوں) کو پناہ دی اور مدد کر رہے
صفوان ما رجعت إلى أهلك	ہو، بخدا اگر تم ابی صفوان کے ساتھ نہ ہوتے
سالما فقال له سعد ورفع	تو سلامت گھر واپس نہ جاتے۔ یہ سنکر
صوته عليه أما والله	سعد نے چلا کر کہا بخدا اگر تو مجھے طواف
لئن منعتني هذا لأمنعنك	سے منع کریگا تو میں تجھے اس سے سخت
ما هو أشد عليك منه طريقك	بات سے روک دونگا یعنی مدینہ سے
على المدينة	تجارت کا راستہ۔

اس گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش کی عداوت کس حد کو پہنچ گئی تھی۔ خانہ کعبہ

جو عرب کا قومی معبد تھا اور حج وغیرہ کیلئے قریش کے موافق اور مخالف سب کے لیے یکساں کھلا رہتا تھا متبعین اسلام کیلئے بند کر دیا جائے۔ پھر قریش کی تجارت شام کا جو راستہ مدینہ کی طرف سے تھا اور جس پر سرداران مدینہ بلاسہیم و شریک قابض تھے کیوں کھلا رہتا۔ اوس وخزرج قریش کے دست نگر نہ تھے۔ حضرت سعد قبیلہ اوس کے مقتدر رئیس تھے۔ وہ ابوجہل کی دھمکی سے ڈرنے والے نہ تھے انھوں نے بھی اُس کو ایسی ڈانٹ بتائی کہ ابوجہل کی دور بین نظر فوراً اُتار گئی اور وہ چپ ہو گیا مگر اُسکا جوش انتقام روز بروز بڑھتا ہی جاتا۔ تھا مدینہ کے حالات زائرین کے ذریعہ سے قریش کو معلوم ہوتے رہتے تھے۔ یہود اور منافقین کی کارروائیاں اُنکے لیے نہایت ہمت افزا تھیں۔ ابوجہل نے ایک خط عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین کو لکھا کہ "ہمارے آدمیوں کو اپنے شہر سے نکال دو ورنہ ہم تم پر حملہ آور ہونگے"[۵۱]۔ یہ خط سنن ابوداؤد میں مذکور ہے اگرچہ مورخین نے اسکو بیان نہیں کیا اور نہ مذکورۂ بالا بخاری کی روایت کو حالانکہ یہ احادیث مورخین کے بیانات کے مقابلہ میں کہیں زیادہ صحیح طریقہ سے مذکور ہیں۔ قطع نظر اسکے درایتاً بھی یہ روایات صحیح معلوم ہوتی ہیں۔ قریش جنھوں نے حبشہ میں مہاجرین کو نکلوا دینے کیلئے سفارت بھیجی اور جسکا ذکر مورخین بالاتفاق کرتے ہیں کیا اب مدینہ میں مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے دیتے ابوجہل ایسا دشمن کا پکا دشمن دین کیا خاموش رہ سکتا تھا۔

اذن قتال الغرض جب یہ نوبت پہونچ گئی تب اُس خدا نے جسنے حضرت موسےٰ کو جب وہ

---

۵۱ تفصیل کے لیے دیکھو سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۲۲۳

بنی اسرائیل کو مصر سے لیکر نکلے دشمنوں سے جنگ کرنے اور ارض موعود پر قبضہ کرنے کا حکم دیا۔ اس خدا نے جسنے ہر مذہب میں (جیسا کہ ہم آگے بیان کرینگے) تحفظ دین کیلیے ظالموں سے مقابلہ کرنے اور شر کے دفع کرنے کی اجازت دی ہے۔ اُس خدا نے جو اس پُر فتن دنیا میں صفت رحم و عفو کے ساتھ جبار و قہار بھی ہے آنحضرت کو صفر سنہ ۲ھ میں اس طور سے حکم دیا:۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ	اجازت دی گئی انکو جن سے لڑ
بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا	رہے ہیں اسلیے کہ ان پر ظلم کیا گیا۔

زہری کا قول ہے کہ یہ سب سے پہلی آیت ہے جس میں قتال کی اجازت دی گئی کفار قریش جب جور و ستم لڑائی پر اُتر آئے تو مظلوم خانہ بربادوں کو مدافعت شر کیلیے اجازت دیجاتی ہے پھر یہ سمجھا یا جاتا ہے کہ غائت جنگ صرف مذہبی آزادی کا حاصل کرنا ہے اور باطل کے مقابلہ میں حق کی اعانت اور حمایت کرنا ہے۔

قبل اسکے کہ ہم غزوات کا ذکر شروع کریں مسئلہ جنگ کو جس حیثیت سے کہ وہ مختلف مذاہب میں مذکور ہے مجملاً بیان کرتے ہیں۔

مذاہب عالم اور جنگ انسان کے ظاہری اعضا کی ساخت اور قوت غضبی کا وجود جس سے وہ جلب منفعت اور دفع شر کرتا ہے اس امر کے شاہد ہیں کہ افراد اور قبائل اور پھر

ملہ اس قول کو قسطلانی نے مواہب لدنیہ جلد اول صفحہ ۲۶۶ ھ نقل کیا ہے بعضوں نے اس آیت کا نزول قبل ہجرت بیان کیا ہے لیکن ابن قیم نے زاد المعاد میں اسکو بدلائل غلط ثابت کیا ہے اور وقتی سیاق آیت خود شاہد ہے کہ اسکا نزول بعد ہجرت ہوا (دیکھو زاد المعاد جلد اول صفحہ ۳۱۳)

رفتہ رفتہ اقوام میں جنگ کا سلسلہ اُسوقت سے شروع ہوا ہے جب سے وہ اس دنیا میں جہاں تنازع للبقا کا خونخوار تماشا نظر آتا ہے آباد ہے۔ زن۔ زمین اور زر ان تین چیزوں کی ہوس نے اس کرہ خاک میں وہ قیامت برپا کی ہے جسکے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اگر دیار مصر کے اہرام کو جو فراعنہ کے جاہ وجلال کی یادگار ہیں کشتوں کا پشتہ کہا جاتا ہے تو فرات و دجلہ کو خون کی ندیاں کہنا چاہیئے جو بابل در سیریا کے خوفناک تصادم سے رنگین ہوئیں۔ اگر سرزمین ہند آریوں کے ہاتھوں ایک قربان گاہ سمجھی جا جہاں غیر آریوں کے لاشہائے نے سر تڑپتے تھے تو ملک عجم کو آتش سوزاں کہنا چاہیئے جسنے ایرانیوں اور تورانیوں کی خرمن ہستی کو خاک سیاہ کر دیا۔ اگر تختہ یونان کو آفت رسیدگاں کہا جائے جسکی ایک مرغوامہ حسینہ نے ٹرائے اور اُسکے دلیروں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور جسکے ایک نوعمر فرزند نے فرکیانی کو خاک میں ملا کر مشرق سے مغرب تک ہلا دیا تو دولت روما کو خونخوار بھیڑیا سمجھنا چاہیئے جسنے یورپ ایشیا اور افریقہ کے کالے اور گوروں کے تکّے بوٹی کر ڈالے تھے۔ اگر کارتھج کو زندہ نگل گیا تو اسرائیلی گلوں کو چیر پھاڑ ڈالا اگر بہادران یونان کا خون پی گیا تو پہلوانان عجم کو جب تیغ ملا زخمی کر دیا۔

تاریخ کے صفحات اگرچہ ان خونی واقعات سے رنگین ہیں لیکن مشہور بانیان مذہب ہادیان ملت اور حکما نے اپنی تعلیمات سے بہت کچھ اس خطرناک مسئلہ کی آگ ٹھنڈی کر دی ہے جسکی تفصیل یہ ہے

حملہ ہند — قدیم آریوں کی جنگ جوئی اگرچہ زبان زد خاص وعام ہے اور چار فقروں میں

چھتریوں کا تو یہ دھرم ہی تھا کہ ماریں اور مریں لیکن دیکھو مہا بھارت کی ہولناک جنگ میں سری کرشن کس طور سے ارجن کو فلسفۂ جنگ سمجھاتے ہیں ۔

"نیکوں کی حفاظت بدوں کو غارت کرنے اور دھرم کو قائم کرنے کیلیے میں ہر جگ میں جنم لیتا ہوں ۔ (بھگوت گیتا ترجمہ بازنٹ جلد چہارم صفحہ ۸)

کرشن نے یہاں وشنو کے دس اوتاروں کی طرف اشارہ کیا ہے جو اس دنیا میں مختلف شکلوں میں آئے ۔ اسیطرح گوتم بدھ نے اپنی اخلاقی اور فلسفیانہ تعلیم سے آتش جنگ کو سرد کرنے کی کوشش کی ایک موقع پر جبکہ دو راجہ اپنی فوجیں لئے ہوئے لڑ رہے ہیں ایک نیکم دیوں خطاب کر کے صلح کراتا ہے ۔

" اگر تم بدھ کی تعظیم کرتے ہو تو اسکے صبر و تحمل کی پیروی کرو ۔ اگر تم نے دشمن کو بزور شمشیر شکست دی تو اسکی عداوت اور بڑھ جائیگی اسلیے آشتی اور نرمی سے اس پر فتح حاصل کرو تاکہ تم کو پھر صدمہ نہ پہونچے "۱

ہنود کا مشہور مقنن منو جنگ کی حالت میں دیکھو کس طور سے چند امور کے لحاظ رکھنے کا حکم دیتا ہے ۔

" حصول منفعت کے لیے راجہ فوجکشی کر سکتا ہے ۔ اُسکو چاہئے کہ بگلے کی طرح منصوبہ باندھے ، شیر کیطرح اپنی طاقت دکھائے ۔ بھیڑیے کیطرح شکار پر جھپٹے اور خرگوش کی طرح پس پائی کے وقت عمل کرے ۔ لیکن اُسکو یہ بھی چاہئے کہ حیانہ

---

۱ سلسلہ کتب مقدسہ مشرق ۔ حیات بدھ جلد ۱۹ صفحہ ۳۲۰

اور شریفانہ طور پر جنگ کرے۔ وہ ایسے ہتیاروں سے حملہ نہ کرے جو چھپے ہوے ہوں یا زہرآلود ہوں یا جنکے سرے شعلہ زن ہوں۔ اگر دشمن بھاگ کر پناہ مانگے تو اُسکو نہ مارے اسیطرح ہجڑے کو قتل نہ کرے اور نہ ایسے شخص کو جو ہاتھ جوڑے کھڑا ہو یا اس طرح بھاگ رہا ہو کہ ہوا میں اُسکے بال اُڑتے ہوں اگر دشمن کا ہتیار ٹوٹ جائے تو حملہ سے ہاتھ روکے اسیطرح اُس شخص پر ہاتھ نہ اُٹھائے جو زخموں سے چور چور ہوگیا ہو۔ (سلسلہ کتب مقدسہ مشرق قانون منو صفحہ ۲۳۱)

حکمائے یونان — حکمائے یونان نے مسئلہ جنگ کو علم النفس کی روشنی میں دکھایا اور یوں سمجھایا کہ انسان میں جبلی قوت غضبی جب حد اعتدال کو پہونچے تب فضیلت شجاعت حاصل ہوتی ہے ورنہ حد افراط یعنی تہور اور حد تفریط یعنی جبن دونوں مذموم ہیں یہی حال تمام صفات حسنہ کا ہے اسلیے عدالت جامع فضائل ہے اور یہی معیار شرف ہے افلاطون اپنی کتاب قوانین میں کہتا ہے کہ حاکم عادل کا فرض اولیں یہ ہے کہ ملک وملت کو صلح وآشتی سے آباد کرے اور صرف ضرورت کے وقت جنگ میں مصروف ہو لیکن جب سابقہ وحشی اقوام سے پڑے تو عدالت کے قوانین پر عمل دشوار ہوجاتا ہے۔ ارسطو اپنی کتاب سیاست مدن میں کہتا ہے کہ حفاظت ملت بہی فرض ہے۔ افزائش ملت جنگ کے ذریعہ سے روا ہے بشرطیکہ جائز طریقہ سے ہو۔ ایسی اقوام جنکی جبلت میں محکومی ہے اُن پر استیلا حاصل کرنا روا ہے تاکہ امن وامان قائم رہے ارسطو کا یہ آخرالذکر قول جو اسکندر کے حرص فتوحات کیلیے ایک شاہد تھا دولت روما اور بعد کو اُسکے جانشینوں یعنی

موجودہ یورپین سلطنتوں کی ہوس ملک گیری اور اقوام عالم کو اپنا محکوم بنانے کے لیے ایک بہانہ ہوگیا ہے جسکے نتائج نہایت خوفناک ثابت ہوئے۔ دولت روم اس مسئلہ میں یونان کی شاگرد تھی بسنسر وجوانکا بہترین شارح تعلیمات حکماء ہے کہتا ہے

"یہ خیال کہ صلح کو جنگ کیلیے مستعد ہونے کے واسطے استعمال کرنا چاہیے رو نہیں ہے صلح مطمح نظر ہے اور جنگ کو صرف ایک ذریعہ اسکے حصول کا سمجھنا چاہیے۔ مناقشات دور کرنے کے لیے جنگ ایک وحشیانہ اور غیر عاقلانہ طریقہ ہے ناجائز لڑائیاں وہ ہیں جو طمع کی وجہ سے غیروں کے مقبوضات حاصل کرنے کیلیے چھیڑی جائیں۔ جائز لڑائیاں وہ ہیں جو تحفظ ملت کے واسطے ہوں اور جن سے شروع کیا جائے۔ تاوان حاصل کیا جائے سزا دیجائے یا جن قوموں سے قدرتی تعلقات ہیں یا معاہدہ ہے انکی اعانت کیلیے جنگ کیجائے۔ اقتضائے عدالت یہ ہے کہ اعلان جنگ باقاعدہ مذہبی رسوم کے ساتھ ہو اور اسیطرح اسکا خاتمہ بھی ہو۔"

انبیائے بنی اسرائیل

حضرت موسٰے پر جو احکام عشرہ نازل ہوئے تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ قتل حرام ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ صرف خاص حالتوں میں لڑائی کی اجازت تھی توریت کتاب خروج میں لکھا ہے

"خداوند یہواہ فرماتا ہے بیگناہ اور نیکوں کو قتل مت کرنا کیونکہ میں بد کا طرفدار نہیں ہوں۔ پردیسی پر ظلم مت کرنا۔ اسرائیل تجکو معلوم ہے اسکے دل کی حالت ہوتی ہے کیونکہ تو خود بھی مصر میں غریب الدیار تھا۔"

" اور جب تم دشمنان دین سے لڑنے کو نکلو تو پہلے اُنھیں صلح کا پیام

دو اگر وہ مان جائیں تو اُنکو اپنا باجگذار بنالو لیکن اگر وہ انکار کریں تو تم محاصرہ کرو

اور فتح کے بعد مردوں کو قتل کر دو لیکن عورتوں اور بچوں پر ہاتھ نہ اُٹھاؤ اور جو کچھ

مال غنیمت ملے اُسکو اپنے صرف میں لاؤ۔ (توریت مثنی ۲۰/۱۰-۱۴)

بنی اسرائیل کو جن قوموں سے سابقہ پڑا تھا وہ بڑی خونخوار اور بیرحم تھیں اسرائیلی آبادیوں کو اُنھوں نے برباد کر دیا۔ اسیران جنگ کو بیدریغ قتل کیا۔ حاملہ عورتوں کے شکم چاک کر دیے صلح کر کے پھر دھوکا دیا اور قتل وخون کا بازار گرم کیا۔[۱۵] بنی اسرائیل نے بھی اسکے جواب میں ویسے ہی خونخوار اور وحشیانہ افعال کئے حالانکہ اُنکے پیغمبروں نے اُن کو منع کیا لیکن اونھوں نے اُنکی تعلیمات پر عمل نہ کیا اور خشک فقیہانہ بحثوں میں مبتلا ہو کر ایسے ظاہر پرست قسی القلب اور گمراہ ہو گئے کہ خود اپنے پیغمبروں اور ناصحوں کو قتل کرنے لگے۔ حضرت عیسیٰ کی مختصر زندگی تمام تر اسی کوشش میں صرف ہوئی کہ کسی طرح انکے پتھر کے دل موم ہوں اور روحانیت پیدا ہو۔ مشہور پہاڑی والی وعظ میں جو آپ کی تعلیمات کا مکمل سبد ہے دیکھو وہ پیغمبر برحق جو روح اللہ ہے کس دلکش طریقے سے روحانیت کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ وعظ انجیل متی باب ۵ لغایت ۷ میں مذکور ہے جسکا ملخص یہ ہے۔ حضرت عیسیٰ کی تعلیم

سب سے پہلے آپ عجز وانکسار، نرم دلی، رحم، تقوی، صفائے باطن، تحمل اور

۱۵؎ دوم ملوک ۳/۱۹-۲۵ ، اول ملوک ۱۲/۱۶ ، ریگ ۱/۹

علم کے فضائل بیان فرماتے ہیں پھر ارشاد ہوتا ہے:۔

"یہ مت سمجھنا کہ میں توریت اور تعلیمات انبیاء کو غارت کرنے آیا ہوں۔ میں صرف اُن کو پورا کرنے آیا ہوں" (متی ۵ء)

اس تمہید کے بعد آپ احکام عشرہ پر تبصرہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں ایک حکم یہ تھا کہ قتل مت کرنا اب میری بات سنو میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی اپنے بھائی پر غصہ کرے اور بُرا کہے وہ بھی گنہگار ہے اور اگر اُسکو یوں پکارے لے احمق تو بھی عذاب جہنم کا مستحق ہے۔

ایک حکم یہ تھا کہ آنکھ کے عوض آنکھ اور دانت کے عوض دانت لیکن اب میں تم سے کہتا ہوں کہ بُرائی کا بدلہ نہ لو اگر تمہارے گال پر کوئی طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اُسکے سامنے پیش کردو۔ اور اگر کوئی تیرے پیراہن پر دعویٰ کرے تو اُسکو اپنی ردا دیدے اور اگر کوئی ایک میل تک تجھے بیگار میں پکڑے تو دو میل تک اُسکے ساتھ چلا جا۔

ایک حکم یہ بھی تھا اپنے ہمسایہ سے محبت اور دشمن سے نفرت کرو اب میری بات سنو اپنے دشمنوں سے محبت کرو۔ جو تم پر لعنت کریں اُنکو برکت دو جو تم سے نفرت کریں اُنسے نیکی کرو اور جو تم کو آزار پہونچائیں اُنکے لیے دعا کرو تاکہ تم آسمانی باپ کے فرزند کہلاؤ دیکھو اسکا آفتاب نیکوں اور بدوں سب پر چمکتا ہے اور اُسکے بادل عادل اور ظالم سب پر برستے ہیں۔

روحانی تعلیم کے ان نازک پھولوں کو افسوس سیاہ دل یہود کے ناپاک ہاتھوں نے مسل ڈالا اور اس معصوم نبی اللہ کو نہایت بیدردی سے سولی پر چڑھا دیا۔

مسیحی دنیا کا ایک مغالطہ

چوتھی صدی عیسوی میں جب رومیوں کے بادشاہ قسطنطین نے دین مسیحی اختیار کیا اور نصاریٰ محکوم سے حاکم بنگئے تو پھر حضرت مسیح کی روحانی تعلیم پس پشت ڈال دی گئی۔ طمانچہ کھاکر دوسرا رخسار پیش کردینے کے عوض شمشیر آبدار کے جوہر دکھلائے گئے پیراہن لینے والے کو ردا کے عوض دار پر کھینچا گیا۔ دشمنوں سے محبت کرنے کے عوض اسدرجہ عداوت بڑھادی کہ دنیا نمونہ جہنم بن گئی۔ یورپ کی ڈیڑھ ہزار سال کی تاریخ اُٹھا کر دیکھو مسیحی فرقوں کی باہمی جنگ و جدال صلیبی لڑائیوں کا سلسلہ، اسپین کے ہولناک مظالم پھر دول یورپ کی اقصائے عالم پر جائز و ناجائز ہر طریقہ سے دست درازیاں یہ وہ خونی داستان ہے جس سے ہمارے بیان کی تصدیق ہوجائے گی لیکن ہمکو یہاں اس سے بحث نہیں ہے کہ مسیحی یورپ نے ایسا کیوں کیا اور ابتک ایسا کیوں کر رہا ہے ہم کو یہ دکھانا ہے کہ کس طرح روما کا خونخوار بھیڑیا مسیحی بھیڑ کی کھال اوڑھ کر ایک عالم کو فریب دے رہا ہے مذکورۂ بالا پہاڑی والے وعظ کے حوالہ سے مسیحی دُنیا نہایت بلند آہنگی سے یہ دعوی کرتی ہے کہ ایسی سراپا رحم و کرم تعلیم کسی مذہب میں نہیں، مسیح نے مذہب کے لیے نہ خود تلوار اُٹھائی اور نہ اُسکے اُٹھانیکی اجازت دی لیکن اُنکا یہ دعوی واقعات پر مبنی نہیں ہے۔ خود اسی پہاڑی والے وعظ میں جب حضرت مسیح نے تمہید میں پہلے یہ بیان کردیا کہ آپ احکام توریت کو غارت کرنے نہیں آئے بلکہ اُنکو پورا کرنے آئے ہیں تو جہاد کا حکم باقی رہا۔

ہاں یہود میں جس قسم کی ظاہر پرستی اور قساوت پیدا ہوگئی تھی اُنکی درستی کیطرف آپ نے اپنی اِس پاکیزہ تعلیم سے توجہ کی۔ یہ صرف ہماری تشریح نہیں ہے بلکہ ذیل میں ہم مشہور مسیحی پیشوایان دین کے اقوال ترجمہ کرکے درج کرتے ہیں۔

مسیحی پیشوایان دین کے اقوال

"مسیحی اصُولوں پر جنگ بعض اوقات جائز ہے جیسا کہ آگسٹائن کا فتویٰ ہے کہ اگر خدا کی حکم سے جنگ کیجائے یا ایک قوم دوسری قوم پر بلا وجہ لوٹنے کیلیے حملہ کرے تو یہ حملہ ایسا ہے جیسے قتل کرنا اور ڈاکہ ڈالنا اسلیے ایسی حالت میں بھی جنگ جائز ہے ...... آگسٹائن نے جو تحریر مرقلینوس کو بھیجی اسمیں بت پرستوں کا یہ اعتراض رفع کیا ہے کہ پہاڑی والے وعظ کی تعلیم جو عدم مقابلہ پر مبنی ہے وہ پبلک کے اصُول کے خلاف اور ملت کے حق میں مضر ہے حضرت مسیح کا یہ حکم کہ طمانچہ کھاکر دوسرا گال بھی پیش کردینا اسکو محض لفظی معنوں میں لینا نہ چاہئے کیونکہ اسکا مطلب صرف یہ ہے کہ ظالم کے مقابلہ میں بالقوہ صابرانہ فراخدلی کی خو ڈالی جائے نہ یہ کہ بالفعل بھی ایسا ہی کرتا ہے کیونکہ خود جناب مسیح نے ظالم کے مقابلہ میں اپنی آواز بلند کی ہے (دیکھو یوحنا ۱۸ ۲۲ اور اعمال ۲۳ ۳)

ہم کو ہمیشہ نرمی کی روح سے متاثر رہنا چاہئے اور بدی کے عوض نیکی کرنا چاہیے لیکن بہت سے ایسے امور بھی ہیں کہ جن میں ہم کو صرف ہمارے ترحمانہ توجہ کا خیال نہ کرنا چاہیے بلکہ دوسروں کے اصلی مفاد کا لحاظ چاہئے جو اگرچہ ہمارے نرم جذبات کے خلاف ہوں لیکن وہ مقتضی اسکے ہیں کہ کسیقدر مشفقانہ درشتی سے عمل کیا جائے اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ صلح کی غائت کیلیے جنگ صرف ایک ذریعہ ہے۔ بہتر اور عمدہ بات یہ ہے

کہ بجائے جنگ کے صلح کو آشتی کے ذریعے سے حاصل کرنا چاہئے۔

طامس اکوئناس نے جس طور سے رفع اعتراض کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح کے اِس ارشاد میں کہ جو کوئی تلوار اُٹھائیگا تلوار سے غارت ہوگا۔ تلوار اُٹھانیکے معنی ناجائز طور پر اُٹھانا ہیں اور اِس ارشاد سے عوام کو بلا حکم شرع تلوار اُٹھانیکی ممانعت ہے۔ متی ۵ میں اگرچہ لکھا ہے کہ بُرائی کا مقابلہ نہ کرو اور بدلہ نہ لو لیکن اِن احکام کی تعمیل نرم خوئی کے اکتساب سے حاصل ہوتی ہے اور اسکی ضرورت نہیں ہے کہ ہم بدی کو بغیر سزا دیے ہوئے رائج رہنے دیں اور ہماری وجہ سے یہ بلا دور نہونے پائے۔ صلح کرنے والوں کو برکت اور جنگ کرنے والوں کو بددعا اگرچہ دی گئی ہے لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی صلح کی غائت حاصل کرنے کیلیے صرف جنگ ہی سب سے بہتر اور واحد ذریعہ رہ جاتی ہے۔

لوتھر نے مسیحی سپاہی کی حمایت زور شور سے کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ انجیل میں قدرتی حقوق اور فرائض تسلیم کئے گئے ہیں۔ کالون کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگ عدالت کی عاملانہ کارروائی ہے جسے خدا نے مجسٹریٹ کے سپرد کیا ہے اور اخلاقی حیثیت سے جس طرح پولیس کی ضرورت ہے کہ باشندوں کو بدمعاشوں سے محفوظ رکھے جنگ کی بھی ایسی ہی ضرورت ہے۔

عدم مقابلہ کی تعلیم کیساتھ ہی مسیح نے منا جنگ اعمال پر بھی زور دیا۔ آپ نے فرمایا کہ بیت المقدس اپنی کینہ ورزی اور عدم صلح کی باعث تباہ ہوجائیگا (متی ۱۱)

اور قیامت کے احوال میں آپ نے بدوں اور توبہ نہ کرنے والوں کے عذاب کا ہولناک نقشہ کھینچ دیا ہے (متی ۲۵/۱۴) پس جب قانون الٰہی یہی ہے کہ بدوں کو سزا دی جائے جبکہ خود خدا جو اگرچہ توبہ قبول کر کے عفو کرتا ہے۔ باغیوں کو جو اُسکے احکام کسی طرح قبول نہیں کرتے شان قہاری کے ساتھ سزا دیتا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دین عیسوی کسی قوم کو طریق الٰہی کے اتباع سے منع کرے اور بدی کو منع نہ کرے اور عدل قائم ہونے دے۔ عدم مقابلہ کے قائل اگر اپنے مسلک کو اقوام کیلئے ایک قانون کی حیثیت سے جس پر عمل لازمی کر دیا جائے جاری کر دیں تو اس احکم الحاکمین پر جو بطور سے کہ وہ عالم پر حکومت کر رہا ہے بڑا سخت الزام عائد ہوتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مسیحی علما نے مسیح کی مجموعی تعلیم کا ایک جز پیش نظر رکھکر فتوے دیا ہے یعنی وہ مسیح جو اخلاق الٰہی کا مظہر تھا جو عدل، محبت اور بردباری کا آئینہ تھا۔

اِس نقطۂ نظر سے دین عیسوی ضمیر صاف کے ساتھ ایسی جنگ کی اجازت دیتا ہے جو بہ اتباع احکام الٰہی ایسی دنیا میں برپا ہو جہاں ظلم اور ناانصافی کا زور ہو جہاں اُسکے احکام توڑے جائیں اور جہاں اُسکے حقائق اقتدار کا مقابلہ کیا جائے[۱]۔"

---

[۱] ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۱۲ صفحہ ۹۰۶ و ۹۰۸

آغاز غزوات

سنہ ۲ھ

تمہید — حضرت مسیح نے اس پُر فتن دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا

"مجھے ابھی تم سے بہت سے امور کہنا تھے لیکن اب تم کو اُنکی تحمل کی طاقت نہیں لیکن جس وقت وہ روح حق آئیگا وہ تمہیں تمام ترحق کیطرف ہدایت کرے گا کیونکہ وہ خود اپنے نفس سے کچھ نہ کہیگا بلکہ جو کچھ سُنے گا وہ کہے گا (یوحنا ۱۶/۱۳)

وہ روح حق جسکی شان یہ تھی وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ جسم جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کے منادی کے ساتھ تشریف لایا اُسنے مکہ میں ۱۳ برس تک نہایت صبر و تحمل کے ساتھ حضرت مسیح کی شان جمالی دکھائی اور ایسے نفوس کو شیفتہ حق بنادیا جنکا صدق، عدل، حلم اور علم دُنیا کو ہمیشہ یاد رہیگا۔ پھر جب وہ مدینہ آیا اور اُس قوم سے مابقہ پڑا جسنے مسیح کو دار پر کھینچا تھا تو اُسنے حضرت موسیٰ کی شان جلالی کا جلوہ اس طور سے دکھایا جس میں وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ کی جھلک صاف نظر آتی تھی۔

ارباب سیر اور مغازی نے غزوات کا آغاز اسطور سے کیا ہے کہ یہ صاف نظر نہیں آتا کہ وہ وجوہ اور اسباب کیا تھے جنکی بنا پر اُس طرز عمل کے بدلنے کی ضرورت پیش آئی جسکو تیرہ برس تک مکہ میں آنحضرت اور آپکے اصحاب نے اختیار کر رکھا تھا۔ اس فن

کے سب سے قدیم اساتذہ ابن اسحٰق اور واقدی ہیں جو ایسے زمانہ میں تھے جب مسلم اور غیر مسلم سب سے دین و مذہب کے لیے لڑنا فرض عین سمجھتے تھے اور اسلیے اُنھوں نے مستقل طور پر اُن وجوہ پر بحث نہیں کی لیکن اس دور تہذیب میں جبکہ مذہب کو بالاے طاق رکھکر دندان آز تیز کرکے جنگ کا شکار سیاسیات کی ٹٹی کے آڑ سے اسطرح کھیلتے ہیں کہ شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔ آنحضرت پر اسوجہ سے کہ آپ نے جہاد کیا طرح طرح کے اعتراض خاص کر مستشرقین یورپ کی زبان سے نکلتے ہیں سچ ہے "المرء یقیس علیٰ نفسہ"

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ ہجرت سے ایک ہی سال کے اندر یہود مدینہ کی ریشہ دوانیوں اور منافقین کی خفیہ سازشوں سے قریش کے خونخوار ارادوں میں نئی قوت پیدا ہوگئی اور اُنھوں نے مدینہ پر حملہ اور اسلام کو بیخ و بُن سے اُکھاڑنے کی کارروائی شروع کردی نہ صرف مہاجرین بلکہ انصار بھی جنھوں نے انکو پناہ دی تھی زیارت کعبہ سے روکے جانے لگے اور وہ غریب اور بے بس مسلمان جو مکہ میں باقی رہگئے تھے ظلم وستم کے ساتھ ترک اسلام پر مجبور کیے جانے لگے ایسی نازک حالت میں آنحضرت نے سب سے پہلے باشندگان مدینہ سے جنمیں یہود بھی شامل تھے شہر کی حفاظت قیام امن اور باہمی امداد کیلیے ایک معاہدہ کیا ابن اسحٰق نے اس معاہدہ کو نقل کیا ہے[۱] لیکن تاریخ نہیں دی طبری نے غزوہ بنی قینقاع میں جو ہجرت کے دوسرے ہی سال واقع ہوا اس معاہدہ کا ذکر کرتے ہوے لکھا ہے[۲] کہ سب سے پہلے بنی قینقاع نے عہد شکنی کی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اذن قتال کے بعد ہی

۱ ابن ہشام جزو ثانی صفحہ ۱۰۲-۱۰۶   ۲ طبری جزو ثانی صفحہ ۳۹۰

یہ معاہدہ ہوا ہوگا کیونکہ مدینے کے بیرونی قبائل سے معاہدہ کرنے سے پہلے اِسکی ضرورت تھی کہ قبل اسکے کہ دشمن اپنا کام کر جائیں خود شہر کے تحفظ کی کارروائی کر لیجائے۔

غزوۂ ابوا

اربابِ سیر کی اصطلاح میں جن مواقع پر آنحضرت خود تشریف فرما تھے اُنکو غزوہ اور جہاں صرف صحابہ بھیجے گئے اُنکو سریہ کہتے ہیں۔ آنحضرت نے پہلے اِن قبائل سے جو مدینے کے قرب و جوار میں آباد تھے اور جہاں قریش کی آمد و رفت رہتی تھی معاہدے شروع کئے۔ صفر سنہ ۲ھ میں ساٹھ مہاجرین کے ہمراہ آپ نے مدینے سے کوچ کیا۔ علم بردار حضرت حمزہ تھے۔ منزل طے کرکے بمقام ابوا جہاں آپ کی والدہ ماجدہ مدفون ہیں تشریف فرما ہوئے اور قبیلۂ بنو ضمرہ سے باہمی امداد اور اعانت کا تحریری معاہدہ کرکے واپس تشریف لائے۔ دوسرے مہینے جیسا کہ مورخ طبری نے لکھا ہے آپ نے عبیدہ بن الحارث کو ساٹھ مہاجرین کے ہمراہ رابغ کی جانب جو ابوا اور جحفہ کے درمیان ایک میدان ہے روانہ فرمایا جب یہ لوگ ماءِ احیاء پہنچے دیکھا کہ پانی کے کنارے عکرمہ ابن ابوجہل کی سرداری میں قریش کی ایک بڑی جماعت مقیم ہے جنمیں مقداد بن عمرو اور عتبہ بن غزوان بھی تھے یہ دونوں پوشیدہ مسلمان تھے اور موقع کے منتظر جب اُنھوں نے اپنے بھائیوں کا گروہ دیکھا فوراً بھاگ کر پناہ لی۔ اربابِ سیر لکھتے ہیں کہ سعد ابن وقاص نے تیر چلایا اور یہ پہلا تیر تھا جو اسلام نے کفر پر پھینکا۔ ظاہر ہے کہ مشرکین نے اُن دونوں کی گرفتاری کا ارادہ کیا ہوگا اسلیے سعد نے حمایت میں تیر پھینکا ہوگا مگر کفار نے مقابلہ نہیں کیا اور دونوں گروہ اپنے اپنے مقامات پر واپس آگئے۔[۵]

۵ طبری جزو ثانی صفحہ ۱۲۷۰

ایک غلطی کا ازالہ

واقدی کا بیان ہے کہ ہجرت کے ساتویں مہینے رمضان میں آنحضرت نے حضرت حمزہ کو پہلا علم اسلام دیکر تیس مہاجرین کے ساتھ سیف البحر کیطرف بھیجا جہاں قریش کا قافلہ تجارت ابوجہل کی سرداری میں تین سو آدمیوں کے ساتھ شام کیطرف سے آرہا تھا قریب تھا کہ فریقین لڑپڑیں لیکن قبیلہ جہینہ کا سردار مجدی بن عمرو نے جو دونوں فریق کا حلیف تھا بیچ بچاؤ کر دیا پھر دوسرے مہینے شوال میں عبیدہ ابن الحارث کو ساٹھ مہاجرین کے ہمراہ رابغ کیطرف بھیجا جہاں ابوسفیان دو سو آدمیوں کیساتھ جا رہا تھا فریقین میں لڑائی نہیں ہوئی لیکن سعد ابن وقاص نے تیر چلایا۔ پھر تیسرے مہینے سعد ابن وقاص کو قافلہ قریش سے تعرض کرنے کیلیے بیس مہاجرین کیساتھ خرار کیطرف بھیجا۔ مقداد ابن عمرو علم لئے ہوئے تھے مگر یہ لوگ دن کو چھپتے تھے اور رات کو چلتے تھے لیکن قافلہ ایکدن پہلے ہی جا چکا تھا۔

ان روایات کو ابن سعد نے بھی نقل کر دیا پھر متاخرین نے بے چون وچرا ذکر کرنا شروع کیا حالانکہ ابن اسحق ان روایات کے متعلق اپنے افتتاحی الفاظ یوں درج کرتے ہیں

وبعض العلماء یزعم — اور بعض عالموں کا یہ گمان ہے

طبری نے واقدی اور ابن اسحق کے بیانات کو نقل کرکے یوں محاکمہ کیا ہے۔

وان ذلک کلہ کان فی السنۃ — اور یہ سب ۲ھ میں واقع ہوئے

الثانیۃ من وقت التاریخ (طبری ۱۲۵۹ جلد ثانی) — وقت تاریخ سے۔

آیت قتال جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ۲ھ کے آغاز میں نازل ہوئی اس سے پیشتر آنحضرت نے کوئی سریہ نہیں بھیجا مگر واقدی کی غلط بیانی اور متاخرین کی

تقلید نے مخالفین کو زبان طعن کھولنے کا موقع دیا ہے۔

ذوالعشیرہ جمادی الاولیٰ میں پھر خود آنحضرت دو سو مہاجرین کے ساتھ مدینے سے نکلے اور
مقام ذوالعشیرہ میں جو مدینے سے نو منزل پر واقع ہے پہونچ کر بنو مدلج سے جو بنو ضمرہ کے حلیف تھے
معاہدہ کیا۔ اس سفر کی مدت ایکماہ کے قریب تھی۔ ارباب مغازی نے ان غزوات کے ذکر
میں ان حالات کی تصویر نہیں دکھائی جو مجاہدین کو جب وہ ایک ایسے سردار کے ہمراہ ہوتے
تھے جسنے سفر وحضر میں ہمیشہ والی ربك فارغب کی تعلیم دی پیش آتے تھے۔ پنج وقتہ
نماز اسوقت فرض ہو چکی تھی۔ اذان کا طریقہ جاری ہو چکا تھا۔ اللہ اکبر کی پُر جلال آواز
جماعت کی باقاعدہ صف بندی اور قرأت قرآنی کا اعجاز اگر ظاہر بینوں کو مرعوب
کرتی تھی تو اہل باطن خضوع وخشوع کی ان زندہ مجسموں کو دیکھکر اور کلام پاک سنکر خود بخود
طریق الٰہی کیطرف گرویدہ ہوتے جاتے تھے۔ کیا قبائل عرب پر اس منظر کا اثر نہیں ہوتا
تھا اور کیا محض جنگی کارروائیوں کے سوا تبلیغ دین کی غائت حاصل نہیں ہوتی تھی!

ایک قریشی سردار کا ڈاکہ ڈالنا ذوالعشیرہ سے واپس آکر ابھی آنحضرت نے دم نہیں لیا تھا کہ اسی ماہ میں
ایک قریشی سردار کرز بن جابر الفہری اپنی جماعت کے ساتھ مدینہ کی چراگاہ پر یکایک حملہ آور
ہوا اور مسلمانوں کے مویشی پکڑ لیگیا۔ آنحضرت نے سفوان تک جو بدر کے قریب ہے تعاقب
کیا مگر وہ مفسد ہاتھ نہ آیا۔ یہ پہلا مال غنیمت تھا جو مشرکین کے ہاتھ آیا۔ عربی میں غنم بکری
کو کہتے ہیں۔ اسی سے یہ لفظ غنیمت بنا ہے۔

[illegible] اس واقعہ کے متعلق چونکہ مخالفین نے بہت کچھ زبان طعن کھولی ہے اسلیے

سب سے پہلے روایت کے اصل ماخذوں پر نظر ڈالنا چاہیے۔

ابن سعد نے واقدی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت نے رجب میں عبداللہ ابن جحش کو بارہ مہاجرین کے ساتھ بطن نخلہ کی طرف جو مکہ کے قریب ہے بھیجا۔

وامرہ ان یرصد عیر القریش — اور اُنکو حکم دیا کہ قافلہ قریش کی تاک میں رہے۔

جب یہ لوگ وہاں پہونچے ایک مختصر قافلہ قریش ملا۔ چونکہ رجب جو شہر حرام تھا اور اسمیں لڑائی منع تھی اسکی تاریخ تھی لوگوں کو شک ہوا کہ مہینہ ختم ہوا یا نہیں۔ بہرحال مسلمانوں کی طرف سے واقد بن عبداللہ نے عمرو بن الحضرمی کو تیر سے مار ڈالا پھر عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو گرفتار کرلیا اور قافلہ جو طائف سے شراب دیم اور مویز لے جارہا تھا لوٹ لیا پھر مدینہ پہونچ کر عبداللہ بن جحش نے خمس نکالکر مال غنیمت ساتھیوں میں تقسیم کرلیا لیکن ایک قول یہ بھی ہے کہ آنحضرت نے غزوہ بدر سے لوٹ کر یہ مال تقسیم کیا اور قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا اس سریہ میں عبداللہ بن جحش کو امیرالمومنین کا خطاب[1] ملا۔

اب دیکھو واقدی سے پیشتر ابن اسحٰق جو امام المغازی کہلاتے ہیں زہری کے سلسلہ سے عروہ بن زبیر سے یوں روایت کرتے ہیں۔

واقدی اور ابن اسحٰق کی روایات کا مقابلہ

رسول اللہ صلعم نے رجب میں عبداللہ بن جحش کو آٹھ مہاجرین کے ساتھ روانہ کرتے وقت ایک سربمہر تحریر دی کہ دو دن کے بعد کھولنا اور اُسکے مطابق عمل کرنا

---

[1] طبقات ابن سعد جزء الثانی صفحہ ۵

اور اپنے کسی رفیق کو مجبور نہ کرنا۔ دو دن کے بعد عبداللہ نے جب وہ تحریر کھولی تو یہ
لکھا تھا۔

اذا نظرت فی کتابی ھذا	جب یہ میرا خط دیکھنا تو روانہ
فامض حتی تنزل نخلۃ بین	ہونا یہاں تک کہ نخلہ میں جو مکہ اور طائف
مکۃ والطائف فترصد بھا	کے درمیان ہے ٹھہرنا اور قریش کا انتظار کرنا
قریشا وتعلم لنا من اخبارھم (ابن ہشام جلد ثانی)	اور اُن کی خبروں سے اطلاع دینا۔

یہ تحریر پڑھ کر عبداللہ نے رفیقوں سے کہا میں قریش کی خبر لینے کو نخلہ جاتا ہوں جس کسی کو شوق شہادت ہو میرے ساتھ چلے ورنہ واپس جائے۔ رفقا ہمراہ چلے۔ راہ میں وہ اونٹ جس پر سعد ابن وقاص اور عتبہ بن غزوان سوار تھے گم ہو گیا۔ عبداللہ بن جحش بقیہ مسلمانوں کے ساتھ نخلہ پہونچے جہاں اُن کو قافلہ قریش ملا۔ چونکہ رجب کا آخر دن تھا مشورہ ہوا اور آخر واقد نے عمر بن الحضرمی کو تیر سے مار ڈالا۔ دو کو قید کیا اور مال چھین لیا۔ عبداللہ بن جحش کی بعض اولاد سے روایت ہے کہ عبداللہ نے خمس نکال کر رسول اللہ کے سامنے پیش کیا اور بقیہ رفقا پر تقسیم کیا"۔

ابن ہشام نے بس یہیں تک ابن اسحق سے روایت کی لیکن مؤرخ طبری نے ابن اسحق کی پوری روایت اسطور سے نقل کی:۔

فلما قدموا علی رسول اللہ صلی اللہ	پس جب رسول اللہ صلعم کے پاس
علیہ وسلم قال ما امرتکم بقتال فی الشھر الحرام	حاضر ہوئے آپ نے فرمایا میں نے تم کو

فوقف العیر والاسیرین وابی	شہر حرام میں لڑنے کو نہیں حکم دیا تھا
ان یاخذ من ذلک شیئاً	پس مال قافلہ اور قیدیوں میں سے
طبری جزء الثانی صفحہ ۱۲۶۲-۱۲۶۳	کسی چیز کے لینے سے انکار کیا۔

ابن اسحق کے اِس صاف اور واضح بیان کے مقابلہ میں کیا واقدی کی روایت معتبر ہو سکتی ہے خصوصاً جبکہ اُن کی غلط بیانی اور ضروری فروگزاشتیں مشاہیر علما اور ائمہ دین کے نزدیک ثابت ہیں لیکن مستشرقین یورپ انھیں روایات کو اپنا ماخذ قرار دیکر گرفت کرتے ہیں۔ دیکھو یہاں واقدی نے آنحضرت کی سربمہر تحریر کا ذکر چھوڑ دیا حالانکہ اگر ابن اسحق کی روایت سے قطع نظر کریں تو درایتاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ جمادی الثانی میں کرز بن جابر کے حملہ کے بعد ہی آنحضرت کو فوری ضرورت اس امر کی پیش آئی کہ چند صحابہ کو قریب مکہ بھیجکر قریش کی نقل و حرکت کی خبر منگوائیں لیکن چونکہ رجب کا مہینہ تھا اسلیے شہر حرام کی حرمت کے خیال سے اور اس لحاظ سے کہ مسلمان جو اپنے مویشی لٹ جانے سے برافروختہ ہیں قریشیوں کو دیکھکر سخت کارروائی نہ کریں تحریری حکم دیا تھا۔

قریش نے مسلمانوں کا مکہ میں داخلہ بند کیا تھا اسوجہ سے ڈر اسکے کہ کہیں راہ میں مڈبھیڑ ہوجائے اور کیا صورت تھی: قریش چونکہ تجارت پیشہ تھے ان کے قافلے پھرا کرتے تھے۔ اتفاق سے مخبران اسلام کو ایک مختصر قافلہ ملا جنکے ساتھ چار قریشی سردار تھے مسلمانوں کیطرف صرف چھ شخص تھے کیونکہ سعد و عتبہ اونٹ کی تلاش میں گئے تھے

گمان ہو سکتا تھا کہ ان دونوں کو دشمن نے پکڑ لیا یا مار ڈالا مسلمانوں پر جو ظلم و ستم قریشیوں نے اسوقت تک کئے تھے وہ کانٹے کی طرح کھٹکتے تھے اب اگر واقدنے اپنے نبی کے حکم تحریری کے خلاف تیر چلایا (اور جنگ احد میں بھی درہ کے محافظین نے بھی ایسی ہی خلاف ورزی کی تھی جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔) اور دشمن کو مار ڈالا پھر مال چھین لیا تو جنگی قواعد اور اُس زمانہ کی روش کے مطابق کیا بُرائی تھی۔ قریش نے جو کچھ اعتراض کیا وہ صرف شہر حرام میں لڑنے کے متعلق تھا لیکن اپنے لیے تو شہر حرام کی آڑ پکڑنا لیکن مجاورین حرم کو ظلم و ستم کے ساتھ حرم سے نکال دینا اور زیارت کعبہ سے روکدینا اتنا ہی نہیں بلکہ پردیس میں بھی چین سے بیٹھنے نہ دینا یہ کیا انصاف[۵۱] تھا۔

افسوس واقدی نے تحقیق اور احتیاط سے کام نہ لیا۔ اذن قتال سے پہلے جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں تین سرایا بھیجنے کی غلط روایت کردی پھر ہر سریہ اور غزوہ کی وجہ میں یعترض غیر العیر لقریش (قافلہ قریش سے تعرض کرنے کیلیے) لکھدیا حالانکہ ابن اسحق نے عیر (قافلہ) کا لفظ استعمال نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش کی نقل و حرکت کی اطلاع مدنظر تھی نہ قافلہ لوٹنے کی کارروائی۔

تحویل قبلہ واقعہ نخلہ کے دو ہی مہینے کے بعد وسط شعبان میں تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا آنحضرت جبتک مکہ میں مقیم رہے کعبہ میں مقام ابراہیم کے سامنے بیت المقدس کیجانب نماز

---

۵۱ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے یسئلونک عن الشہر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر وصدٌ عن سبیل اللہ وکفر بہ والمسجد الحرام واخراج اہلہ منہ اکبر عند اللہ والفتنۃ اکبر من القتل (سورۃ البقرۃ)

ادا فرماتے تھے ہجرت کے بعد مدینہ میں آپ نے اُسوقت تک بیت المقدس کی جانب نماز ادا کی۔ یہود فخریہ کہتے تھے کہ اسلام بھی بہرحال انھیں کے قبلہ کیطرف سرِ نیاز جھکاتا ہے لیکن اسلام نے ابتدا ہی سے اہل کتاب کے ساتھ باہمہ و بے ہمہ روش اختیار کی تھی وہ ایک ایسے صراط مستقیم کیطرف ہدایت کرتا تھا جو یہودیت اور نصرانیت کے وسط میں تھی یعنی دونوں کی افراط و تفریط غلو اور ظاہریت سے ممتاز تھی وہ ان سب کو ابراہیمی دائرہ خلت میں لانا چاہتا تھا۔ بیت المقدس حضرت سلیمان کے عہد میں تعمیر ہوکر قبلۂ بنی اسرائیل قرار پایا تھا۔ لیکن صدیوں پیشتر بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل کے جداعلیٰ حضرت ابراہیم نے پہلا خانۂ خدا یعنی کعبہ تعمیر کیا تھا جو اسکا مستحق تھا کہ دونوں اسی کی طرف مُنہ کرکے مشترکہ طور پر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کریں اور اُمتِ وسط کا خطاب پائیں باایں ہمہ تحویل قبلہ کے ضمن میں یہ اچھوتا نکتہ بھی سمجھا دیا گیا کہ لِلّٰہِ المشرق والمغرب مکان کی کچھ قید نہیں صاحب مکان چاہیے۔ پھر اس سے بڑھ کر ایک اور نکتہ سمجھایا کہ صرف مشرق و مغرب کیطرف منہ کرنا اور اسکو اپنا قبلہ قرار دینا اصل عبادت اور روح دین نہیں ہے بلکہ:۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ	نیکی یہ نہیں کہ پھیرو منہ اپنا مشرق و
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ	مغرب کی طرف مگر نیکی اسکی ہے کہ ایمان
مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ	لایا اللہ پر اور آخرت پر اور فرشتوں پر
وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ	اور کتاب پر اور نبیوں پر اور اسکی محبت میں

ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ	مال دیا قرابت والوں، یتیموں مسکینوں
وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی	اور مسافروں اور سوال کرنے والوں کو اور
الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ	گردن چھڑانے میں اور نماز قائم کی اور
وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا	زکوٰۃ دی اور پورا کرنے والے ہیں اپنے
وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ	عہد کے جب عہد کریں اور صبر کرنے
وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ	والے ہیں تکلیف اور بیماری اور جنگ
صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ	میں وہی ہیں جو سچے ہیں اور وہی
(سورۃ البقرۃ)	پرہیزگار ہیں۔

تحویل قبلہ کا حکم یہود کو نہایت شاق گزرا اور اُن میں سے جو منافقانہ طور پر مسلمانوں کے ساتھ شریک عبادت ہوتے تھے اُنکے نفاق کا راز فاش ہو گیا کیونکہ بیت المقدس کو جنکے ساتھ اُن کی قومی اور مذہبی ہستی وابستہ تھی چھوڑ دینا اُن کے لیے آسان نہ تھا۔ یہود اب برملا عداوت پر آمادہ ہو گئے اور مدینہ کی حالت بیرونی اور اندرونی دشمنوں کے باعث نہایت مخدوش ہو گئی۔

غزوۂ بدر الکبریٰ

سنہ ۲ ھ

اس غزوہ کے حالات قرآن مجید کے سورۂ انفال میں جو بالاتفاق جنگ کے بعد ہی نازل ہوئی تفصیلی طور پر مذکور ہیں۔ تاریخی حیثیت سے یہ سب سے قدیم پہلی شہادت اس واقعہ کے متعلق ہے۔

قدیم شہادتیں

دوسری قدیم شہادت عروہ ابن زبیر کا ایک خط ہے جو انھوں نے عبدالملک ابن مروان کے استفسار پر اس واقعہ کے متعلق لکھا تھا۔ اس خط کو طبری نے سلسلۂ اسناد کے ساتھ اپنی تاریخ میں درج کیا ہے۔ واقعہ نخلہ کا حوالہ دیتے ہوئے عروہ اپنے خط میں یوں لکھتے ہیں۔

وکانت تلك الواقعة هاجت	اور یہی واقعہ تھا جسکے باعث سول اللہ
الحروب بين رسول الله صلى الله	اور قریش میں جنگ برپا ہوگئی اور یہی
عليه وسلم وبين قريش واول	پہلا واقعہ تھا جن میں بعض نے بعض
ما اصاب به بعضهم بعضا من الحرب	کو صدمہ پہونچایا اور یہ ابوسفیان اور اسکے
وذلك قبل مخرج ابى سفيان واصحابه	گروہ کی روانگی شام سے پہلے پیش
الى الشام (طبری جزء دوم ص ۱۲۸۴)	آچکا تھا۔

واقعہ نخلہ میں قریش کا ایک شخص حضرمی قتل ہوچکا تھا اور دو قید ہوگئے تھے۔

قریش کے جوشِ انتقام کی اب کوئی حد نہ تھی۔ عقیدۂ ثار کے مطابق انکو اپنے مقتول کا بدلہ لینا ضروری تھا۔ پھر قافلہ کے لٹ جانے سے وہ ہشیار ہو گئے تھے کہ پھر ایسا واقعہ پیش نہ آئے۔ ابوسفیان ایک بڑا سرمایۂ تجارت لیکر ستر آدمیوں کے ساتھ (بعض روایتوں میں چالیس ہیں) جیساکہ ابن سعد نے طبقات میں بیان کیا ہے شام کیطرف جاتا ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا قریش اور ابوسفیان نے حفظ ماتقدم کے لحاظ سے ضروری کارروائیاں نہ کی ہونگی۔ اب دیکھو مدینہ میں کیا ہو رہا تھا قرآن میں مذکور ہے:۔

كما اخرجك ربك من بيتك	جس طرح نکالا تجھے تیرے رب نے تیرے
بالحق وان فريقا من المؤمنين	گھر سے حق کے ساتھ اور بیشک ایک
لكارهون يجادلونك في الحق	گروہ ایمان والوں سے ناخوش تھا جھگڑتے
بعد ما تبين كانما يساقون	تھے تجھسے حق میں بعد اسکے کہ ظاہر ہو گیا
الى الموت وهم ينظرون۔ واذ	گویا کہ وہ چلائے جاتے ہیں موت کی طرف
يعدكم الله احدى الطائفتين	اور وہ دیکھ رہے ہیں۔ اور جب وعدہ کیا
انها لكم وتودون ان	تم سے اللہ نے ایک کا دو گروہوں سے
غير ذات الشوكة تكون لكم	کہ وہ تمہارے لیے ہے اور تم دوست
ويريد الله ان يحق الحق	رکھتے تھے کہ بے کانٹے کا تمہارے لیے ہو
بكلمته ويقطع دابر الكافرين	اور اللہ چاہتا تھا کہ حق ثابت کرے اپنے
ليحق الحق ويبطل الباطل۔	کلمات سے اور کافروں کی جڑ کاٹے تاکہ حق

ولو کرہ المجرمون ثابت ہو اور باطل مٹ جائے اگرچہ

(سورۂ انفال) گنہگار بُرا مانیں۔

مسئلہ قریش پر حملے کی بحث

مورخین بالاتفاق کہتے ہیں کہ بدر پہلا غزوہ ہے جس میں انصار نے شرکت کی۔ آنحضرت نے مدینے سے نکلنے کے پیشتر صحابہ سے استمزاج کیا تھا اور انصار کی رضامندی خاص طور پر دریافت کی تھی کیونکہ انصار نے اپنے شہر کے اندر حفاظت کا وعدہ کیا تھا نہ مدینہ سے باہر جاکر لڑنے کا اسلیے جبکہ آنحضرت ۳۱۳ صحابہ کے ساتھ جنمیں ساٹھ مہاجرین اور باقی سب انصار تھے۔ مدینے سے نکلے تو سوال یہ ہے کہ ایسی جمعیت کے ساتھ آپ کسطرف چلے اور مسلمانوں کا ایک گروہ ایسا کیوں خائف تھا کہ "گویا موت کے منہ میں جارہا ہے" قافلۂ شام کی زیادہ سے زیادہ تعداد ستر بیان کی جاتی ہے پھر بعضوں پر ایسا خوف کیوں طاری تھا ایک دوسرا سوال یہ ہے کہ مدینے سے نکلکر آنحضرت کس طرف چلے۔ قدیم مورخین ابن اسحٰق اور واقدی دونوں یہ کہتے ہیں کہ آپ مکہ کیطرف جانب جنوب چلے۔ مگر قافلہ شام سے آرہا تھا جو جانب شمال ہے اور اُسکا مکہ میں آنیکا راستہ مدینے سے جانب غرب پڑتا ہے پھر مکہ کا جنوبی راستہ کیوں اختیار کیا گیا۔ مدینے سے مکہ تقریباً تیرہ دن کی راہ پر واقع تھا۔ آنحضرت چوتھے دن بدر پہونچتے ہیں جہاں قریش کی ایک ہزار کی زبردست جمعیت سامنے نظر آتی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکے سے نکلے ہوئے ان کو ایک ہفتے سے زائد ہو چکا تھا۔ ان سوالات پر غور کرو ادنیٰ تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ ہی میں دو گروہ کی روانگی کی خبر مل چکی تھی ایک قافلۂ تجارت دوسرا لشکر قریش۔

بعض کو۔ ورمسلمان چاہتے تھے کہ لڑنا نہ پڑے اور قافلہ کا مال آسانی سے مل جائے۔
جیسا نخلہ میں ہو چکا تھا۔ لیکن آنحضرت نے جس طرح واقعہ نخلہ پر اظہار ناراضگی فرمایا تھا اسی طرح
اب بھی بجائے قافلہ کی طرف متوجہ ہونیکے قریش کی فوج کے مقابلہ کو نکلے جیسا کہ آیت
مذکورہ سے صاف ظاہر ہے اور درایتاً بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ مخالفین
بہرحال اتنا تو تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت فن جنگ میں قابلیت رکھتے تھے اور آخر تک
فتوحات حاصل کرتے رہے اب سوال یہ ہے کہ ایک ایسے قافلہ کے لوٹنے کا قصد کرنا
جسکی حفاظت کیلئے پیچھے سے فوج کی روانگی کی اطلاع مل چکی ہو اور فوج بھی کیسی
جوش انتقام میں بھری ہوئی۔ ایسی حالت میں قافلہ کیطرف متوجہ ہونا کون سا
اصول جنگ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن اسحٰق اور واقدی نے روایات کی تنقیح نہیں
کی ورنہ قرآنی شہادت صاف ہے ایک اور نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ خدا نے وعدہ
فرمایا کہ یا قافلہ یا فوج قریش دو میں سے ایک تمہارے لیے ہے واذ یعدکم اللہ
احدی الطائفتین انہا لکم جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اذن قتال اور اعلان جنگ کے بعد
دشمن کا مال چھین لینا اور اسکے ذرائع مخالفت کو بند کر دینا شرعاً اور اخلاقاً دونوں
طور پر جائز تھا لیکن آنحضرت فتنہ و فساد کی جڑ کاٹنا چاہتے تھے نہ عارضی فائدہ اٹھانا۔
ابن اسحٰق اور واقدی نے اسپر غور نہیں کیا انھوں نے مختلف راویوں کے اقوال پیش نظر
رکھکر اور ایک کا قول دوسرے میں مخلوط کر کے اپنے طور پر ایک مسلسل قصہ بدر تحریر
کر دیا۔ جیسا کہ ابن ہشام نے اس غزوہ کے تحت میں صاف لکھا ہے۔ پھر متاخرین نے

آنکھ بند کر کے اِس قصہ کو نقل کرنا شروع کیا۔

محدث طبری کا البتہ یہ بڑا احسان ہے کہ اُنھوں نے مختلف روایات متعلق غزوۂ بدر کو بغیر مخلوط کئے ہوئے علیٰحدہ علیٰحدہ سلسلہ اسناد کے ساتھ اپنے مشہور معرکۃ الآراء تاریخ میں نقل کیا " ذکر واقعہ بدر الکبرےٰ" کے تحت میں اُنھوں نے تین مختلف ذرائع سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

اوؔل عروہ ابن زبیر کا خط عبدالملک کے نام جو اُنھوں نے اُسکے استفسار پر تحریر کر کے دمشق بھیجا تھا۔

دوؔم ابن اسحٰق کی مسلسل داستان۔

سوؔم وہ روایت جو اُنھوں نے خود سُنی اور جسکا سلسلہ حضرت علی مرتضیٰ پر ختم ہوتا ہے۔ یہ روایت امام احمد بن حنبل نے مسند اور بیہقی نے دلائل میں نقل کی ہے اور اُسکو صحیح کہا ہے اسمیں صاف مذکور ہے۔

فلما بلغنا ان المشرکین	پس جب ہم کو معلوم ہوا کہ مشرکین
قد اقبلوا سار رسول اللہ	بڑھ آئے رسول اللہ صلعم بدر کی طرف
صلی اللہ علیہ وسلم الی بدر و	چلے اور بدر ایک کنواں ہے پس ہم
بدر بئر فسبقنا المشرکین الیہا (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۹۹)	مشرکین سے پہلے پہونچ گئے۔

شہادت قرآنی اور حدیث صحیح کے مقابلہ میں عروہ کی تحریر ایک سرکاری رپورٹ تھی جو اموی دربار میں محفوظ رہی۔ واقدی اور ابن اسحٰق کے بیانات مغشوش ہیں۔ ان وجوہ

سے قافلہ لوٹنے کی غلط خبر عام طور سے مشہور ہوگئی اور وہ صحیح روایت جسکی تائید شہادت قرآنی بھی کرتی ہے اور جسکو ایسے ثقہ نے جو خود اس غزوہ میں شریک تھا یعنی علی مرتضیٰ نے بیان کیا مشہور نہوئی لیکن حق چھپا نہیں رہتا۔

واقعاتِ جنگ

اب ہم واقعات جنگ تحریر کرتے ہیں۔

رمضان کا مہینہ تھا روزے پہلی مرتبہ فرض ہوئے تھے مسلمان مصروف عبادت تھے کہ فوج قریش کی روانگی کی خبر ملی۔ آنحضرت مہاجرین اور انصار کو ساتھ لے کر مدینہ سے نکلے اور ایک میل چلکر فوج کا جائزہ لیا جو کم عمر تھے اُن کو واپس کر دیا کہ ایسے نازک موقع پر اُنکا کام نہیں۔ اب کُل تعداد ۳۱۳ تھی جس میں ساٹھ مہاجرین باقی سب انصار تھے ابو لبابہ کو مدینہ کا حاکم اور ابن ام مکتوم کو پیش امام مقرر فرمایا۔ پھر جانبازان اسلام کو ساتھ لے کر مکہ کیطرف کوچ فرمایا اور چوتھے دن بدر کے قریب پہنچ گئے بدر ایک کنوئیں کا نام تھا جسکی کشش تشنگان بادیہ کو کھینچ لاتی تھی یہ ایک وادی میں واقع تھا جسکے شمال و مشرق جانب پہاڑوں کا سلسلہ چلا گیا تھا جنوب کیطرف پہاڑیوں کی چٹانیں اور جانبِ غرب ریت ٹیلے تھے۔ ان ریت کے ٹیلوں میں ایک ٹیلہ عقنقل کے نام سے مشہور تھا اس ٹیلے اور بدر کے بیچ میں وادی یلیل کے بالائی حصہ میں فوج قریش اور نشیبی حصہ میں آنحضرت جماعت مومنین لیکر اُترے۔ اُسوقت قافلہ ابوسفیان وادی کے نیچے سے سمندر کے کنارے کنارے غیر معروف راستوں سے گزر گیا تھا۔ خدا فرماتا ہے۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا　　جب تم کنارہ نزدیک میں تھے

وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى	اور وہ کنارے دور میں اور قافلہ تم سے نیچے
وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ	اور اگر وعدہ کرتے تم پیچھے رہ جاتے وعدہ
لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ وَلٰكِنْ	میں مگر تاکہ اللہ وہ کام کردے جو مقرر ہوچکا
لِيَقْضِيَ اللّٰهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِيَهْلِكَ	تھا تاکہ ہلاک ہو جو ہلاک ہو دلیل سے
مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ	اور جئے جو جئے دلیل اور بیشک اللہ
عَنْ بَيِّنَةٍ وَإِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ (انفال)	سنتا جانتا ہے۔

حق و باطل کے فیصلہ کیلیے قدرت نے عجب سامان پیدا کردیا۔ قریش اگرچہ حق کو مٹانے کیلیے تُلے بیٹھے تھے لیکن مجموعی حیثیت سے اب تک باہر نہیں آئے تھے کیونکہ ان میں سے اکثر ایسے سردار تھے جنکے قریبی رشتہ دار مسلمان ہوگئے تھے اور اسلئے وہ کشت و خون نہیں چاہتے تھے۔ بنی ہاشم میں بھی جو اُسوقت تک ایمان نہیں لائے تھے وہ بھی خاندانی عصبیت کے لحاظ سے لڑنا گوارا نہیں کرتے تھے لیکن ابوجہل اور اُسکے ہمخیال دشمنان دین کے سمند غرور کو قافلہ ابوسفیان ایک اور تازیانہ ہوگیا۔ اور وہ جوش و خروش اور ساز و سامان کے ساتھ ایک ہزار کی مسلح جمعیت جسمیں سو سالکے سو سپاہی تھے ساتھ لے کر مکہ سے نکلے اور قافلہ کے صحیح و سلامت نکل جانے کی اطلاع پاکر[1] بھی اپنے خونخوار ارادوں کو عمل میں لانے کیلیے بدر پہونچ گئے۔

آنحضرتؐ بھی قریب شام وہاں پہونچے اور اپنے جاسوسوں سے یہ معلوم کرکے

۱؎ طبری جزء الثانی صفحہ ۲۴۶

کہ فوج قریش نے وادی میں پڑاؤ ڈال دیا ہے دہیں دوسری جانب قیام فرمایا۔ قرآن میں میدان کی حالت یوں مذکور ہے:۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ	جب تم فریاد کرتے تھے اپنے رب
فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ	پھر قبول فرمایا کہ میں مدد کرنے والا ہوں
مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ وَمَا جَعَلَهُ	تمہارا ہزار فرشتوں سے آگے پیچھے آنے والے
اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ	اور نہیں بنایا اس مدد کو اللہ نے مگر
وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ	خوشخبری تاکہ مطمئن ہوں اس سے تمہارے
حَكِيْمٌ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ	دل اور مدد نہیں مگر اللہ کے پاس سے
وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً	بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔
لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ	جب ڈھانک لیا تم کو غنودگی نے امن
رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى	اسکی طرف سے اور اتارا تم پر آسمان سے
قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ	پانی کہ پاک کرے تم کو اور دور کرے
الْاَقْدَامَ	تم سے نجاست شیطان کی اور باندھ
(سورۃ الانفال)	دیئے دلوں پر تمہارے اور ثابت کر دیے
	اس سے قدم۔

تائید غیبی

آنحضرت جس مقام پر اترے وہ مدینہ کی جانب وادی کا نشیبی حصہ تھا۔ پانی کی قلت زمین ایسی ریتیلی کہ اونٹوں کے پاؤں دھنس دھنس جاتے تھے۔ پھر جو وقت

ایک قریشی غلام سے جسے مسلمانوں نے کنوئیں پر پانی بھرتے ہوئے گرفتار کرلیا تھا، فوج دشمن کی تعداد کا اندازہ معلوم ہوا تو اُن کے دل بیٹھنا شروع ہوئے۔ معاً قدرت الٰہی نے وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ کا کرشمہ دکھایا، ابر کرم گھر آیا بارش شروع ہوئی اور چونکہ فوج اسلام نشیبی حصہ میں تھی پانی اوپر سے بہ بہ کر نیچے جمع ہونے لگا۔ اب کیا تھا مسلمانوں نے پانی کو محفوظ کرکے جابجا چھوٹے چھوٹے حوض بنائے ریت بیٹھ گئی قدم جمنے لگے اور نقل و حرکت کیلیے آسانی ہوگئی۔ ان سب چیزوں سے بڑھکر ایک اور بات حاصل ہوگئی یعنی عین مشکل کے وقت آسانیوں کے پیدا ہوجانے سے اطمینان قلب۔ اصل یہ ہے کہ نہ کچھ قلت و کثرت پر مدار ہے اور نہ ظاہری ساز و سامان پر۔ بس خدا ہی کی مدد پر بھروسہ چاہیے جس سے قلب میں قوت اور اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ فرشتے نورانی مخلوق ہیں وہ برق و باد کے گھوڑوں پر سوار قلب مومن میں جولانی دکھاتے ہیں اور بے آواز صدا سے تائید الٰہی کی بشارت دیتے ہیں۔

آنحضرت کی حالت

اب آنحضرت کی حالت ملاحظہ ہو۔ طبری میں حضرت علی مرتضیٰ سے روایت ہے

وبات رسول اللہ صلی اللہ	اور شب گزاری رسول اللہ صلعم نے
علیہ وسلم یدعوا ربہ اللھم ان	اپنے رب سے مناجات کرتے ہوئے الٰہی
تھلك ھذہ العصابۃ لا تعبد فی	اگر یہ گروہ ہلاک ہوگیا تو پھر تیری عبادت
الارض فلما ان طلع الفجر نادی	زمین پر نہ ہوگی۔ پس جب صبح ہوئی مؤذن
الصلوۃ عباد اللہ فجاء الناس	نے پکارا اے بندگان خدا نماز کو چلو

من تحت الشجر والجحف فصلى بنا	پس لوگ درخت اور ڈھالوں کے
رسول الله صلى الله عليه وسلم	نیچے سے نکلے رسول اللہ صلعم نے نماز
وحرض على القتال (جزو دوم ص ۲۶)	پڑھائی اور جہاد کیلیے آمادہ کیا۔

مناجات مذہب کی جان ہے۔ اسکا عملی اظہار اسلام میں نماز ہے۔ آنحضرتؐ نے اپنے قول اور فعل سے صلح و جنگ سفر و حضر ہر حالت میں خاص طور سے اسکی طرف توجہ دلائی ہے۔ واقدی اور انکے کاتب ابن سعد نے معمولی جزئی واقعات مثلاً ابوسفیان کا بدر کے قریب اونٹ کی مینگنیاں کرید کر پہچان لینا کہ ادھر سے کسی مدنی جاسوس کا گزر ہوا ہے قلمبند کیے لیکن آنحضرتؐ نے اس یادگار شب جنگ میں کیا کیا نظر انداز کر دیا۔

واقدی کا زمانہ اور تھا اب وہ رہی اور ہے لسان العصر نے خوب کہا ہے ؎

رفتار اور سمت میں باد صبا کی ہے
اے قصہ خوان بدر ضرورت حرا کی ہے

ابوجہل کی شرارت

الغرض جب مشرکین صبح کو جنگ کے لیے طیار ہو رہے تھے حکیم بن حزام ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے چچیرے بھائی جو اسوقت تک ایمان نہیں لائے تھے سردار فوج عتبہ بن ربیعہ کے پاس گئے اور سمجھایا کہ قریش حضرمی کے خون کا مطالبہ کر رہے ہیں وہ آپ کا حلیف تھا آپ اگر اسکی طرف سے خون بہا ادا کر دیجیے تو لڑائی کی نوبت نہ آئے عتبہ نے قبول کیا لیکن ابوجہل کی رضامندی کی بھی ضرورت تھی حکیم اسکے پاس گئے اور صورت معاملہ ظاہر کی وہ نہایت برہم ہوا اور کہنے لگا عتبہ کی ہمت نے

جواب دیدیا۔ اسکا بیٹا ابو حذیفہ مسلمانوں کے ساتھ ہے وہ نہیں چاہتا کہ اس پر آنچ آئے۔ پھر حضرمی کے بھائی کو ابھار دیا اسنے جاہلیت کے دستور کے مطابق کپڑے پھاڑ ڈالے پھر گرد اڑا کر اپنے مقتول بھائی کا نعرہ "واعمرہ واعمرہ" مارنا شروع کیا۔ عتبہ ابوجہل کا طعنہ سنکر پیچ و تاب کھا کر کہنے لگا میدان میں خود معلوم ہو جائیگا کہ نامردی کا داغ کون اٹھاتا ہے پھر اپنے بیٹے ولید اور بھائی شیبہ کو ساتھ لے کر میدان میں آ کر مبارز طلبی کی آنحضرت نے نماز فجر کے بعد مسلمانوں کی تین صفیں قائم کی تھیں۔ مہاجرین کا علم مصعب بن عمیر کو دیا۔ خزرج کا حباب بن منذر کو اور اوس کا سعد بن معاذ کو اور حکم دیا کہ خاموشی سے منتظر کھڑے رہیں جب قریش حملہ کریں اور قریب آ جائیں تو تیر سے روکیں آنحضرت نے میدان کے کنارے ایک چھپر کے نیچے جو شب کو آپ کے لیے طیار کیا گیا تھا قیام فرمایا اور وہیں سے مشغول دعا ہو کر تدبیر جنگ فرماتے اور احکام بھیجتے رہے۔ عتبہ نے جب میدان میں آ کر مبارز طلبی کی تو تین جان نثار انصار اسکے مقابلہ کو نکلے مگر عتبہ نے چلا کر کہا۔ "محمدؐ یہ لوگ ہماری جوڑ کے نہیں ہمارے بنی اعمام کو بھیج"۔ آنحضرت نے انصار کو واپس طلب کیا اور حضرت حمزہ، علیؓ، عبیدہ بن الحارث کو مقابلہ کیلئے بھیجا اور لڑائی شروع ہو گئی۔ حضرت حمزہ کے شیرانہ حملوں نے عتبہ کا کام تمام کر دیا۔ حضرت علی نے ولید کو قتل کر دیا مگر شیبہ نے حضرت عبیدہ کو زخمی کر دیا۔ تب حضرت علی نے بڑھ کر شیبہ پر حملہ کیا اور اسکو قتل کر کے عبیدہ کو کاندھے پر اٹھا کر آنحضرت کے پاس لائے عبیدہ نے کہا یا رسول اللہ کیا میں شہادت سے محروم رہا آپ نے فرمایا نہیں تم شہید ہو۔

عبیدہ نے کہا آج اگر ابو طالب زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ انکے اس شعر کا میں مصداق ہوں:

ونسلمہ حتی نصرع حولہ ونذھل عن ابنائنا والحلائل

"ہم محمد کو اسوقت حوالہ کرینگے جب انکے گرد لڑکر مرجائیں۔ اور ہم انکے لیے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو بھول جاتے ہیں"

ابوجہل کی عداوت کے حالات انصار میں مشہور ہو چکے تھے وہ اُس سے نہایت جلے ہوئے تھے اِن میں سے معاذ اور معوذ دو بھائیوں نے عہد کیا تھا کہ جہاں کہیں وہ مردود انھیں ملیگا جان پر کھیل کر اسکو مارینگے چنانچہ عتبہ کے قتل کے بعد جب قریش نے عام حملہ کیا تو یہ دونوں بھائی عبدالرحمٰن بن عوف سے اسکا نشان دریافت کر کے باز کی طرح اُسپر جھپٹے اور تیزی سے پے در پے حملہ کرنے لگے۔ معاذ کی تلوار ابوجہل کی ٹانگ پر اس زور سے پڑی کہ پنڈلی الگ ہو گئی اور وہ گر پڑا۔ یہ دیکھکر عکرمہ بن ابوجہل نے معاذ کے شانے پر ایسی تلوار ماری کہ ہاتھ لٹک گیا مگر تسمہ باقی رہا اِس درمیان میں معوذ نے ابوجہل کو کاری زخم لگایا اور وہ دم توڑنے لگا۔ معاذ اس حالت میں بھی لڑ رہے تھے آخر جھوٹتے ہوئے ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر الگ کر دیا۔

قریش کے منتخب سرداروں کے مارے جانے سے فوج میں ابتری پھیل گئی تھی۔ حضرات حمزہ، علیؓ اور زبیر کے شیرانہ حملوں اور انصار کی بے مثل جاں نثاری نے دشمن کے قدم جلد اکھاڑ دیے اب وہ بھاگنے لگے اور مسلمانوں نے بڑھ کر انکو قتل و قید کرنا شروع کیا۔ ستر قتل اور اسیقدر اسیر باقی مفرور ہو گئے۔ مسلمانوں کی طرف تھا جو

اور (۸) انصار شہید ہوئے۔

ابن اسحٰق کی بعض روایتوں کی تنقیح

ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے ابوجہل کی خبر منگوائی۔ عبداللہ بن مسعودؓ چلے اور دیکھا کہ زخمیوں میں وہ بدبخت پڑا ہوا دم توڑ رہا ہے

ابوجہل کے سر کاٹنے کی روایت

بولے تو ابوجہل ہے۔ اُسنے کہا ایک شخص کو اُسکی قوم نے قتل کر دیا تو یہ فخر کی کیا بات ہے ابن مسعودؓ کو ابوجہل نے مکہ میں اذیت دی تھی اب اس حال میں اُسکو دیکھکر جوش انتقام میں اُسکی گردن پر پاؤں رکھ دیا وہ بولا اے بکری چرانے والے دیکھ تو کہاں پاؤں رکھتا ہے۔ ابن مسعودؓ نے اُسکا سر کاٹ لیا اور آنحضرتؐ کے قدموں پر لاکر ڈال دیا۔[1] آپؐ نے فرمایا الحمد للہ۔

صحیح بخاری میں قتل ابوجہل کی تین روایتیں منقول ہیں۔

اول خود عبداللہ ابن مسعودؓ سے۔ اس روایت میں بس یہانتک منقول ہے کہ ابوجہل نے کہا ایک شخص کو اُسکی قوم نے قتل کر دیا تو فخر کی کیا بات ہے۔

دوسری اور تیسری روایت حضرت انسؓ سے یوں منقول ہے کہ ابن مسعودؓ نے ابوجہل کی داڑھی پکڑی تب ابوجہل نے مذکورۂ بالا جملہ کہا۔ لیکن ان تینوں روایتوں میں سر کاٹنا اور آنحضرتؐ کے قدموں پر لاکر ڈالدینا کہیں بھی مذکور نہیں۔ ابن اسحٰق نے جو یہ حاشیہ چڑھایا اُسکی سند میں لکھتے ہیں۔ وزعم رجل من بنی مخزوم (اور بنی مخزوم کے ایک شخص کا ایسا گمان ہے) ابن اسحٰق کے بعد ارباب سیر نے وہ سند بھی

---

[1] افسوس یہ روایت سیرۃ النبی میں بھی نقل ہوگئی (دیکھو صفحہ ۲۲۹ مطبوعہ نامی پریس کانپور) [2] طبری جزء دوم صفحہ ۲۰۲

حذف کردی اور قصہ نقل کرتے چلے آئے۔ ابن اسحٰق اور واقدی نے اموی اور عباسی درباروں میں وہ حالت دیکھی تھی جب نام نہاد خلفائے رسول اللہ کے سامنے اُن کے دشمنوں کے سر کٹ کر آتے تھے اور وہ پھولے نہیں سماتے تھے، وہی تصویر شوق داستان آرائی میں دربار رسول کی بھی دکھلاتے ہیں پھر متاخرین آنکھ بند کر کے نقل کرتے ہیں۔ امام بخاری کی یہ خصوصیت ہے کہ نقل روایت میں جزئیات تک کا بھی لحاظ رکھتے ہیں لیکن ابن مسعود کا سر کاٹنا اور دربار میں پیش کرنا نہ خود اُنکی زبان سے مذکور ہے اور نہ حضرت انس بیان کرتے ہیں مگر ابن اسحٰق کو ایک مخزومی سے جسکا وہ نام بھی نہیں جانتے پتہ چل جاتا ہے۔

عقبہ ابن ابی معیط کے قتل کی روایت

ابن اسحٰق کی اب ایک دوسری روایت سنو! لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ مال غنیمت اور قیدیوں کو لیکر مدینہ چلے تو راہ میں دو قیدی عقبہ ابن ابی معیط اور نضر بن حرث کو قتل کرا دیا۔ عقبہ جسوقت قتل ہونے لگا بولا اے محمد اب میری بیٹی کی کون خبر لے گا۔ آپ نے جواب دیا آگ[۱]"

قبل اسکے کہ ہم اس روایت کی تنقیح کریں تمہیداً دو واقعات متعلق غزوۂ بدر بیان کرتے ہیں:۔

فوج قریش میں جب ابتری پھیل گئی اور وہ قتل و اسیر ہونے لگے تو ارباب سیر اور محدثین بالاتفاق لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے کہلا بھیجا کہ ابوالبختری اگر ملے قتل نہ کرنا گرفتار کر لینا۔ ابوالبختری وہ شخص تھا جسنے آنحضرتؐ اور مسلمانوں کو مکہ میں سخت اذیتیں دی تھیں

---

[۱] طبری صفحہ ۱۲۸۶ جزو دوم

لیکن واقعہ شعب ابوطالب میں ترک موالات والی تحریر کے پھاڑنے میں نیک سلوک کیا تھا، اسلئے آنحضرت نے اُسکو بچانا چاہا، مگر میدان جنگ میں جب ایک صحابی اُسکے قریب آئے اور کہنے لگے رسول اللہ نے اگر تیرے قتل سے ہمکو روکا نہ ہوتا تو میں تجکو مار دلیتا وہ بولا کیا میرے رفیق کیلئے بھی ایسا ہی حکم ہے انھوں نے کہا نہیں تب ابوالبحتری یہ رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا اور مارا گیا۔

لن یسلم ابن حرۃ زمیلہ   حتی یموت اویری سبیلہ

شریف زادہ اپنے رفیق کو چھوڑ نہیں سکتا   جبتک مر نجائے یا مرت کا راستہ دیکھلے

اسیران بدر میں ایک شخص سہیل بن عمرو تھا جو نہایت فصیح اللسان تھا اور عام مجموں میں آنحضرت کے خلاف جوشیلی تقریر کرکے نفرت پھیلاتا تھا حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ اسکے دو نچلے دانت اکھڑوا دیجئے کہ پھر اچھا نہ بول سکے۔ آنحضرت نے فرمایا اگر میں اسکا کوئی عضو بگاڑونگا تو گو نبی ہوں خدا اس کی جزا میں میرے اعضا بھی بگاڑیگا۔

اللہ اکبر جس بزرگ کے جذبات اس قدر کم ہوں اور جو عین میدان جنگ میں ایک دشمن کی سفارش کرے وہ دو قیدیوں کو جو بندھے ہوئے چلے آتے ہوں یوں بیدریغ قتل کردے اور ایسا سخت جواب دے جس سے قساوت کی بو آتی ہو۔ ابن اسحٰق نے کچھ بیان نہ کیا کہ خاص ان دو قیدیوں کے ساتھ یہ سخت برتاؤ کیوں کیا گیا پھر اس روایت کی سند میں کما حدثنی بعض اھل العلم من اھل مکۃ (مکہ کے بعض اہل علم نے مجھے یہ روایت کی ہے) لکھتے ہیں اور راوی کا نام نہیں لیتے ایک عجیب بات یہ ہے کہ

ان دو قیدیوں میں نضر بن حرث کے متعلق ابن ہشام لکھتے ہیں کہ بدر میں نضر بن حرث کے بعد ابو عزیز نے مشرکین کا علم سنبھالا[1] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ایک علمبردار مارا گیا تب دوسرے نے علم اُٹھایا۔

اصل وجہ

اصل یہ ہے کہ چونکہ بدر میں مہاجرین کو انتقام کا پہلا موقع ملا تھا اور انصار اپنے مظلوم بھائیوں کی حمایت میں نہایت برافروختہ تھے اکثر مشرکین قید ہو کر بھی قتل کئے گئے مثلاً ابن اسحٰق اور بخاری دونوں کہتے ہیں کہ اُمیہ بن خلف کو عبدالرحمٰن بن عوف نے اسیر کیا تھا حضرت بلال کی نظر جو وقت اُس پر پڑی چونکہ مکہ میں بحالت غلامی اُسکے ہاتھوں سخت اذیت اُٹھائی تھی پکارے اے گروہ انصار یہ اُمیہ ہے۔ فوراً لوگ دوڑے اور باوجودیکہ عبدالرحمٰن نے سابقہ ربط و ضبط کی بنا پر اُسکو بچانا چاہا لیکن انصار نے اسکو قتل کر دیا[2]۔ معلوم ہوتا ہے کہ عقبہ کو بھی کسی مہاجر یا انصار نے یونہی قتل کیا ہوگا اور آنحضرت کے ارشاد کی غلط روایت مشہور ہو گئی۔ غزوات خاصکر بدر کے متعلق بہت سی بے بنیاد روایات مکہ میں مشرکین نے پھیلائیں جو عام طور سے مشہور ہو گئیں۔ بنی اُمیہ کے عہد میں یہ فاسد مادہ اُچھلا۔ ابن اسحٰق نے اسی زہریلی ہوا میں ان دو قیدیوں والی روایت بیان کی جو اب نقل ہوتی چلی آتی ہے۔

شہدا اور مقتولان قریش کی تدفین

عہد جاہلیت میں عموماً عرب حیات بعد الموت کے قائل نہ تھے۔ ایک بدوی شاعر نے اُنکے خیالات کی ترجمانی اس شعر میں خوب کی ہے

[1] ابن ہشام جزو دوم صفحہ ۲۳ [2] بخاری کتاب الوکالۃ۔ طبری جزو دوم صفحہ ۲۰۳

اموت ثم بعث ثم نشر — حدیث خرافۃ یا ام عمرو

مرنا پھر زندہ ہونا پھر چلنا پھرنا — یہ تو خرافات باتیں ہیں اے عمرو کی ماں

قاتل سے بدلہ لینے کیلیے اُنکے وہم نے علم البتہ یہ عقیدہ تراشا تھا کہ ہامہ اور صدیٰ دو پرند جانور ہیں جو مقتول کے سر سے نکلکر آسمان پر چیختے پھرتے ہیں جب تک انتقام نہ لیا جائے لبید ایک نوحہ میں کہتا ہے ؎

فلیس الناس بعدک فی نفیر — وما ھم غیر اصداء وھام

ترجمہ :۔ تیرے بعد لوگ نوحہ کرنے والے نہیں ہیں۔ ہاں صدیٰ اور ہامہ "جوش انتقام میں" چیختے رہینگے۔

قرآن مجید نے ان توہمات کو دور کیا اور پُر زور اور مؤثر طریقہ پر جزا و سزا اور آخرت کا یقین دلایا لیکن جاہلیت کے خیالات یکایک دفع نہیں ہوتے جنگ بدر میں چودہ[۱۴] صحابی شہید ہوئے لوگوں نے کہا لو وہ مردہ اور بے نام و نشان ہو گئے۔ خدائے حی القیوم نے اپنے جانبازوں کے حق میں یوں ارشاد فرمایا :۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ — اور نہ کہو انھیں جو قتل کئے گئے اللہ

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ — کی راہ میں مردہ بلکہ زندہ ہیں لیکن

اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (بقرہ) — تم نہیں سمجھتے۔

بیشک شہدا زندہ ہیں مگر ہماری وہ آنکھیں نہیں جو ان نورانی پیکروں کا نظارہ کر سکیں وہ زندہ اور اُنکے کارنامے زندہ ہیں ع

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

دشمنوں کے مُردوں کے واسطے بھی رحمتِ عالم نے تدفین کا انتظام فرمایا

جو وقت سردارِ قریش عتبہ کی لاش پیوندِ خاک ہونے لگی اُسکے بیٹے حضرت ابو حذیفہ جو گروہ مہاجرین میں شامل تھے ضبط نہ کر سکے اور اُنکے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ آنحضرت نے فرمایا ابو حذیفہ کیا حال ہے۔ عرض کی یا رسول اللہ میرے باپ میں عقل حلم اور فضل کے صفات تھے مجھے اُمید تھی کہ وہ نورِ ایمان سے بھی فائز ہوگا لیکن افسوس اُسنے کفر پر جان دی۔ آنحضرت نے شفقت کے ساتھ غمگین بیٹے کو دعا دے کر کلمات تسکین فرمائے۔[۵۱]

تیسرے دن جب آنحضرت مدینہ روانہ ہونے لگے مقتولانِ قریش کے مدفن پر تشریف لائے اور عبرت و حسرت کے لہجہ میں[۵۲] ایک ایک کو خطاب کرکے فرمانے لگے "اے اہلِ قلیب (یعنی گڑھے میں پڑے ہوئے) تم اپنے نبی کے کیسے رشتہ دار تھے کہ غیروں نے تصدیق کی اور تم نے تکذیب۔ تم نے گھر سے نکالا اور غیروں نے جگہ دی۔ تم لڑنے آئے اور غیروں نے مدد کی۔ تم نے دیکھا خدا نے جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہوا۔"

آپ یوں مشغولِ کلام تھے کہ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ کیا مُردے بھی سنتے ہیں۔ آپنے فرمایا وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔[۵۳]

---

۵۱ طبری جزو دوم صفحہ ۲۰۵۔ ۵۲ مستشرقین یورپ زولا اور مار گولیوث وغیرہ نے اس واقعہ و فاتحانہ غرور اور بیدردی پر محمول کرکے عبارت آرائی کی ہے لیکن ~ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ۔
۵۳ بخاری کتاب المغازی۔

سورۂ انفال

عہد جاہلیت میں جنگ و جدال اور قتل و غارت قومی مفاخر سمجھے جاتے تھے جنکی نبیاد عصبیت، جہالت، تعلی اور لغویت پر تھی جیسا کہ بسوس، داحس، اور فجار وغیرہ لڑائیوں کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ اسلام کی تعلیم تمامتر تزکیہ نفوس اور صلاح قلوب تھی۔ چونکہ مکہ میں اذن قتال نہ تھا جنگ کے متعلق اصلاحات کا کوئی موقع نہ تھا لیکن جب مدینہ میں سنہ ۲ھ سے لڑائی کا سلسلہ شروع ہوا تو قرآن نے اُن نام نہاد قومی مفاخر کی نبیادیں ہلا دیں اور عدل و انصاف کی ترازو قائم کی اور آہستہ آہستہ عہد جاہلیت کے رذائل دور کرنا شروع کئے۔ سریہ نخلہ میں یہ ہی جاہلیت کا اثر تھا کہ رسول اللہ کی تحریر کے خلاف قتل و غارت کا واقعہ پیش آیا۔ غزوہ بدر میں مدینہ سے نکلتے وقت مسلمانوں کا ایک فریق اُسی جاہلیت کے شوق غارتگری میں نکلا تھا۔ میدان بدر میں بھی جب کفار کو شکست ہوئی تو وہی جاہلیت کے جذبات تھے کہ بعض قیدیوں کو بھی بیدریغ قتل کردیا اور مال غنیمت کے تقسیم پر اختلاف پیدا ہوگیا۔ آنحضرت نے لڑائی میں کام تقسیم کردیے تھے۔ کچھ لوگ محافظت مدینہ پر مامور تھے کچھ عین میدان میں مصروف پیکار تھے لیکن تعیز ن سب مجھے وہی لینا چاہتے تھے۔ پھر جسکے ہاتھ جو چیز لگی اُسپر بطور خود قابض ہونا چاہتا تھا لیکن یہ جاہلیت کی جنگ نہ تھی یہ ایک دینی فرض تھا جو وقت ضرورت رسول کی ہدایت میں ادا کیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

غنیمت کی تشریح اور اسکی کفالت

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ — پوچھتے ہیں تجھسے مال غنیمت کے متعلق

الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ الآیہ — کہدے غنیمتیں اللہ اور رسول کیلئے ہیں

غنیمت کے عوض انفال کا لفظ استعمال ہوتا ہے جسکے لفظی معنی زیادتی کے ہیں۔ جہاد کی غائت غلبہ اسلام یا پھر حصول شہادت غنیمت گھاتے میں ہاتھ آتی ہے اسلیے انفال کا لفظ استعمال ہوا اور فرمایا غنائم تمہارے کب ہیں۔ خدا سے ڈرو اور اپنے معاملات میں اصلاح کرو جب تم نے خدا اور رسول کی اطاعت میدان جنگ میں جان پر کھیل کر کی تو ابعید جنگ بھی سر اطاعت جھکاؤ۔ ایمان کی یہی نشانی ہے کہ ہر حال میں جب خدا کا ذکر ہو دل میں خشیت پیدا ہو اور اسباب ظاہری کو چھوڑ کر اسی پر بھروسہ کیا جائے۔ نماز کی پابندی کرو اور خیرات کی عادت ڈالو۔ غنیمت ذریعہ معاش نہیں اعمال حسنہ رزق کریم ہیں پھر جنگ بدر کے مختصر واقعات بیان کر کے ارشاد ہوتا ہے

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ	پس تم نے انکو قتل نہیں کیا لیکن
قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ	اللہ نے قتل کیا اور نہیں پھینکا تو نے جب
اللَّهَ رَمَىٰ	پھینکا لیکن اللہ نے پھینکا۔

دیکھو کس موقع پر کیسی خوبی سے علت و معلول کی بحث پر روشنی ڈالی اور فاعل حقیقی کی یاد دلائی۔ فاعل حقیقی وہی ایک ذات ہے

مدینے سے نکلتے وقت ایک فریق لشکر اعداء سے ایسا خائف تھا کہ گویا موت کے منہ میں جارہا ہے۔ بدر پہونچکر جب فوج قریش بڑے کروفر سے سامنے نظر آئی تو مسلمانوں کے دل بیٹھنا شروع ہوئے اسوقت خدا نے اپنی رحمت نازل کی۔ قلوب کو طمانیت حاصل ہوئی اور مسلمانوں نے آسانی سے میدان مار لیا۔ اب یہ کہنا کہ میں نے یوں حملہ کیا اور تلوار ماری

یں کافر قتل کئے۔ انانیت نہیں تو کیا۔ انسان بھی عجب مخلوق ہے مصیبت میں خدا یاد آتا ہے لیکن جب وہ حالت ٹلجاتی ہے اپنی خودی کے نشہ میں اُسکو بھول جاتا ہے مصیبت میں جبر کا احساس ہوتا ہے اور راحت میں اختیار کا دعویٰ لیکن جبر و قدر لفظی نزاعیں اور منطقی الجھاؤ ہیں انسان کو چاہئیے کہ اس عالم اسباب میں سبب اور مُسبب کے تعلق پر غور کرے علت و معلول اصل میں تقدم اور تاخر کا نام ہے ایجاد تخلیق کو اسمیں دخل نہیں فاعل حقیقی وہی ایک ذات پاک ہے۔

ہمارے راویوں نے اس پاکیزہ تعلیم پر جو توحید کی جان اور توکل کی روح ہے روایات کا پردہ ڈال دیا ہے اور کہنے لگے کہ لڑائی شروع ہوتے وقت آنحضرت نے ایک مٹھی خاک اُٹھاکر کافروں پر پھینکی وہ جس پر پڑی اُسدن قتل ہوا۔ بہرحال مشت خاک ہو یا تیر موحد کی نگاہ میں فاعل حقیقی خدا تھا۔

ان نکات کے سمجھانے کے بعد اب تقسیم غنائم کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ	اور جان لو تم نہیں لوٹا تم نے کچھ کہ
فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی	تحقیق خمس اسکا واسطے اللہ کے ہے اور
الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ	رسول کے اور قرابت والوں کے اور
وَابْنِ السَّبِیْلِ	یتیموں اور مسکینوں کے اور مسافروں
(انفال)	کیلیے۔

اس حکم کے مطابق مدینہ پہونچکر آنحضرت نے خمس نکالکر بقیہ مہاجرین اور انصار کو

بحصہ مساوی تقسیم کردیا۔ اور جن صحابیوں کو آپ نے ضرورتاً مدینہ میں حفظ و حراست کے کاموں کیلئے چھوڑا تھا اُن کو بھی شامل کرلیا۔

قیدیان بدر

عام روایت یہ ہے کہ آنحضرت نے قیدیوں کے معاملہ میں صحابہ سے مشورہ کیا حضرت عمر نے جو ایسے معاملات میں بہت سخت تھے کہا قتل کردیے جائیں عبداللہ ابن رواحہ انصاری یہود مدینہ کی صحبت کے اثر سے کہنے لگے جلا ڈالے جائیں لیکن حضرت ابوبکر نے عرض کی یارسول اللہ انکو فدیہ لے کر چھوڑ دیجیے۔ شاید دولت ایمان سے فیضیاب ہوں۔ آنحضرت نے یہ رائے پسند فرمائی مگر دوسرے دن جب حضرت عمر آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ اور ابوبکر رو رہے ہیں دریافت سے معلوم ہوا کہ خدا فدیہ لینے پر ناراض ہوا اگر اسکا عذاب نازل ہوتا تو بجز عمر اور سعد ابن معاذ کے کوئی نہ بچتا جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

فدیہ لے کر چھوڑنے کی بحث

یہ روایت یہانتک تو صحیح ہے کہ آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا اور فدیہ لیکر قیدیوں کو چھوڑا لیکن ذکر عذاب اور آیت قرآنی کے متعلق غلط فہمی پھیل گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ جنگ بدر سے دو ہی مہینے پہلے سریہ نخلہ میں مال غنیمت اور قیدی ہاتھ آئے تھے۔ صحابہ کا یہ فعل خلاف امر رسول تھا اور آپ نے اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا لیکن وقعہ بہرحال پیش آچکا تھا اور شہر حرام میں قتال کے جواز کی بحث چھڑ گئی تھی اسی اثنا میں غزوہ بدر پیش آیا مسلمانوں میں ایک فریق خواہشمند تھا کہ قافلہ ابوسفیان کا مال آسانی سے ملجائے پھر جب لڑائی پیش آئی اور کافروں کو شکست ہوئی تو یہ لوگ بڑھ بڑھ کر

غنیمت جمع کرنے اور قیدی پکڑنے لگے کہ زرِ فدیہ ہاتھ آئے۔ یہ حرص یہ طلب دنیا یہ جہاد فی سبیل اللہ میں ہوا و ہوس کی آسودگی وہ مذموم صفات تھے جنکی اگر اصلاح نہ ہوتی تو عذاب آتا اور نکھیں کھلتیں۔ قرآن نے جب تلوار اُٹھانے کی اجازت دی تو غایت اعلائے کلمۃ اللہ تھی نہ حصولِ غنیمت، کا فروں کا زور توڑنا تھا نہ قیدیوں کی تجارت اسلئے تہدیدی الفاظ میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔

مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ	لائق نہیں کسی پیغمبر کو جب ہوائے
لَهٗۤ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی	لیے قیدی یہاں تک کہ خونریزی کرے
الْاَرْضِ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا	زمین میں تم چاہتے ہو مال دنیا کا اور
وَاللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ	اللہ چاہتا ہے آخرت اور اللہ غالب
عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ لَوْلَا کِتٰبٌ	حکیم ہے، اگر نہ ہوتا لکھا اللہ کی طرف سے
مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّکُمْ فِیْمَاۤ	پہلے سے البتہ تمہارے اس لینے کی
اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ فَکُلُوْا	باعث پہونچتا بڑا عذاب پس کھاؤ
مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا	اُس سے جو لوٹا تم نے حلال پاک اور
وَّاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ	اللہ سے ڈرو بیشک اللہ غفور ہے رحیم
رَّحِیْمٌ (سورہ انفال)	ہے۔

مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت قیدیان بدر کے معاملہ میں نازل ہوئی ہم بھی کہتے ہیں کہ ہاں لیکن اسقدر اضافہ کرتے ہیں کہ نخلہ کے واقعات اس معاملہ کے جزو لاینفک ہیں

اُن کو ملاکر تب اس آیت کی تفسیر کرنا چاہیئے مطلب آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے اثخان فی الارض کے معنی اگرچہ خونریزی لیے جاتے ہیں لیکن اصل میں غلبہ حاصل کرنا اور زور توڑنا مراد ہے جیسا کہ سورۂ محمد میں مذکور ہے:۔

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا	پھر جب ملو تم کافروں سے پس
فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنْتُمُوهُمْ	مارو گردنیں یہاں تک کہ جب خون آلود
فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا	کردو تم اُن کو تو جکڑ دو بند حسن پھر چاہو
بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ	احسان کرو بعد اُسکے خواہ عوض لے لو
الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا	یہانتک کہ جب رکھدے لڑائی ہتیار

(سورۂ محمد) اپنے۔

جنگ بدر میں چونکہ بعضوں کی نیت خالص نہ تھی اسلیے یہ تہدید نازل ہوئی پھر اجازت دیگئی کہ ایسی خونریزی کے بعد جب کفار کا زور ٹوٹا اور غنیمت ملی وہ تم کو حلال ہے لیکن خدا سے ڈرتے رہنا اپنی نیتوں کو صاف رکھنا۔

الغرض اسیران بدر سے چار چار ہزار درہم (تخمیناً ایک ہزار روپیہ) فدیہ قبول کیا گیا لیکن جو بالکل نادار تھے وہ یونہی رہا کردیے گئے اُن میں سے جو لکھنا جانتے تھے اُنسے یہ شرط ہوئی کہ مسلمانوں کے دس دس بچوں کو یہ فن سکھادیں تب رہا ہوجائیں۔ قیدیوں میں جو زیادہ دولتمند تھے اُنسے معینہ رقم کچھ زائد لیا گیا۔ اُنہیں میں آنحضرت کے چچا عباس بھی تھے۔ انصار اُنکا فدیہ چھوڑنا چاہتے تھے لیکن آنحضرت نے یہ رعایت

گوارا نہ فرمائی البتہ جب آپ کی بیٹی زینب نے اپنے شوہر ابو العاص کے فدیہ میں وہ ہار بھیجا جو حضرت ام المومنین خدیجہ نے اُن کو جہیز میں دیا تھا تو جو وقت آنحضرت کی نظر اُس پر پڑی محبت والی بیوی کو یاد کر کے آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا مسلمانو! اگر تمہاری خوشی ہو تو بیٹی کو اُنکی ماں کی یادگار واپس کر دو۔ جانبازوں نے وہ ہار واپس کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ابو العاص کو "رشتہ در گردنم افگندہ دوست" کی کشش کھینچ لائی اور وہ ایمان لائے۔

بدر میں اگرچہ قریش کے منتخب سردار جو اسلام کی بیخکنی میں ہر وقت ساعی رہتے تھے قتل ہو گئے لیکن انکے انتقام کا جوش مکہ کے بچہ بچہ کے دل میں پیدا ہو گیا۔ پُر درد مرثیے کہے گئے جن سے یہ آگ اور مشتعل ہو گئی آجکل جو کام پریس سے لیا جاتا ہے وہ اُس زمانہ میں اشعار سے لیتے تھے۔ عرب فطرتاً جوشیلے پھر اُنکے اشعار جذبات کے خرمن میں دیا سلائی کا کام دیتے تھے یہ اشعار ابن اسحٰق نے نقل کئے ہیں مثلاً ھند زوجہ ابو سفیان نے اپنے باپ بھائی اور بیٹے کا مرثیہ لکھا۔ اسیطرح ابوجہل کا مرثیہ اُسکے بھائی حرث ابن ہشام نے اور نضر بن حرث کا اُنکی بہن قتیلہ نے لکھا ہے[1]۔

غزوہ بنی قینقاع مدینے کے یہود بنی قینقاع کے متعلق ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ کس طرح وہ اسلام کا استہزا کرتے تھے اور عام طور سے نفرت پھیلاتے تھے۔ اذن قتال کے بعد جو معاہدہ آنحضرت اور یہود میں ہوا تھا، اُس میں دشمن کے مقابلہ میں باہمی امداد کی بھی شرط تھی لیکن بدر میں امداد کیا معنی بنی قینقاع نے فتح اسلام کی خبر سنکر آتش حسد سے جلکر

---

[1] ابن ہشام جزو دوم صفحہ ۳۰۲ لغایتہ ۳۱۶

ایسے حرکات شروع کئے جو امن وامان کے مضر اور عہد کے خلاف تھے۔ ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ ایک مسلمان عورت بنی قینقاع کی بازار میں سودا لینے آئی ایک یہودی نے اُسکے ساتھ فحش مذاق کیا یہ دیکھکر ایک مسلمان نے جوش غضب میں حملہ کیا اور جسطرح حضرت موسیٰ نے ایک قبطی کو مار ڈالا تھا اُس یہودی کو قتل کر دیا۔ یہود نے بجائے اسکے کہ نفس معاملہ پر غور کر کے آشتی کے ساتھ چارہ جوئی کرتے اُس مسلمان کو فوراً قتل کر ڈالا جس سے فریقین میں مخالفت کی آگ بھڑک اُٹھی۔ آنحضرت بنی قینقاع کے پاس تشریف لیگئے اور فرمایا خدا سے ڈرو لیکن اِن لوگوں کو اپنی قوت اور ہتیاروں کے ذخیرہ پر ناز تھا بولے ہم قریش نہیں ہیں ہم سے جب معاملہ پڑیگا معلوم ہوجائیگا۔ واقعات کی یہ صورت تھی جسکی بنا پر ابن اسحٰق اور ابن سعد دونوں لکھتے ہیں کہ یہود میں پہلے بنی قینقاع نے عہد شکنی کی۔

آنحضرت بدر سے واپس آکر شوال میں اُنکے مقابلہ کو نکلے وہ قلعہ بند ہوگئے مگر پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد عاجز آکر اسپر راضی ہوئے کہ آنحضرت جو فیصلہ فرمائیں وہ اُنکو منظور ہے عبد اللہ ابن اُبی انکا حلیف تھا اُس نے سفارش کی چنانچہ مدینہ سے یہ لوگ اپنی جائداد چھوڑ کر جلاوطن ہوگئے اور شام کے علاقہ میں آباد ہوگئے۔

غزوۃ السویق ابو سفیان نے واقعہ بدر سے جوش میں آکر قسم کھائی تھی کہ جبتک مقتولان بدر کا انتقام نہ لونگا نہ سر میں تیل ڈالونگا نہ غسل کرونگا۔ اس اُمید پر کہ یہود مدینہ سے مدد دینگے، اُسنے اسی سال کے آخر ماہ ذیحجہ میں دو سو تیز رفتار شتر سوار ہمراہ لیے اور رسد کیلیے صرف سویق یعنی ستو لیلیے۔ تاریکی شب میں مدینہ کے قریب پہونچکر وہ پہلے حیی بن خطب یہودی

کے پاس گیا مگر اُسنے دروازہ نہ کھولا تب سلام بن مشکم جو قبیلہ بنی نضیر کا ایک متمول سردار تھا اسکے گھر آیا اُسنے گرمجوشی سے استقبال کیا اور مدینہ کے مخفی راز بتارے صبح کو ابوسفیان نے یکایک عریض پر جو مدینے سے تین میل ہے چھاپہ مارا ایک انصاری کو قتل کیا اور چند مکانات اور گھانس کے انبار جلا دیے۔ آنحضرت کو خبر ہوئی فوراً مقابلہ کو نکلے مگر چالاک ابوسفیان اپنے نزدیک قسم پوری کرکے بھاگا اور راہ میں ستو کے بورے بوجھ ہلکا کرنے کیلیے پھینکتا گیا جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

غزوۂ اُحد

سنہ ۳ھ

قریش کی تیاری

ابوسفیان نے مدینہ پر چھاپہ مار کر اگرچہ اپنی قسم پوری کرلی تھی لیکن مجموعی حیثیت سے قومی انتقام باقی تھا جسکے لیے بڑی طیاریاں ہو رہی تھیں۔ قافلہ تجارت جو جنگ بدر کے زمانہ میں شام سے نفع کثیر کے ساتھ واپس آیا تھا اُسکا زر منافع سب انتظام جنگ کے لیے مخصوص کردیا گیا اور کوشش کیگئی کہ قبائل عرب بھی شریک ہوجائیں۔ چنانچہ ابوعزہ عمروجمحی ایک مشہور شاعر نے جو جنگ بدر میں گرفتار ہوا تھا اور جسے آنحضرت صلعم نے اُسکے افلاس کے باعث احسان رکھکر چھوڑ دیا تھا مع ایک رفیق شاعر کے قبائل میں گشت کرکے اپنے پُرجوش اشعار سے مخالفت کی آگ لگادی یہانتک کہ بنی کنانہ اور بنی مالک قریش کے شریک ہوگئے۔

مدینے کے قبیلہ اوس کا ایک بااثر شخص ابوعامر جسے اُسکی زہد و عبادت کی وجہ سے راہب کہتے تھے اور ہجرت رسول اللہ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد آتش عناد و حسد سے جلکر مع اپنے متوسلین کے مدینہ چھوڑ کر مکہ میں مقیم ہوگیا تھا قریش کا شریک ہوگیا اور لڑنے کیلیے ہمراہ ہوگیا۔ اِس کینہ ور راہب نے آئندہ واقعات میں بھی حصہ لیا چنانچہ غزوۂ حنین میں بھی یہ دشمنوں کا شریک تھا پھر فتح اسلام سے پیچ و تاب کھاکر شام چلا گیا اور قیصر کو آمادہ جنگ کرنے میں کوشاں رہا سنہ ۹ھ تک اس مفسد کا فتنہ باقی رہا اور

یہ منافقین مدینہ سے سازش کرتا رہا جسکی تشریح مسجد ضرار کے سلسلہ میں آئندہ بیان[۵] ہوگی

الغرض قریش نے انتقام کیلیے بڑی طیاریاں کیں۔ ایک اور کارروائی یہ کی گئی کہ معزز خاتونان قریش جن کے اعزا بدر میں قتل ہوئے تھے اور جو جوش انتقام میں دیوانی ہورہی تھیں ہمراہ لی گئیں اُن میں ابوسفیان، عکرمہ ابن ابوجہل اور عمر بن العاص کی بیویاں ہند، ام حکیم، اور ریطہ، مصعب بن عمیر کی ماں خناس بنت مالک۔ خالد بن ولید کی بہن فاطمہ زوجہ حرث بن ہشام، مسعود ثقفی کی بیٹی برزہ زوجہ صفوان بن اُمیہ خاص طور سے مشہور ہیں جبیر بن مطعم کا ایک غلام حبشی تھا جو نیزہ پھینک کر مارنے میں کمال رکھتا تھا وہ آمادہ کیا گیا کہ کسی طرح حضرت حمزہ؄ کو جنکے ہاتھ سے ہند کا باپ عتبہ اور جبیر کا چچا قتل ہوئے تھے فنا کردے تو وہ اس صلہ میں آزاد کردیا جائیگا۔

آنحضرت کا مدینہ سے باہر نکلنا

ان انتظامات کے بعد ابوسفیان تین ہزار فوج کے جھرمٹ میں مکہ سے نکلا آنحضرت ﷺ کو جس وقت یہ خبر ملی صحابہ سے مشورہ کیا۔ بعض نے باہر نکلکر لڑنے کی رائے دی مگر بعض شہر کے اندر ٹھہر کر لڑنا چاہتے تھے لیکن آنحضرت نے جنگ بدر کیطرح اس مرتبہ بھی باہر نکلکر لڑنا پسند فرمایا۔ کیونکہ شہر کے اندر منافقین کی شرارت اور یہود کے نقض عہد کا بحالت محصوری اندیشہ تھا۔ ارباب سیر نے اگرچہ ان وجوہ پر کافی غور نہیں کیا۔ لیکن واقعات یہی معلوم ہوتے ہیں۔ عبداللہ ابن ابی منافق کو جسکی رائے شہر کے اندر ٹھہرنے کی تھی اب ایک بہانہ ہاتھ آگیا۔ آنحضرت ۱۵ شوال جمعہ کے دن جب ایک ہزار کی جمعیت سے باہر نکلے تو ابن اُبی

---

[۵] دیکھو مارگولیوث لائف آف محمد صفحہ ۲۷۳

تین سو آدمیوں کو اپنے ساتھ توڑ کر مدینہ واپس آگیا۔ اب صرف سات سو مہاجرین و انصار ہمراہ تھے۔

مدینے سے جانب شمال و مغرب قریب ایک گھنٹہ کے راستہ پر ایک پہاڑ تھا جسکو اُحد کہتے تھے وادی کے قریب کو ہستانی سلسلہ سے یہ الگ نظر آتا تھا۔ اور شرق سے مغرب تک چار میل تک پھیلا ہوا تھا۔ آنحضرتؐ نے اُس پہاڑ کو پشت پر رکھ کر صف بندی کی۔ مشرق کی طرف کوہ عینین تھا جسمیں ایک درہ تھا جدھر سے کفار کے گھس آنیکا اندیشہ تھا اسلیے آنحضرتؐ نے پچاس تیر انداز عبداللہ ابن جبیر کی ماتحتی میں حفاظت کیلیے مقرر کیے اور حکم دیا کہ وہ آخر تک وہیں ٹھیرے رہیں اور اپنی جگہ سے جنبش نہ کریں۔ اب لڑائی کی کیفیت قرآن میں یوں مذکور ہوتی ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰہُ	اور بیشک اللہ نے تم سے سچا کیا
وَعْدَہٗ اِذْ تَحُسُّوْنَھُمْ بِاِذْنِہٖ	وعدہ اپنا جب قتل کرتے تھے تم انہیں
حَتّٰی اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ	اللہ کے حکم سے یہانتک کہ جب نامردی
فِی الْاَمْرِ وَعَصَیْتُمْ مِّنْ بَعْدِ	کی تم نے اور جھگڑے تم کاموں میں اور
مَآ اَرٰکُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْکُمْ	نافرمانی کی تم نے بعد اسکے کہ دکھادیا
مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْکُمْ	تم کو وہ جو چاہتے تھے۔ تم میں سے بعض
مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ ثُمَّ صَرَفَکُمْ	وہ ہیں کہ چاہتے ہیں دنیا اور بعض آخرت
عَنْھُمْ لِیَبْتَلِیَکُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْکُمْ	پھر پھیر دیا تم کو اُنسے تاکہ آزمائے تم کو

وَاللّٰہُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ اور بیشک معاف کیا تم سے اور اللہ
اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ صاحب فضل ہے مومنوں پر جب تم
وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ فِیْٓ چڑھے جاتے تھے اور نہیں پھرتے تھے
اُخْرٰىکُمْ فَاَثَابَکُمْ کسی پر اور رسول بلاتا تھا تم کو تمہارے
غَمًّا بِغَمٍّ لِّکَیْلَا تَحْزَنُوْا پیچھے سے پھر پہونچا تم کو غم پر غم تاکہ نہ
عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا مَآ رنجیدہ ہوا کرو اس پر جو گم ہوا تم سے اور اس پر
اَصَابَکُمْ وَاللّٰہُ خَبِیْرٌ جو پہونچا تم کو اور اللہ خبردار ہے جو تم
بِمَا تَعْمَلُوْنَ کرتے ہو۔

جنگ احد میں تین مختلف مناظر سامنے آئے جنکی تفصیل یہ ہے۔

(۱) پہلا منظر قریش کی پسپائی

سب سے پہلے نام نہاد راہب ابوعامر اپنی جماعت کو لے کر نکلا اور پکارا۔ اے اہل مدینہ مجھے پہچانتے ہو میں تمہارا ابوعامر ہوں۔ انصار نے جواب دیا ہاں اے فاسق ہم تجھے خوب پہچانتے ہیں پھر تیر اور پتھر چلنے لگے۔

قریش کا علمبردار طلحہ مبارز طلبی کرتا ہوا نکلا اور پکارا مسلمانو تم کہتے ہو کہ تمہاری تلواریں ہم کو دوزخ میں بھیجتی ہیں اور ہماری تم کو بہشت میں۔ اب کوئی ہے جو میرے سامنے آئے میں اسکو بہشت پہونچا دوں۔ فوراً حضرت علی مرتضیٰ صف لشکر سے نکلکر اسکے مقابل ہوئے

ذوالفقار کی بجلی چمکی اور چشم زدن میں طلحہ فی النار ہو گیا۔ باپ کا بیٹا عثمان علم سنبھالے ہوئے نکلا اور نیزہ ہلاتا ہوا بڑھا مگر حضرت حمزہؓ نے اس صفائی سے اُسکے شانہ پر تلوار ماری کہ کمر تک اُتر آئی۔ اب جنگ عام شروع ہو گئی۔ قریش جوش انتقام میں دیوانہ وار بڑھے پیچھے پیچھے ہند زوجہ ابو سفیان زنان قریش کو لیے ہوئے دف پر اشعار جنگ پڑھتی ہوئی اور جوش دلاتی ہوئی چلی اور تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔

اُس وقت حضرت سعد ابن وقاص اور عاصم بن ثابت نے جو مشہور تیر انداز تھے چُن چُن کر نشانے اُڑانے شروع کیے ساتھ ہی حضرات حمزہؓ علیؓ اور زبیرؓ غضبناک شیروں کی طرح جھپٹے اور اپنی آبدار تلواروں کے جوہر دکھا کر صفیں اُلٹنے لگے۔ آنحضرت نے دست مبارک میں تلوار لے کر فرمایا کون ہے جو اسکا حق ادا کرے۔ جانبازوں نے ہاتھ بڑھائے مگر آپ نے وہ تلوار حضرت ابو دجانہ انصاری کو جو عرب کے مشہور پہلوان تھے عطا کی۔ وہ اس عزت افزائی پر ناز کرتے ہوئے سر پر ایک سرخ رومال باندھ کر اکڑتے تنتے نکلے۔ یہ دیکھ کر آنحضرت نے فرمایا یہ چال خدا کو پسند نہیں لیکن ایسے موقع پر روا ہے۔ ابو دجانہ بے خوف و خطر لشکر اعدا میں گھسے اور بے تیزی اور صفائی سے تیغ زنی کرنے لگے کہ لاش پر لاش گرنے لگی۔ بڑھتے بڑھتے یہ اُس مقام پر پہونچے جہاں ہند زوجہ ابو سفیان جوش دلا رہی تھی آپ نے اسکے سر پر تلوار رکھ دی پھر فوراً اُٹھالی کہ رسول اللہ کی تلوار ایک عورت کے خون سے کیا رنگین کریں۔

حضرت حنظلہ ابو عامر راہب کے بیٹے ایمان لا چکے تھے اس موقع پر دشمنوں کی صفیں چیرتے ہوئے ابو سفیان تک پہونچے اور جھپٹ کر چاہا کہ فیصلہ کر دیں یکایک ایک کافر نے پہلو

نکلکر ایسا وار کیا کہ یہ وہیں گرے اور جاں بحق تسلیم ہوئے۔

قریش اپنا علم گرنے نہیں دیتے تھے ایک علمبردار مارا جاتا تھا تو دوسرا فوراً موجود ہوجاتا تھا۔ اُسدن اُن کے متعدد علمبردار قتل ہوئے یہاں تک کہ اُنکی فوج میں ابتری پھیلنا شروع ہوئی کچھ لوگ بھاگے اور اُنکے ساتھ عورتیں بھی۔ یہ دیکھکر مسلمانوں نے صف بندی چھوڑکر مال غنیمت لوٹنا شروع کیا۔ درہ عینین کے پچاس تیرانداز جواب تک خاموش اپنی جگہ پر جمے ہوئے تھے اب ضبط نہ کرسکے اور شوق غنیمت میں اپنی جگہ چھوڑ کر دوڑے عبداللہ ابن جبیر اُنکے سردار نے بہت روکا مگر سوائے چند شخصوں کے کسی نے نہ سُنا۔ آنحضرت نے میدان کا یہ رنگ دیکھکر لوگوں کو آواز دی کہ ابھی عجلت نہ کریں لیکن انہوں نے توجہ نہ کی۔

دوسرا منظر فوج اسلام کو چشم زخم اور آنحضرت کا زخمی ہونا

خالد ابن ولید نے جو وقت میدان کا یہ نقشہ دیکھا فوراً اپنے سواروں کا دستہ اور عکرمہ ابن ابی جہل کا رسالہ ساتھ لیکر درہ کوہ کیطرف حملہ کردیا۔ عبداللہ ابن جبیر مع اپنے چند ساتھیوں کے بہادری سے لڑتے ہوئے اُسی جگہ شہید ہوگئے۔ خالد نے درہ سے نکلتے ہی پشت پر حملہ کردیا اور زور و شور سے لڑنا شروع کیا۔ یہ دیکھکر ایک بہادر عورت عمرہ بنت علقمہ نے قریش کا علم جو سرنگوں پڑا تھا اُٹھا کر بلند کیا جسکو دیکھتے ہی کفار پلٹ پڑے اور مسلمان دو طرف سے گھر گئے۔ غضب ہوا کہ اب صفوں کی ترتیب تھی اور نہ بدحواسی میں دوست دشمن کی تمیز حضرت حذیفہ غل مچاتے رہے کہ یہ میرے والد یمان ہیں مگر کسی نے نہ سُنا

حضرت حمزہ کی شہادت

اور وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ حضرت حمزہ جو دشمنوں سے لڑتے ہوئے دور نکل گئے تھے جب اس مقام پر آئے جہاں حبشی ایک پتھر کی آڑ میں تاک لگائے بیٹھا تھا، یکایک اُسنے حربہ پھینک کر آپ کو مارا جو آپکے زیر ناف لگا اور پار ہوگیا آپ اُسپر جھپٹے مگر زخم کاری تھا لڑکھڑا کر گرے اور وہیں بہشت بریں کو سدھارے۔ حضرات ابو دجانہ زبیر اور علی اور دوسرے شجاعان اسلام میدان میں مختلف مقامات پر تھے کہ یکایک کفار اُس مقام پر سمٹ کر آگئے جہاں آنحضرت قیام پذیر تھے اُسوقت جو چند صحابہ آپکے گرد تھے اپنی جانیں فدا کرنے لگے۔ علمبردار اسلام حضرت مصعب ابن عمیر جو شکل میں آنحضرت سے مشابہ تھے اُن پر ابن قمیہ نے بڑھ کر حملہ کیا اور وہ شہید ہوگئے۔ ہر طرف سے تیر پتھر اور تلواریں برسنا شروع ہوئیں حضرت سعد ابن وقاص تیروں سے دشمنوں کو روک رہے تھے حضرت طلحہ نے اپنا ہاتھ آنحضرت پر سپر کرلیا مگر تلوار سے کٹ کر گر پڑا۔ ایک پتھر دہن مبارک پر لگا جس سے دُر دندان شکستہ ہوگئے۔ ابن قمیہ نے بڑھ کر فرق مبارک پر تلوار ماری جسکے صدمہ سے مغفر کی دو کڑیاں ٹوٹکر چہرۂ انور میں چبھکر رہ گئیں۔ ابن قمیہ نے اب نعرہ مارا اور آپکی شہادت کا غل مچگیا مسلمانوں کے دلوں پر بجلی گری کچھ لوگ مدینہ کیطرف بھاگے اور اکثر وہیں پتھروں کی آڑ میں چھپ گئے۔ پھر بھی چند شجاعان اسلام غم و غصہ سے بیتاب ہو کر لڑتے بھڑتے آپ کو تلاش کرتے ہوئے دوڑے کچھ شہید ہوگئے جن میں حضرت انس بن النضر خاص طور سے مشہور ہیں انھوں نے چند مسلمانوں کو پتھروں کی آڑ میں دیکھکر پوچھا یہاں کیا کر رہے ہو جواب ملا رسول اللہ شہید ہوگئے اب کیا کیا جائے۔ بولے بھائیو! اُٹھو اور جس امر پر رسول اللہ

آنحضرت کا زخمی ہونا

نے جان دی ہم بھی اُسی پر جان دیدیں۔ یہ کہا اور دشمنوں میں گھس کر بخوف و خطر لڑنے لگے۔ یہانتک کہ اسّی زخم کھاکر فردوس بریں کو پہونچے۔

لشکر اعدا میں ابن قمیہ کی آواز سے دہوم مچی تھی اُن کے دل بڑھ گئے تھے اور مسلمان بیدریغ قتل ہورہے تھے زنان قریش جو بھاگ چکی تھیں لوٹ آئیں۔ حبشی نے حضرت حمزہ کا جگر نکال کر ہندز وجۂ ابوسفیان کے سامنے پیش کیا جسے وہ جوش انتقام میں چبانے لگی تاریخ نے اس درندگی کو اُسکے پوتے یزید کے ہاتھوں پھر اُس دن یاد دلایا جب جگر پارۂ رسول کا سر مبارک دربار دمشق میں اُس پلید کے سامنے طشت میں دکھا گیا! ہند نے اسی پر اکتفا نہ کرکے زنان قریش کے ساتھ مقتل کی راہ لی اور لاشوں کا مثلہ کرکے شہدا کے اعضا ہار بناکر گلے میں ڈالے۔

آنحضرت کے چہرۂ مبارک سے خون جاری تھا دشمنوں کی طرف دیکھکر فرمایا وہ قوم کیونکر فلاح پائیگی جو اپنے نبی کے ساتھ ایسا سلوک کرتی ہے پھر درگاہ باری میں دعا کی۔

اللھم اغفر لقومی فانھم	خداوندا میری قوم کو بخش دے
لا یعلمون	وہ جانتے نہیں ہیں۔

تیسرا منظر فوج قریش کا میدان چھوڑنا اور آنحضرت کا اُنکے پیچھے روانہ ہونا

جان نثاروں کی ایک جماعت جب آنحضرت کے گرد جمع ہوگئی تو آپ کفار کی کھلی زد سے ہٹ کر پہاڑ کے ایک محفوظ مقام میں تشریف لائے۔ حضرت ابوعبیدہ نے

مغفر کی کڑیاں اپنے دانتوں سے کھینچکر نکالیں جس سے اُنکے سامنے کے دانت ٹوٹ گئے حضرت علی مرتضیٰ سپر میں پانی لائے اور زخم دھوئے گئے مگر خون بند نہیں ہوتا تھا حضرت فاطمہ نے جو حادثہ کی خبر سُنکر مدینہ سے دوڑی آئی تھیں چٹائی جلاکر زخم کو بھرا۔

اب شام ہو رہی تھی ابو سفیان سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کے فاتحانہ غرور کے ساتھ آنحضرت اور اکابر صحابہ کے نام لے لے کر پکارنے لگا یہ گویا کشتگان بدر کا بدلہ تھا جنکے مقتل پر آنحضرت نے عبرت کے لہجہ میں خطاب کیا تھا۔ ابو سفیان کو جب کچھ جواب نہ ملا بولا وہ سب رخصت ہو گئے۔ پھر جوشِ مسرت میں اپنے بڑے بت ہُبل کی جے پکاری۔ حامئی توحید اب خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔ زخمی لبوں سے ارشاد فرمایا اب جواب دو اللہ اعلیٰ واجل ابو سفیان سمجھ گیا کہ آنحضرت زندہ ہیں فوراً ایک گروہ ساتھ لے کر چاہا درّے میں گھس کر پھر مقابلہ کرے مگر حضرت عمر نے چند صحابیوں کے ساتھ پتھر برسانا شروع کئے۔ ابو سفیان یہ خیال کر کے کہ اب اسوقت زخمی شیروں کو چھیڑنا مناسب نہیں ہٹ گیا۔

قریش کے مقتولوں کی تعداد ۲۲ تھی مسلمانوں کیطرف ۷۰ شہید اور بیقدر زخمی تھے تاہم آنحضرت کے گرد پہاڑ پر اسوقت کافی تعداد جمع تھی۔ ابو سفیان کے سامنے اب تین صورتیں تھیں۔

(۱) رات ہو جانے سے آرام لینا اور دوسرے دن پھر لڑنا لیکن وہ دیکھ چکا تھا کہ صبح کو کس طرح قریش کا لشکر پہلے پسپا ہو چکا تھا اور اگر وہ مینن کو مسلمانوں نے چھوڑ دیا ہوتا تو یہ حالت نہ ہوتی۔ اب اگر دوسرے دن لڑائی ہوتی آج کے دن کا بدلہ بڑے جوش وخروش

سے لیا جائے گا۔

(۲) مدینہ پر حملہ کرنا۔ لیکن وہ دیکھ رہا تھا کہ آنحضرتؐ کے گرد مسلمان مجتمع ہوگئے اب اگر وہ مدینہ کی طرف بڑھا تو اُسکی فوج پر پیچھے سے حملہ ہوگا اور دو طرف لڑنا پڑیگا۔

(۳) اس دن کی کامیابی کو غنیمت سمجھ کر اور کشتگان بدر کا بدلہ ملکر مکہ واپس جانا یہ صورت اسکو بہتر معلوم ہوئی۔

ادھر آنحضرت منتظر تھے کہ فوج قریش اب کیا کارروائی کرتی ہے تاکہ ویسی تدبیر کیجائے۔ چنانچہ شب کو آپنے حضرت علی کو خبر لانے بھیجا اور فرمایا کہ اگر اونٹوں پر سوار اور گھوڑے کوتل کرتے ہوں تو سمجھنا کہ مکہ جاتے ہیں۔ ورنہ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت علی نے اول الذکر صورت معائنہ کرکے اطلاع دی کہ قریش مکہ کی طرف رُخ کرتے ہیں۔[1]

شہدا کی تدفین الغرض جب لشکر قریش سے میدان خالی ہوگیا آنحضرت نے شہدا کے دفن کا انتظام کیا۔ اُسوقت تک مدینہ سے عورتیں بھی حادثہ کی خبر سُنکر آگئی تھیں حضرت حمزہؓ کی بہن صفیہ آنحضرت کی پھوپھی بھائی کی نعش کی طرف چلیں آنحضرتؐ نے زبیر سے فرمایا اپنی ماں کو اُدھر جانے نہ دو۔ صفیہ نے جوقت یہ پیغام سُنا کہنے لگیں ہیں سُن چکی ہوں کہ میرے بھائی کا کیا حال ہوا۔ خدا کی راہ میں یہ کچھ بھی نہیں جو مرضی مولا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اچھا جانیدو صفیہ نے بھائی کی نعش پر ایک نظر ڈالی کلیجہ منہ کو آگیا پھر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اور کلمۂ مغفرت کہتے ہوئے لبوں سے دعائے مغفرت مانگی۔[2]

[1] ابن ہشام صفحہ ۵۸۰ [2] طبری جلد دوم صفحہ ۱۴۲۵

حضرت حمزہ کے متعلق ایک بیہودہ روایت کی تردید

حضرت حمزہ چچا ہونے کے علاوہ آنحضرت کے رضاعی بھائی بھی تھے اور بچپن سے محبت تھی جسطور سے آپ کے ایمان لانے کا واقعہ ہم نے اوپر لکھا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت کو کسقدر آپ عزیز رکھتے تھے آپ کی شجاعت کی وہاک بیٹھی ہوئی تھی آنحضرت کو آپکی شہادت سے نہایت غم ہوا صحابہ نے مدتوں آپکا ماتم کیا۔ اموی دربار میں البتہ بعض جھوٹی روایات آپ کے متعلق مشہور ہو گئیں جو کتب احادیث میں نقل ہو گئیں مثلاً آپکا حضرت علی کے اونٹوں کا کلیجہ نکال کے مدینہ میں ایک مکالمہ رنداں میں پیش کرنا پھر نشہ کی حالت میں آنحضرت کو جو وہاں رفع شر کیلیے تشریف لائے تھے سخت و سُست کہنا۔ یہ بیہودہ روایت اپنا پردہ آپ فاش کرتی ہے اسکی عبارت سے اموی دربار کی مستیاں ٹپکتی ہیں جنگ اُحد میں ہندز وجہ ابوسفیان نے حضرت حمزہ کا جو جگر چبایا تھا وہ اُن اونٹوں کا گویا قدرت کیطرف سے انتقام تھا اور سادہ لوح واعظین کی گرمی سخن کیلیے ایک دلچسپ قصہ ہے! اب سلسلۂ روایت سنو!

حضرت علی مرتضی اپنے شیر دل چچا کی فضیحت کا واقعہ اپنے لخت جگر خاص آل عبا حضرت شہید کربلا سے بیان فرماتے ہیں وہ اُسکو اپنے بیٹے امام زین العابدین سے نقل فرماتے ہیں وہ پھر اموی دربار کے مقرب زہری سے نقل فرماتے ہیں اور اسطور سے یہ روایت اُمت محمدی کو پہونچتی ہے پھر جناب مارگولیوث اس روایت کے کڑوے کریلے کو نیم پر چڑھاتے ہیں[۱]!

---

[۱] محمد اینڈ رائز آف اسلام صفحہ ۲۰۱

کیا عجیب بات ہے کہ یہ واقعہ اُسوقت کا بیان کیا جاتا ہے جب حضرت حمزہ دس برس تک صحبت رسول کریم میں رہ کر فیض اُٹھا چکے تھے اور غزوہ بدر میں کارہائے نمایاں کرکے واپس آئے تھے۔ شارحین حدیث ابن حجر وغیرہ لکھتے ہیں کہ نشہ کی حالت میں گرفت نہیں حضرت علی کو آنحضرتؐ نے اونٹوں کا تاوان ولا دیا ہوگا۔ مگر افسوس ان علماء نے تاویل سے تو خوب کام لیا لیکن روایت کو نور فراست سے نہ دیکھا۔ اب اموی دور کی سیاہیاں خواب و خیال ہوگئی ہیں۔ وہ زہریلی ہوا جس میں اس قسم کی روایتوں کی نشوونما ہوئی صاف ہوگئی ہے قرآن پاک نے ہم کو سمجھا دیا ہے کہ اہل کتاب کی طرح احبار و رہبان کو اربابا من دون اللہ نہ بنائیں۔ صحیح مسلم میں ایک روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس کے پاس لوگ ایک کتاب لائے جس میں حضرت علی کے فیصلے قلمبند تھے ابن عباس نے ایک گز کی مقدار چھوڑ کر باقی کتاب مٹادی۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابن عباس نے صرف اُن فیصلوں کے مضمون سے یہ قیاس کرلیا کہ وہ صحیح نہیں ہوسکتے اس بات کی ضرورت نہیں سمجھی کہ رواۃ اور سند کا پتہ لگائیں[۱]۔

غزوۂ اُحد و قرآن پاک

غزوۂ اُحد کا بیان سورۂ آل عمران کی چالیس[۴۰] آیتوں میں مذکور ہے جن میں تصریح واقعات اور تلقین صبر کے بعد ایک خاص تعلیم دی گئی ہے:۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ — اور نہیں محمدؐ مگر پیغمبر بیشک گزرے

خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ — پہلے اس سے بہت پیغمبر آیا اگر وہ مرجا

[۱] سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۲۰۵

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ... اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی | یا قتل ہو جائے تم پھر جاؤ گے اپنی ایڑیوں
اَعْقَابِکُمْ وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی | پر اور جو پھرے اپنی ایڑیوں پر پس نہ
عَقِبَیْهِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیْئًا | بگاڑے گا اللہ کا کچھ اور اب عوض دیگا
وَسَیَجْزِی اللّٰهُ الشّٰکِرِیْنَ | اللہ شکر کرنے والوں کو۔

خاصان خدا کی زندگی تمام تر دین کیلیے وقف ہوتی ہے۔ انکی تعلیم مرنیکے بعد بھی زندہ رہتی ہے۔ یہود نے حضرت عیسٰی کو دار پر کھینچ دیا تو کیا ہوا تاریخ شاہد ہے کہ آپ کی تعلیمات کا علم آجتک سر بلند ہے۔ آنحضرت کی شہادت کی خبر کفار نے احد میں اڑا دی تو کیا ہوا آپ تکمیل دین کیلیے زندہ رہے پھر جب وفات پائی تو کیا ہوا قرآن آج تک ویسا ہی ہدایت کا آفتاب ہے اور قیامت تک یوں ہی چمکتا رہیگا۔

مصطفٰے را وعدہ داد الطاف حق گو بمیری تو نمیرد این سبق

بدر کا اور بیر معونہ کے حادثے

قیام مکہ کے زمانہ میں آنحضرت کو ایام حج میں جبکہ مختلف قبائل عرب دور دراز مقامات سے کعبہ کی زیارت کو آتے تھے تبلیغ اسلام کا موقع ملجاتا تھا لیکن مدینہ میں آکر یہ صورت نہ رہی قریش کا چونکہ مذہبی اثر قبائل پر تھا اسلیے جب قریش نے جنگ کا سلسلہ قائم کر دیا تو قبائل بھی اسلام کے دشمن ہو گئے کیونکہ اسلام بت پرستی اور اخلاقی ذمیمہ سے منع کرتا تھا، وہ بیابان بت پرست اور وحشی غارتگر قبائل پر گراں گزرتے تھے غزوہ بدر سے پیشتر دو ایک قبائل نے آنحضرت سے معاہدہ امن کر لیا تھا پھر فتح بدر کے اثر سے دو سرے مختلف قبائل بھی مرعوب ہو کر خاموش ہو گئے تھے لیکن احد کی خبر سنتے ہی

ان وحشیوں نے بھی سر اُٹھایا۔ مدینہ کے چاروں طرف قبائل عرب آباد تھے۔ جانب شمال بنی مرہ۔ بنی غطفان اور بنی فزارہ، اور جانب جنوب بنی سلیم اور بنی اشجع، جانب مشرق بنی کلاب اور بنی محارب، اور جانب مغرب بنی خزاعہ اور بنی مزینہ وغیرہ۔ پھر ان قبائل کی مختلف چھوٹی چھوٹی شاخیں تھیں۔ ان بدوں کا کام ہی یہی تھا کہ لوٹیں ماریں اور وحشیانہ زندگی بسر کریں۔ یہ پہاڑوں کے بھوت حریف کو اگر کمزور پاتے تو سر پر سوار ورنہ نظروں سے غائب پہاڑوں میں بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ یہ لوگ خونخواری میں بھیڑیے اور مکاری میں لومڑی تھے۔

غزوۂ اُحد کے چشم زخم سے اعراب نے سر اُٹھایا، بنی اسد کے ایک رئیس خویلد کے بیٹے طلحہ اور سلمہ نے جو فید کے کوہستانی علاقہ میں رہتے تھے لوگوں کو فساد کیلیے جمع کرنا شروع کیا مگر آنحضرت نے فوراً تدارک کیا اور ایک سو پچاس مہاجرین و انصار کی جماعت بسرکردگی ابو سلمہ روانہ کی۔ اعراب نے یہ دیکھکر مقابلہ نہیں کیا اور بھاگ کر پہاڑوں میں منتشر ہو گئے۔ اسیطرح قبیلہ لحیان کے ایک رئیس سفیان ابن خالد نے سر اُٹھایا آنحضرت نے عبداللہ ابن انیس کو اُدھر روانہ کیا انھوں نے موقع پاکر اسکو قتل کر دیا جسکی وجہ سے اسکے قبیلہ کے لوگوں کو پھر جرأت نہوئی کہ جمع ہو کر فساد کریں۔

صفر ۴ ہجری میں قبائل عضل و قارہ کے چند آدمی آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہمارے قبیلے نے اسلام قبول کیا ہے آپ چند صحابی تعلیم دین کیلیے ساتھ کر دیں آپ نے دس صحابی ساتھ کر دیے جب یہ لوگ مقام رجیع پر جو عسفان

اور مکہ کے وسط میں سے پہونچے تو ان ناخدا ترس میزبانوں نے دغا کی اور قبیلہ بنو لحیان سے ملکر مبلغین اسلام کو گرفتار کرنا چاہا۔ وہ بیچارے ایک ٹیکرے پر چڑھ گئے۔ کفار نے کہا اتر آؤ ہم امن دینگے۔ مگر عاصم بن ثابت انصاری مع سات صحابیوں کے بہادرانہ لڑکر شہید ہوئے صرف زید اور خبیب کفار کے قول پر بھروسہ کرکے اُتر آئے مگر بدعہدوں نے اُنکی مشکیں کس لیں اور مکہ میں لاکر دونوں کو فروخت کر ڈالا خبیب نے جنگ اُحد میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا اب مقتول کے لڑکوں نے بدلہ لینے کیلئے اُنکو خریدا اسیطرح زید کو صفوان بن امیہ نے مول لیا۔ حضرت خبیب کو جب حدود حرم سے باہر قتلگاہ میں لائے تو آپنے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی اور یاد الٰہی میں مشغول ہوئے۔ پھر قاتلوں سے کہا " دیر تک نماز پڑھنے کو جی چاہتا تھا لیکن تم کو خیال ہوگا کہ موت سے ڈرتا ہوں"

حضرت زید کو جب مقتل میں لائے تو سرداران قریش بھی تماشہ دیکھنے آئے اُن میں ابوسفیان بھی تھا۔ جب قاتل نے تلوار کھینچی ابوسفیان نے زید سے کہا اگر اسوقت تمہارے بدلہ تمہارے رسول ہوتے تو کیا تم اسکو اپنی خوش قسمتی نہ سمجھتے۔ زید نے جواب دیا "اپنی جان کو اُسکے برابر بھی عزیز نہیں رکھتا کہ رسول کے تلووں میں کانٹا چبھے اور میں گھر میں بیٹھا رہوں"۔

ابوسفیان کہا کرتے تھے کہ میں نے اصحاب محمد سے بہتر شیدائے رسول نہیں دیکھے۔[۱]

---

[۱] طبری جزو الثالث صفحہ ۱۳

رجیع کے المناک واقعہ کے بعد ہی اسی ماہ میں ایک دوسرا دردناک حادثہ بیر معونہ میں پیش آیا۔ قبیلہ کلاب کے ایک رئیس ابو براء نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کی کہ چند صحابی میرے ساتھ کر دیجئے تاکہ میری قوم کو دعوت اسلام دیں۔ آپ نے فرمایا مجھکو نجد کیطرف سے اندیشہ ہے۔ ابو براء نے صحابیوں کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ آپ نے ستر صحابی ہمراہ کر دیے جن میں اکثر اصحاب صفہ بھی تھے۔ جب لوگ بیر معونہ پہونچے تو عامر بن طفیل نے قرب و جوار کے قبائل رعل و ذکوان وغیرہ کو جمع کر کے انکو گھیر لیا اور سب کو شہید کر ڈالا۔

کیا ظلم ہے کہ ارباب سیر نے رجیع اور بیر معونہ کے حادثوں کو بھی سرایا میں داخل کر دیا ہے حالانکہ یہ لوگ محض تبلیغ دین کیلئے بھیجے گئے تھے۔ ہمارے راویوں کو لڑائی کی داستان چھیڑنے میں مزہ آتا تھا۔ اس مزے میں وہ "جہاد اکبر" کی لذت کو بھول گئے اور تمام واقعات کو غزوات و سرایا کی لمبی چوڑی فہرست میں داخل کر دیا۔ بخاری میں زید ابن ارقم سے ستره غزوات منقول ہیں۔ ابو یعلی نے جابر سے اکیس ۲۱ نقل کئے۔ ابن اسحق نے ۲۷ گنوا دیے اور ۳۸ سرایا انکے علاوہ جنکو ابن سعد نے طبقات میں ۴۷ تک پہونچا دیے پھر متاخرین نے شوق تکثیر میں ۶۰ کر دیے۔

ابن قیم زاد المعاد میں لکھتے ہیں کہ غزوات کبار صرف سات ہیں۔ بدر، احد خندق، خیبر، الفتح، حنین، تبوک۔ ان غزوات کا ذکر قرآن مجید میں اسطرح ہے سورہ انفال میں بدر، سورہ آل عمران میں احد، احزاب میں خندق خیبر اور احوال بنی قریظہ، سورہ حشر میں بنی نضیر کا اجلا، سورۃ الفتح میں ذکر حدیبیہ اور خیبر، سورہ نصر میں

فتح مکہ[۱]

واقعہ بیر معونہ میں ایک عجیب روایت واقدی کے کاتب ابن سعد نے نقل کی ہے کہ اصحاب بیر معونہ کی شہادت کی خبر میں یہ آیت نازل ہوئی جو بعد کو منسوخ التلاوۃ ہوگئی

بلغوا عنا قومنا انا — ہماری قوم کو ہماری طرف سے

قد لقینا ربنا فرضی عنا — یہ پہونچا دو کہ تحقیق ہم اپنے رب سے

ورضینا عنہ — ملے پس وہ ہم سے راضی ہوا اور ہم اُس سے راضی ہوئے۔

منسوخ التلاوۃ بحث

ابن اسحٰق نے یہ روایت نقل نہیں کی اور چونکہ اُنکا سنہ وفات ۱۵۰ھ ہے جسکے بعد ناسخ و منسوخ کی معرکۃ الآرا بحث اور مسئلہ خلق قرآن کا جھگڑا پیدا ہوا اسلیے معلوم ہوتا ہے کہ روایت مذکورۂ بالا اپنے ماحول کے اثر کا نتیجہ ہے۔ احادیث میں یہ روایت حضرت انس سے مذکور ہے اسلیے اگر اسکی صحت تسلیم بھی کیجائے تو ویسی ہی جیسے عبداللہ ابن مسعود کا یہ قول کہ معوذتین داخل قرآن نہیں ہیں حالانکہ جمع و ترتیب قرآن مجید کے وقت اُنکا یہ قول باطل قرار پایا اور معوذتین داخل قرآن کیگئیں اسیطرح حضرت انس جسکو قرآن سمجھے وہ حدیث ہوگئی نہ آیت منسوخ التلاوۃ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کا آغاز یوں ہوا کہ سورۂ یٰسین میں جہاں حضرت عیسیٰ کے حواریوں کا تلقین کیلیے انطاکیہ جانا مذکور ہے وہاں جنت میں ایک حواری شہید کی زبان سے

---

[۱] زاد المعاد صفحہ ۳ جلد اول

یون منقول ہے یلیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین اصحاب بیر معونہ کی زبان سے بھی اسطرح بلغوا عنا قومنا نقل کردیا گیا۔

عمرو ابن امیہ الضمری کی داستان

ابن سعد کا بیان ہے کہ جب کفار قریش جنگ اُحد سے لوٹے تو عمرو ابن اُمیہ الضمری مدینہ میں آکر ایمان لائے اور حادثہ بیر معونہ میں ہمراہ تھے مگر قتل سے بچ گئے کیونکہ دشمن سردار عمر ابن طفیل نے صرف اُنکی چوٹی کاٹ کر آزاد کردیا۔ عمرو ابن اُمیہ جاہلیت میں دشمن کو غفلت میں یکایک قتل کردینے کیلیے مشہور تھے۔ ایمان لانے کے بعد بھی اس قسم کے قصے انکے متعلق ارباب سیر نے نقل کئے ہیں۔

ابن اسحق کا بیان ہے کہ عمرو ابن امیہ نے بنی عامر کے دو شخص جنھیں آنحضرت نے امان دی تھی قتل کردیے اُن کی دیت ادا کرنے کیلیے آنحضرت بنی نضیر کے پاس گئے جو ہم معاہد تھے لیکن یہ روایت جیسا کہ ہم غزوۂ بنی نضیر میں بیان کرینگے بنا جنگ نہ تھی۔ ابن سعد نے ایک اور روایت کا اضافہ کیا ہے کہ آنحضرت نے اُن کو ابو سفیان کے قتل کیلیے خفیہ طور پر بھیجا تھا۔ چونکہ ابن سعد نے اسکو سرایا میں شمار کیا ہے اور مخالفین اسلام نے اسکو مطاعن رسول اللہ میں داخل کیا ہے اسلیے ہم اسکو تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں۔

ابن سعد لکھتے ہیں کہ ابو سفیان ایک دن چند قریشیوں سے کہنے لگا کہ محمد مدینہ کے بازار میں پھرا کرتے ہیں کوئی ہے جو انھیں غفلت میں قتل کرڈالے ایک بدوی طیار ہوا اور خنجر آبدار چھپا کر چلا۔ آنحضرت مسجد بنی عبد الاشہل میں بیٹھے ہوئے تھے کہ بدوی سامنے آیا آپ نے دیکھتے ہی فرمایا یہ شخص غدار نظر آتا ہے۔ ایک صحابی نے فوراً اٹھکر اسکا جائزہ لیا

اور اُنکی ازار کے اندر سے خنجر نکال لیا۔ اب اُسنے امان مانگی آپ نے قبول فرمایا تب اُسنے سارا واقعہ ظاہر کر دیا۔ آپ نے حکم دیا اچھا انکو چھوڑ دو۔ بدوی ایسا متاثر ہوا کہ اسیوقت مسلمان ہوگیا۔ بعد ازاں عمرو ابن اُمیہ الضمری ایک رفیق کو لے کر ابو سفیان کو قتل کرنے چلے لیکن مکہ پہونچکر پہچان لیے گئے ابو سفیان بچ گیا مگر اُنھوں نے عجیب و غریب طریقے سے چند شخصوں کو قتل کر دیا اور مدینہ واپس آ گئے[۱]۔ عرب میں اسوقت تک جہاں اور بہت سے وحشیانہ افعال جنگ و جدال اور قتل و غارت رائج تھے وہاں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ غفلت یا نیند کی حالت میں دشمن کو قتل کر دیتے تھے اور اُسپر فخر کرتے تھے۔ جیسے جاہلیت میں تابط شرا کے واقعات۔ اس قسم کی عادات شراب خواری کی طرح بتدریج تعلیم نبوی سے دور ہوئیں۔ مثلاً دشمن کی لاش کا مثلہ کرنا۔ عورتوں اور بچوں کا قتل بعضا کاٹ کاٹ کر ہلاک کرنا۔ آگ میں جلانا وغیرہ وغیرہ۔

غزوۂ بنی نضیر آنحضرت نے یہود سے باہمی امن و امان کا معاہدہ ۱ھ میں کیا تھا انمیں سے بنی قینقاع جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں نقض عہد کر کے لڑے اور جلا وطن ہوئے۔ بنی نضیر نے اپنے حسد اور عداوت کا یہ ثبوت دیا کہ کعب ابن اشرف جو ایک مقتدر سردار اور شاعر تھا اور جسکی ماں بنی نضیر کے سردار ابو رافع ابن ابی الحقیق کی بیٹی تھی، بدر کا واقعہ سنکر اس قدر جوش میں آیا کہ مکہ پہونچکر قریش کے ساتھ ماتم میں شریک ہوا اور ایک پُر جوش مرثیہ

طحنت رحا بدر لمهلك اهله

---

[۱] طبری جلد ۳ الثالث صفحہ ۱۴۳۲

لگر جذبات انتقام اور نفرت و عداوت برانگیختہ کرکے پھر مدینہ واپس آکر اشعار میں مسلمان عورتوں کے ساتھ تشبیب و مدح کرکے علانیہ توہین کرنے لگا۔ گزشتہ صدی میں جسطرح مدبرین اور شعراے یورپ گلیڈ اسٹون اور بائرن وغیرہ نے ترکوں کے خلاف اپنی تقریروں اور اشعار سے نفرت کے جذبات برانگیختہ کردیے تھے اسیطرح اس عہد میں تنہا ایک شاعر قبیلے کے قبیلوں میں لڑائی کی آگ لگا دیتا تھا۔

یہ وہ وقت تھا کہ قریش بدر کے بعد انتقام کی طیاریاں کررہے تھے۔ کعب ابن اشرف کے یہ حرکات خطرناک تھے۔ بنی نضیر نے کچھ انسداد نہ کیا اور معاہدہ کے خلاف عمل پیرا رہے تب آنحضرت نے فرمایا کہ اس مفسد کا شر کون دفع کرتا ہے۔ محمد ابن مسلمہ جو قبیلہ اوس کے سردار اور بنی نضیر کے حلیف تھے اُٹھے اور اپنے قبیلہ سے مشورہ کرکے چند رفقا لے کر کعب کے گھر پہونچے اور اُسکو ایسی ہوشیاری سے قتل کردیا کہ بنی نضیر گھبرا گئے۔ اب دو صورتیں تھیں یا بنی نضیر اپنے ایک مجرم سرغنہ کے قتل ہوجانے سے متنبہ ہوکر قریش سے سازوباز ترک کرتے یا پھر لڑنے کو طیار ہوجاتے مگر انھوں نے دام فریب بچھا کر آنحضرت پر ہاتھ ڈالنا چاہا۔

ابن اسحق کی روایت پر تبصرہ

غزوہ بنی نضیر کے متعلق ابن اسحق لکھتے ہیں کہ ایک صحابی عمرو ابن اُمیہ الضمری نے بنی عامر کے دو آدمی جنھیں آنحضرت نے امان دی تھی نادانستگی میں قتل کردیے آنحضرت کو جب اطلاع ہوئی تو مقتولین کی دیت ادا کرنی چاہی۔ چونکہ بنی نضیر بنی عامر کے حلیف تھے اسلیے دیت کا ایک حصہ وصول کرنے

کیلیے آنحضرت بنی نضیر کے پاس گئے انھوں نے وعدہ کیا مگر در پردہ آپ کے قتل کی سازش کی آپ کو خبر ہو گئی فوراً اُٹھ آئے اور سنہ ۴ ھ میں فوج لے کر بنی نضیر کا محاصرہ کر لیا۔

ابن اسحٰق نے یہ روایت یزید ابن رومان سے نقل کی ہے لیکن حضرت عائشہ سے جو روایت حاکم ابن مردویہ اور بیہقی نے نقل کی وہ یہ ہے۔

کانت غزوۃ بنی النضیر — غزوہ بنی نضیر واقعہ بدر کے چھ ماہ
علی راس ستۃ اشھر من وقعۃ بدر — بعد پیش آیا۔

یہی روایت زہری سے عقیل بن خالد نے نقل کی ہے[۱]۔ ایسی شہادتوں کے مقابلہ میں ابن اسحٰق کی روایت معتبر نہیں معلوم ہوتی اور جب سنہ وقوع بدر کے چھ ماہ بعد متعین ہو گیا تو وجہ جنگ بھی جو ابن اسحٰق نے لکھی غلط ٹھہری کیونکہ عمرو ابن امیہ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے جیسا کہ ہم اوپر ابن سعد سے نقل کر چکے ہیں۔

قرآن مجید میں بنی النضیر کا ذکر سورۂ حشر میں ہے ایک آیت میں صاف تصریح ہے۔

کمثل الذین من قبلھم — مثل ان کے کہ پہلے اُن سے تھے
قریبا ذاقوا وبال امرھم — ابھی چکھا مزہ اپنے کاموں کا اور ان کے
ولھم عذاب الیم — لیے عذاب دردناک ہے۔

مفسرین اور خود ابن اسحٰق نے لکھا ہے کہ کمثل الذین من قبلھم قریبا سے

---

[۱] فتح الباری جلد ۷ مغازی صفحہ ۲۰۰

مراد بنی قینقاع ہیں جو بدر کے بعد ہی سنہ ۲ھ میں جلا وطن ہوئے اب اگر ابن اسحق کی روایت متعلق بنی نضیر تسلیم کیجائے تو ایک سال پانچ ماہ کا فاصلہ بنی قینقاع اور بنی نضیر کے اجلاد میں ہوتا ہے لیکن حضرت عائشہ اور زہری کی روایت کے مطابق صرف پانچ ماہ کا فاصلہ ہوتا ہے جو لفظ قرآنی قریبًا کے زیادہ موافق ہے اب جنگ کی وجہ جو ابن اسحق نے لکھی اسکا مقابلہ ذیل کی اس روایت سے کرو جو موسی بن عقبہ سے منقول ہے کہ قریش کے بہکانے سے بنی نضیر نے فریب کیا۔ اس قول کی تائید زہری کی روایت سے جسے ابن مردویہ نے سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہوتی ہے۔

فلما کانت وقعۃ بدر کتب	جب بدر کا واقعہ ہوچکا تو کفار
کفار قریش بعدھا الی الیہود	قریش نے یہود کو لکھا کہ تم ہتیاروں
انکم اھل الحلقۃ والحصون	اور قلعوں کے مالک ہو پس بنو نضیر
یتھددونھم فاجتمع بنو النضیر	فریب پر آمادہ ہوئے اور رسول اللہ
علی الغدر فارسلوا الیہ صلی اللہ	صلعم سے کہلایا کہ اپنے تین صحابیوں
علیہ وسلم اخرج الینا فی ثلاثۃ من	کے ساتھ نکلیں اور ادھر سے ہمارے
اصحابک ویلقاک ثلثۃ من	تین عالم نکلیں پس اگر وہ ایمان لائیں
علمائنا فان امنوا بک اتبعناک فاشتمل	تو ہم اطاعت کرینگے پس تینوں یہودی
الیھود ثلاثۃ علی الخناجر فارسلت امرأۃ من	خنجر لے کر نکلے پس بنی نضیر کی ایک
بنی النضیر الی اخ لھا من الانصار مسلم فاخبرتہ بامرھم	عورت نے اپنے ایک مسلمان انصاری

فاخبر اخوھا النبی صلی — بھائی کو اسکی اطلاع کردی اُسنے

اللہ علیہ وسلم قبل ان یصل — رسول اللہ کو قبل اسکے کہ اُنسے ملیں

علیھم فوجم (زرقانی جلد ثانی صفحہ) — خبر کردی پس آپ لوٹ آئے۔

شہادت قرآنی

اب دیکھو قرآن مجید میں یہ واقعہ کیونکر مذکور ہے

(۱)

ھو الذی اخرج الذین — وہی ہے جسنے نکالا ان کو جو کافر

کفروا من اھل الکتب من — ہوئے اہل کتاب سے اُنکے گھروں سے

دیارھم لاول الحشر ما — پہلے اجتماع میں۔ تم نے نہ گمان کیا

ظننتم ان یخرجوا وظنوا انھم — کہ وہ نکل جائینگے اور گمان کیا اُنھوں

مانعتھم حصونھم من اللہ — نے کہ بچا لینگے اُن کو قلعے اُن کے

فاتھم اللہ من حیث لم یحتسبوا — اللہ سے پس آگیا اُن کو اللہ نے اس طرح

وقذف فی قلوبھم الرعب — کہ نہ سمجھتے تھے اور ڈالدیا اُنکے دلوں

یخربون بیوتھم بایدیھم وایدی — میں رعب اُجاڑتے گھر اپنے اپنے ہاتھوں

المومنین فاعتبروا یا اولی الابصار — سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے پس

(سورۃ الحشر) — عبرت پکڑو اے آنکھوں والو۔

اِن آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی نضیر خدا اور رسول کی مخالفت میں سرگرم تھے اور اپنے قلعوں کی مضبوطی پر مغرور لیکن جو وقت محصور ہوئے ایسے مرعوب ہو گئے کہ جلاوطنی اختیار کی۔ ظاہر ہے

کہ یہ واقعہ اگر بقول ابن اسحٰق سنہ ۴ ھ میں یعنی غزوہ اُحد کے چشم زخم کے بعد ہوتا تو وہ اسقدر مرعوب نہوتے اسلیے ضرور یہ اجلا بدر کے فتح کے بعد واقع ہوا ہے انصار کا قبیلہ خزرج بنی قینقاع کا حلیف تھا اور قبیلہ اوس بنی نضیر کا لیکن جب سردار اوس محمد ابن مسلمہ نے کعب ابن اشرف کو قتل کردیا تو بنی نضیر اپنے حلفا سے ناامید ہوگئے پھر جب منافقین اور بنی قریظہ کی طرف سے بھی کچھ مدد نہ ملی تو سوائے اسکے کہ مدینہ چھوڑ دیں اور کوئی چارہ نہ دیکھا یہ واقعات کچھ ایسے خلاف اُمید واقع ہوئے کہ انھیں نظر آنے لگا کہ خداوند یہوواہ اُن کے خلاف ہے اور اسلیے وہ مرعوب ہو کر جلاوطنی پر راضی ہوگئے۔

(۲)

ماقطعتم من لینۃ او	جو کاٹ ڈالے تم نے درخت یا
ترکتموھا قائمۃ علی اصولھا	چھوڑا ان کو جڑوں پر اُن کے پس
فباذن اللہ ولیخزی	اجازت سے اللہ کے تاکہ نافرمانوں کو
الفسقین۔	بدلا دے۔

پانچویں صدی عیسوی میں جب تبع سعد ابوکرب نے مدینہ پر حملہ کیا تو اُسنے نخلستان جو حملہ میں رکاوٹ پیدا کرتے تھے کٹوا دیئے تھے بنی نضیر کا محاصرہ ہوا تو آنحضرت نے لینہ (ایک قسم کی کھجور) کے درخت کٹوا دیے۔ یہود نے طعنہ دیا کہ ایسی کارروائی خداوند یہوواہ کے حکم کے خلاف ہے حالانکہ توریت ثنی باب ۲۰ آیت ۱۹ و ۲۰ میں یوں لکھا ہے

" اگر کسی شہر کا محاصرہ طول کھینچے تو درختوں پر کلہاڑی نہ پھیرنا کیونکہ تم

۵۷ دیکھو تاریخ یہود جلد سوم صفحہ ۶۰ مصنفہ Graetz گرائشز

انکے پھل کھاتا ہیں اور نہ محاصرہ میں کام آنے کیلیے لکڑی کٹوانا (کیونکہ درخت انسان کی حیات ہیں)۔

صرف ایسے درخت جنھیں تو جانتا ہے کہ آذوقہ کے کام میں نہ آئینگے تو انھیں کاٹ کر برباد کر سکتا ہے"

ہمارے مورخین لکھتے ہیں کہ درخت لینہ اسلیے کاٹے گئے کہ حملہ میں رکاوٹ نہ پیدا ہو اور میدان صاف ہو جائے لیکن ایک قوی وجہ اور بھی معلوم ہوتی ہے۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ شراب غزوہ بنی نضیر میں حرام[1] ہوئی مورخ یعقوبی غزوہ بنی النضیر کے عنوان کے تحت میں لکھتے ہیں:۔ شراب کی حرمت کی بحث

وفی ھذہ الغزوۃ شرب	اور اس لڑائی میں مسلمانوں نے
المسلمون الفضیخ فسکروا	فضیخ (قسم شراب) پی اور نشہ میں
فنزل تحریم الخمر (جلد دوم صفحہ ۴۹)	ہوگئے پس شراب کی حرمت نازل ہوئی

شراب کے متعلق قرآن مجید میں تین مختلف اوقات میں آیات نازل ہوئیں ہجرت کے بعد ہی جب آنحضرت سے مدینہ میں اس قسم کے سوالات یسئلونک عن الاھلۃ اور یسئلونک عن المحیض دریافت ہونے لگے تو یہ سوال بھی پوچھا گیا یسئلونک عن الخمر والمیسر عرب بالعموم شراب اور جوے کے عادی تھے۔ مدینہ میں جہاں کھجور کا زور تھا کھجور کی شراب عام طور سے اور انگور وغیرہ میووں کی خاص طور سے لوگ پیتے پلاتے تھے

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد سوم صفحہ ۵۰

ساہوکاری کے ساتھ شراب کی تجارت بھی یہود کے ہاتوں میں تھی۔ اسلام اس قسم کی برائیاں کو یک قلم مٹانے آیا تھا، لیکن موسوی شریعت کی طرح اوامر و نواہی کا بار ایک دم سے نہیں ڈالا گیا بلکہ تبدریج احکام اسلام نازل ہوئے ابتداً شراب کے ظاہری نفع و نقصان کا موازنہ کر کے سمجھایا گیا کہ اس میں نفع کے مقابلہ میں نقصان زیادہ ہے اب جو سمجھدار اور سنجیدہ لوگ تھے وہ خود بخود پرہیز کرنے لگے۔ پھر جب نماز پنجگانہ فرض ہوئی اور اکثر لوگ شراب کے عادی نشہ کی حالت میں شریک عبادت ہونے لگے تو حکم ہوا لا تقربوا الصلوٰة وانتم سکاریٰ اب شبانہ روز میں پانچوں وقت شراب کی بندش ہوئی اور چونکہ نماز کی پابندی سفر و حضر صلح و جنگ صحت و علالت ہر حالت میں تھی اسلیے شراب خواری مسلمانوں میں مفقود ہو چلی تاہم لوگوں میں تجارتی سلسلہ جاری رہا۔ آخر حرمت شراب کا قطعی حکم نازل ہوا مدینہ کے گلی کوچوں میں منادی کرادی گئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	اے ایمان والو بیشک شراب اور جوا
إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ	اور بتوں کے تھان اور فال کے پانسے
وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ	یہ سب پلید ہیں شیطانی کام ان سے
الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ (المائدہ)	بچتے رہو۔

عام روایت ہے کہ شراب سنہ ۳ یعنی سنہ ۳ھ میں حرام ہوئی لیکن یہ تاریخ اگر صحیح مانی جائے تو شراب کی خرید و فروخت کے متعلق ہو سکتی ہے۔ شراب خواری مدینہ کے مسلمانوں میں اس سے بہت پیشتر مفقود ہو گئی تھی۔

(۳)

وَمَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ	اور جو پھیرا اللہ نے رسول پر بستی والوں سے
مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ	پس اللہ کیلئے اور رسول کیلئے اور
وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ	صاحب قرابت اور یتیموں اور
وَابْنِ السَّبِيْلِ ۔۔۔۔۔۔ هُمُ	مسکینوں اور مسافروں کیلئے ۔۔
الْمُفْلِحُوْنَ	۔۔۔۔۔۔ وہی کامیاب ہیں۔

بنی نضیر نے چونکہ مرعوب ہو کر مدینہ چھوڑا تھا اور قتال کی نوبت نہیں آئی تھی اسلئے جو آراضی اور اسباب انھوں نے چھوڑا وہ مال غنیمت کی طرح سب پر تقسیم نہیں ہوا آنحضرت نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ مہاجرین خانماں خراب اور نادار ہیں وہ ابتک تمہاری مہماں نوازی اور اخوت سے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں اگر تمہاری مرضی ہو تو یہ اراضی اُن پر تقسیم کر دیجائے اور تمہارے نخلستان تم کو واپس کر دیے جائیں تم ان کے بار سے سبکدوش ہو جاؤگے اور وہ اپنے دست و بازو سے کمائینگے۔ مگر عالی ہمت انصار نے جوش ایثار میں عرض کیا کہ ہمارے نخلستان میں بھی ان کو شریک رکھئے اور نئی اراضی بھی ان کو عطا کیجئے۔ آنحضرت نے انصار کو دعا دے کر مقبوضات بنی نضیر مہاجرین پر تقسیم فرمائے اور انصار میں بھی جو بہت نادار تھے اُن کو بھی عطا فرمایا۔

ہجرت کا پانچواں سال

ہجرت کا پانچواں سال اسلام اور پیغمبر اسلام پر نہایت سخت گزرا، اسی سال منافقین اور معاندین نے پیغمبر برحق پر شرمناک تہمت لگا کر بدنام کرنا چاہا اور آپ کے متعلقین کو بھی۔ اسی سال قریش کی عداوت، یہود کا عناد اور قبائل عرب کی شرارت نے متفقہ طور پر ایک زبردست کوشش کی کہ کسی طرح آنحضرت اور آپ کے متبعین کا خاتمہ ہو جائے ذیل میں ہم ان واقعات کی تشریح کرتے ہیں۔

حضرت زینب بنت جحش

ابن سعد لکھتے ہیں[۵۱] کہ زینب بنت جحش آنحضرت کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ مکہ میں مع اپنے خاندان کے ابتدائے اسلام میں ایمان لائیں اُن کے بھائی عبداللہ اور عبیداللہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی جہاں آخر الذکر نے دین عیسوی اختیار کر کے انتقال کیا مگر اُنکی بیوی اُم حبیبہ بنت ابوسفیان دین اسلام پر قائم رہیں اور بعد کو آنحضرت سے نکاح ہوا، اب عبداللہ نے پھر مدینہ میں مع اپنے خاندان کے ہجرت کی اور غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے جسکے بعد آنحضرت نے اُنکی بہن زینب کا نکاح زید بن حارثہ سے کرنا چاہا

حضرت زید کے حالات

زید اگرچہ شریف خاندان سے تھے مگر عہد جاہلیت میں جب اُنکی ماں سعدی اُنکو لے کر کہیں جاتی تھیں بدویوں نے حملہ کیا اور زید کو پکڑ کر عکاظ کے بازار میں حکیم بن حزام کے ہاتھ بیچ ڈالا حکیم نے اُن کو لے کر اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کی نذر کیا انھوں نے آنحضرت

---

[۵۱] طبقات جزو ہشتم صفحہ

کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے اُن کو آزادی بخشی مگر وہ خدمت میں حاضر رہے۔ اتفاقاً زید کے باپ اور چچا مکہ آئے زید کو دیکھ کر پہچان لیا اور چاہا کہ زرِ فدیہ دیکر ہمراہ لیجائیں آنحضرت نے فرمایا فدیہ کی ضرورت نہیں ہے زید کو اختیار ہے جہاں چاہے رہے مگر زید نے پھر بھی خدمتِ پاک سے علیحدگی گوارا نہ کی اگرچہ باپ نے طعنہ بھی دیا کہ آزادی کو کیوں قربان کرتا ہے اور اپنے خاندان سے منہ موڑتا ہے۔ آنحضرت نے یہ دیکھ کر مزید شفقت سے فرمایا لوگو گواہ رہنا میں زید کو اپنا متبنیٰ کرتا ہوں تب حارثہ کو تسلی ہوئی اور وہ بیٹے کو چھوڑ کر چلا گیا۔[1]

آنحضرت نے پھر زید کا نکاح اپنی دایہ اُم ایمن کے ساتھ کر دیا جس سے اُسامہ پیدا ہوئے۔ زید نے آنحضرت کے ساتھ ہجرت کی اور بدر و اُحد میں شریک ہوئے۔ الغرض جب آنحضرت نے زید کی صلاحیت اور خوبیوں کے لحاظ سے اور اس وجہ سے بھی کہ غلاموں کو لوگ ذلیل نہ سمجھیں اپنی پھوپھی زاد بہن کا نکاح اُن کے ساتھ کرنا چاہا تو زینب نے اپنے حسب و نسب کے خیال سے ایسے شخص کے ساتھ نکاح گوارا نہ کیا جو اگرچہ رسول اللہ کا متبنیٰ تھا لیکن غلامی کا داغ اُٹھا چکا تھا تب یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ	اور نہیں کسی مومن مرد نہ مومن
اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا	عورت پر جب طے کر دے اللہ اور اُسکا
اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ	رسول کوئی امر یہ کہ رہے اختیار اُنکو
(احزاب)	اپنے کاموں پر

[1] طبقات جزو سوم صفحہ ۲۸

زینب نے اب اپنے قومی تفاخر اور عجب کو خدا اور رسول کی اطاعت پر قربان کر دیا لیکن عقد کے بعد بمقتضائے بشریت میاں بیوی کے تعلقات خوشگوار ثابت نہوے۔ ادہر زینب کو یہ خیال کہ میں نے کتنی بڑی قربانی کی کہ ایسی گر کر شادی کی شوہر کو چاہئے کہ میرے اشاروں پر چلے اور غلام بنکر رہے اُدہر زید کو یہ تکلیف دہ تصور کہ میں بیوی کی نظروں میں ذلیل ہوں آخر برداشت نہوئی اور طلاق دینا چاہی اُسوقت جو کیفیت آنحضرت کی تھی وہ قرآن مجید میں یوں مذکور ہے:۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ	اور جب تو کہتا تھا اُس شخص
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ	سے جسکو اللہ نے نعمت دی اور تونے
اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ	نعمت دی کہ روک رکھ اپنی عورت
اللّٰہَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ	کو اپنے پاس اور اللہ سے ڈر اور تو
مُبْدِیْہِ وَتَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰہُ	چھپاتا تھا اپنے دل میں جو اللہ کھولنے
اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰہُ	والا تھا اور تو آدمیوں سے ڈرتا تھا
(سورۂ احزاب)	اور اللہ مستحق تر ہے کہ ڈرے تو
	اُس سے۔

مباح چیزوں میں طلاق سے زیادہ مبغوض کوئی اور شے خدا کے نزدیک نہیں ہے۔ آنحضرت نے زید کو سمجھایا کہ خدا اور رسول کے احسان کو یاد کرے اور طلاق نہ دے لیکن زید کے پیمانہ صبر و ضبط کو لبریز دیکھکر یہ اندیشہ ہوا کہ اگر اُسنے طلاق دیدی تو زینب کا حشر

کیا ہوگا، زینب نے محض آپ کے فرمانے سے ایک غلام کے ساتھ نکاح کیا تھا، اب دوسرا شخص ایک غلام کی مطلقہ کو عزت و وقار کے ساتھ کیا رکھتا اسلئے آنحضرت نے اُن کی دلجوئی اور مرتبہ بلند کرنے کیلیے چاہا کہ خود اُنکو اپنے عقد میں لیلیں البتہ متبنی کی بیوی ہونیکے لحاظ سے رسم و رواج کے خلاف کرتے ہوئے آنحضرت کو زبان خلق کا اندیشہ ہوا لیکن خاصان خدا اگر رسم و رواج کے بندے ہوتے تو دنیا میں کبھی اصلاح اور ترقی نہ ہو سکتی نہ حضرت موسے مصریوں کی اوہام پرستی کا طلسم توڑ کر حلال و حرام کے قوانین سکھلاتے نہ حضرت عیسٰی یہود کی ظاہر پرستی کی زنجیر کو روحانی تعلیم کی قوت سے توڑتے اور نہ آخر میں خاتم النبیین مشرکین کی باطل پرستی اور اہل کتاب کے جمود، غلو اور افراط و تفریط کا خاتمہ کر کے "دین یسر" کی تعلیم دیتے۔

تبنیت

ہند، یونان اور چین کے قدیم اقوام میں تبنیت کی رسم اس عقیدہ پر مبنی تھی کہ مردہ کی کریا کرم کیلیے لازم ہے کہ اُسکا بیٹا ہو خواہ وہ صلبی ہو یا متبنیٰ ورنہ اسکی روح مبتلائے اذیت رہے گی۔ اس عقیدہ کے علاوہ ایک بات اور بھی تھی کہ جائداد اپنے ہی نامزد کو ملتی تھی، مشرکین عرب میں یہ طریقہ غیر کو اپنے قبیلہ میں شامل کرنے کی غرض سے تھا لیکن نہ اس مذہبی حیثیت سے جیسا کہ مذکورۂ بالا قدیم اقوام میں رائج تھا۔ ان میں سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح بھی جائز تھا اور دو حقیقی بہنیں بھی ایک ساتھ عقد میں لاتے تھے ان قبیح رسوم کو آنحضرت نے موقوف فرمایا، اب صورت واقعات ایسے پیش آئے کہ تبنیت کی رسم مٹائی جائے لیکن اس رسم کے مٹانے میں چونکہ خود آنحضرت کی ذات پاک متعلق ہو گئی تھی

آپ کو زبان خلق کا اندیشہ ہوا اور نہ تبلیغ رسالت میں آپ نے کبھی پس وپیش نفرمایا اور اس موقع پر بھی جب زید نے آخر طلاق دیدی تو آپ نے فوراً وحی آلہی کی تعمیل فرمائی۔

فلما قضیٰ زید منھا	پھر جب زید نے پوری کرلی حاجت
وطراً زوجناکھا لکی لا یکون	نکاح کر دیا ہم نے تیرا اُس سے تاکہ
علی المومنین حرج فی ازواج	نہ رہے ایمان والوں پر تنگی بیبیوں
ادعیائھم اذا قضوا منھن	میں اُن کے لے پالکوں کی جبکہ پوری
وطراً وکان امر اللہ مفعولا	کرچکیں اُن سے حاجت اور ہے کام
(سورۂ احزاب)	اللہ کا کیا گیا۔

ایک ناپاک روایت یہود اور منافقین اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح آنحضرت کو مطعون کر کے اسلام کی طرف سے نفرت پھیلائیں۔ قرآن مجید نے ان کے مطاعن جابجا نقل کر کے جواب دیا ہے۔ حضرت زینب کا واقعہ قرآن نے بیان کیا اور پھر اس صفائی سے کہ حضرت عائشہ کہا کرتی تھیں کہ اگر آنحضرت وحی کو چھپاتے تو اُن آیتوں کو سب سے پہلے چھپاتے جن میں نکاح زینب مذکور ہے لیکن جب آنحضرت دنیا سے تشریف لے گئے اور خلفاء راشدین کا زمانہ بھی گزر گیا تو بدنیت دشمنوں کو زہر اگلنے کا موقع ملگیا حضرت عمر نے یہود کو عرب سے نکال دیا تھا۔ یہ لوگ شام و عراق میں آباد ہو کر اور ذمیوں کے حقوق کی پناہ پاکر کذب و افترا کا پروپیگنڈا پھیلانے لگے۔ توریت میں حضرت داؤد کا زوجہ اوریا کو برہنہ دیکھ کر عاشق ہونا پھر شرمناک طریقہ سے اسکو محل میں داخل کرنا مذکور ہے (جیسا کہ آغاز غزوات

حضرت داؤد اور زوجہ اوریا

میں ہم نے نقل کیا ہے) آنحضرتؐ کے متعلق بھی اب یہ قصہ گڑھا گیا کہ "آپ نے ایک دن زینب کو زید کے گھر برہنہ دیکھ لیا۔ نکاح کی ہوس پیدا ہوئی۔ زید کو اطلاع ہوئی اُسنے زینب کو طلاق دیدی۔ آنحضرت کی مراد بر آئی"۔ مگر ان بد باطنوں کو یہ نہ سوجھا کہ زینب آنحضرت کی پھوپھی زاد بہن تھیں بچپن سے آپکے سامنے آتی جاتی تھیں۔ آپ ہی نے بہ اصرار تمام جب وہ باکرہ تھیں زید کے ساتھ نکاح کرادیا اب یہ یکایک ہوس نکاح کیسی لیکن یہ افترا ایسے زمانہ میں مشہور ہوا جب کلبی اور سدی ایسے مفسرین موجود ہو چکے تھے جو اسرائیلات کے رنگ میں قرآن پاک کی روشن بیان کو دکھلاتے تھے اور آنکھ اور شرمگاہ کا زنا خاصان خدا کی طرف منسوب کرتے تھے پھر طرہ یہ کہ اموی اور عباسی سیہ رویوں نے آنکھوں پر پردے ڈالدیے تھے اور آنحضرتؐ کے واقعات زندگی مسخ کرکے نام نہاد "جانشینان رسول" کی عیش پرستیوں کیلیے بطور سند پیش کرکے بیان ہوتے تھے۔ بایں ہمہ ابن اسحٰق نے مذکورۂ بالا افترا کو نقل نہیں کیا لیکن یہ قاضی بغداد جناب واقدی ہیں جنھوں نے اس افترا کو تحریر کا جامہ پہنا کر مشہور کیا پھر مورخین اور ارباب سیر نے اسکو نقل کرنا شروع کردیا۔ واقدی ائمہ اور ثقاۃ کے نزدیک خود متروک الحدیث اور دروغگو ہیں پھر طرہ یہ کہ جس شخص سے انھوں نے یہ روایت سُنی یعنی عبداللہ ابن عامر الاسلمی اسکی نسبت امام نسائی صاف کہتے ہیں کہ وہ ضعیف[1] ہے۔

یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ واقعۂ زینب کے ذکر کے بعد سورۂ احزاب کے آخر آیات میں

[1] کتاب الضعفاء صفحہ ۱۸

حق تعالےٰ نے مومنین کو سمجھا دیا تھا۔

یاایھا الذین اٰمنوا لاتکونوا	اے ایمان والو نہ ہو جاؤ مثل انکے
کالذین اٰذوا موسی فبراہ اللہ	کہ اذیت دی موسےٰ کو پھر بری کیا اُسے
مما قالوا وکان عنداللہ	اللہ نے اُس سے کہ کہا اور تھا اللہ کے
وجیھًا	پاس مرتبہ والا۔

توریت کتاب اعداد ۱۲ میں مذکور ہے کہ ہارون اور مریم نے موسےٰ پر ایک کوشیہ عورت سے شادی کرنے کی وجہ سے تہمت لگائی تب خداوند بصورت عمود سحاب میں باب الخیمہ کے سامنے نازل ہوا اور فرمایا میرا بندہ موسےٰ ایسا نہیں ہے وہ سارے گھر میں امین ہے۔ پھر مریم پر غضب آلٰہی نازل ہوا اور لو وہ مبروص ہوگئی۔ ہارون نے موسےٰ سے رحم کی درخواست کی اور سفارش چاہی۔ موسیٰ نے دعا کی تب حکم ہوا خیر اب مریم کو سات دن الگ رکھو جسکے بعد اسکی بلا دور ہوگئی۔

اب دیکھو رسول کریم حضرت خاتم النبیین نے متبنےٰ کی مطلقہ سے شادی کی اور حسب حکم خدا سے کی مگر بدطینت اشخاص نے آپ کو مطعون کیا۔ کیا یہ رحمۃ للعالمین کا صدقہ نہ تھا کہ ایسی ناپاک حکایت کرنے والے مسخ نہ ہوئے!

حضرت عائشہ کا گلوبند منافقین نے اب ایک اور تہمت تراشی۔ واقعہ بالکل معمولی تھا لیکن اُن کی خبث باطنی اور افترا پردازی نے ایسا رنگ چڑھایا کہ رسول اللہ کی اذیت کا باعث ہوا۔ اسکی تفصیل یہ ہے۔

مدینہ سے ۹ میل مقام مریسیع میں قبیلۂ خزاعہ کی ایک شاخ بنی المصطلق آباد تھی،
قریش کے اشارہ سے اُنکے سردار حارث ابن ابی ضرار نے آنحضرت سے لڑنے کی طیاری کی
آپ کو خبر ہو گئی۔ فوراً ماہ شعبان میں اُسکے مقابلہ کو نکلے۔ حارث کو شکست ہوئی اُسکے
دس رفیق قتل ہوئے۔ باقی مع عورتوں اور بچوں کے گرفتار ہو گئے۔ اِس غزوہ میں عبداللہ
ابن ابی بھی مع اپنے گروہ منافقین کے ہمراہ تھا۔ راہ میں بایک مہاجر اور ایک انصار میں
پانی کیلئے کچھ سخت کلامی ہو گئی۔ دونوں نے اپنے اپنے حامیوں کو پکارا اور قریب تھا کہ مہاجرین
اور انصار میں لڑائی ہو جائے مگر دونوں سنبھل گئے اور معاملہ رفت و گزشت ہو گیا لیکن
عبداللہ ابن ابی کو موقع ملگیا کہنے لگا اے اہل مدینہ تم نے یہ آفت خود مول لی۔ خیر اب
شہر پہونچکر عزت والے ذلیل آدمیوں کو نکال دینگے۔ آنحضرت کو اطلاع ہو گئی۔ اُس
منافق سے دریافت کیا وہ صاف منکر ہو گیا۔ غرضکہ اس حالت میں لشکر اسلام بنی المصطلق
کے قیدیوں کو لیے ہوئے مدینہ واپس چلا۔ اِس سفر میں حضرت عائشہ آنحضرت کے ہمراہ تھیں
اتفاق سے ایک شب کو وہ قضائے حاجت کیلئے جنگل میں گئیں واپسی پر معلوم ہوا کہ
گلوبند ٹوٹ کر گر گیا وہ اُسکی تلاش میں ادھر اُدھر چلیں اس درمیان میں فوج نے شب کو
کوچ کر دیا جس اونٹ پر آپ سوار تھیں ساربان نے یہ خیال کر کے کہ آپ کجاوہ میں آرام
کر رہی ہیں اُسکو ہانک دیا۔ جب آپ واپس تشریف لائیں وہیں بیٹھ گئیں کہ کوئی تلاش
کرنے والا آتا ہو گا۔ صفوان ابن المعطل جنھیں آنحضرت نے لشکر کے پیچھے نگہداشت کیلئے مقرر
کیا تھا جب وہاں آئے تو حضرت عائشہ کو تنہا بیٹھے دیکھا۔ فوراً اونٹ بٹھا کر آپ کو

سوار کیا اور آنحضرت کی خدمت اقدس میں چلے اُدہر آنحضرت انتظار میں ایک ایسے مقام

آیۂ تیمم کا نزول — پر ٹھہر چکے تھے جہاں پانی نہ تھا وضو کیلیے سخت دقت ہوئی تب آیۂ تیمم نازل ہوئی

کیا عجیب بات ہے کہ ایک ہی گلوبند کے سلسلے میں دو قسم کے مختلف خیالات

ظاہر ہوئے۔ ایک جلیل القدر صحابی حضرت اُسید ابن حضیر کہنے لگے کہ یہ تیمم کی اجازت

حضرت عائشہ کی برکت ہے مگر منافقین نے گلوبند کی باعث جو تاخیر ہوئی اسکو حضرت

عائشہ کی عصمت پر زبان کھولنے کا ذریعہ بنایا۔ کیوں نہیں

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ آیۂ تیمم کی شان نزول اور افک حضرت عائشہ

دونوں ایک ہی غزوۂ مریسیع میں واقع ہوئے جیسا کہ ابن سعد نے بتصریح ذکر حضرت عائشہ

میں نقل کیا ہے اِس بنا پر ہمنے واقعات کو مذکورۂ بالا طور پر ترتیب دے کر بیان کیا اور

ارباب سیر نے اس امر کو ملحوظ نہیں رکھا اور دونوں واقعات الگ الگ تحریر کئے جسکے

باعث اُن کے بیان میں صورت واقعہ صاف نہیں نظر آتی۔

افک عائشہ — الغرض جب آنحضرت مع فوج اسلام مدینہ واپس تشریف لائے تو عبد اللہ ابن ابی

نے اپنے گروہ کے ساتھ اس طور سے تہمت کا چرچا شروع کیا کہ بعض سچے مسلمان بھی

مثلاً حسان بن ثابت مشہور شاعر اسلام، مسطح حضرت ابوبکر کے بھانجے جو جنگ بدر میں شریک

ہوئے تھے اور حمنہ خواہر حضرت زینب بنت جحش بدگوئی میں شریک ہو گئے۔ عبد اللہ ابن ابی

کی غایت یہ تھی کہ کسی طرح حریم نبوی کے اندر و باہر تفرقہ پیدا ہو جائے اور یار غار اور

رفیقان جان نثار بیان بن ہوجائے تاکہ اسلام کی روز افزوں قوت کے توڑنے میں اُنکو آسانی ہو۔ یہ کارروائی ایسے نازک وقت میں کی گئی جب کہ دشمنوں کی متفقہ فوجوں کا سیلاب مدینہ کی طرف بڑھ رہا تھا (جیسا کہ واقعات آئندہ سے معلوم ہوگا)۔ ایک بات اور بھی تھی تبنیٰ کی مطلقہ سے عقد کرنے کا واقعہ پیش آچکا تھا۔ دشمنوں کی زبانیں تیز ہوچکی تھیں اب اس معمولی واقعہ کو بڑھا چڑھا کر بُرے رنگ میں ظاہر کرکے بدنام کرنا اُنکے نزدیک آسان تھا۔ آنحضرتؐ نے جب یہ چرچا سُنا تو پہلے یہ مناسب سمجھے کہ معتبر مرد اور عورتوں سے واقعات معلوم فرمائیں۔ حضرت زینب بنت جحش جو اگرچہ حضرت عائشہ کی سوکن تھیں صاف کہنے لگیں بخدا میں نے عائشہ میں بجز نیکی اور کچھ نہیں دیکھا اسیطرح اور شہادتیں گزریں تب آنحضرت حضرت عائشہ کے پاس جو اپنے والدین کے یہاں اس تہمت کی خبر پاکر چلی گئی تھیں اور گریہ و بکا میں مشغول تھیں تشریف لائے اور فرمایا اے عائشہ اگر تو اس تہمت سے پاک ہے تو خدا تجھے بری کریگا لیکن اگر تو آلودہ گناہ ہوگئی ہے تو توبہ کر خدا قبول فرمائیگا۔ یہ سُنکر حضرت عائشہ کے آنسو فوراً تھم گئے پہلے والدین کیطرف اشارہ کیا کہ وہ جواب دیں انھوں نے کہا ہم کیا کہہ سکتے ہیں تب حضرت عائشہ نے جوش شرافت اور اپنی پاکدامنی کے یقین میں یوں جواب دیا۔

انی واللہ لقد علمت	خدا کی قسم مجھے معلوم ہوگیا کہ تم نے
لقد سمعتم ھذا الحدیث حتی	یہ بات سُنی یہانتک کہ تمہارے دلوں
استقر فی انفسکم وصدقتم بہ	میں قرار پاگئی اور تم نے اسکی تصدیق کی

فان قلت لکم انی بریئة	پس اگر میں کہوں کہ میں اس سے بری
لا تصدقونی ولئن اعترفت	ہوں تو تم تصدیق نہ کرو گے اور اگر میں
لکم بامر واللہ یعلم انی منہ	اس امر کا اقرار کرلوں حالانکہ اللہ جانتا
بریئة لتصدقنی فواللہ لا اجد	ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو تم
لی ولکم مثلا الا ابا یوسف	تصدیق کرو گے پس خدا کی قسم میری
حین قال فصبر جمیل	تمہاری مثل وہی ہے جیسے یوسف
واللہ المستعان علی ما تصفون	کے باپ کی جس نے کہا پس صبر اچھا
(بخاری)	ہے اور اللہ مددگار ہے اس بات
(کتاب المغازی)	پر جو تم بنا لائے ہو۔

یہ کہہ کر بے طاقت ہو گئیں اور منہ پھیر کر اپنے بستر پر گر گئیں اب صمدانیت نے اپنا رنگ دکھایا اور علام الغیوب نے اٹھارہ آیتیں نازل فرما کر یوں ارشاد فرمایا،

الخبیثات للخبیثین	ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کیلئے
والخبیثون للخبیثات	اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کیلئے اور پاک عورتیں
والطیبات للطیبین و	پاک مردوں کیلئے اور پاک مرد پاک عورتوں کیلئے
الطیبون للطیبات اولئک	ہیں یہ بری ہیں اس سے جو کچھ کہتے
مبرؤن مما یقولون لھم	ہیں ان کیلئے مغفرت ہے اور رزق
مغفرة ورزق کریم	کرامت والا۔

مارگولیوث کی بدباطنی

ہمارے زمانے کے مشہور مستشرق مارگولیوث نے اپنی کتاب "محمد" میں یوں تو سیرت پاک کے اکثر معمولی واقعات کو بھی اپنے زور قلم سے بدنما کرکے دکھایا ہے لیکن واقعہ افک کو ۳ صفحوں میں جس انداز سے بیان کیا ہے وہ قابل افسوس ہے صنف نازک کی عزت کا شریفانہ لحاظ انگریزوں کی قومی خصوصیت ہے جو نہایت مستحسن ہے لیکن تعصب کا برا ہو جسنے انگلستان کے ایک مشہور مستشرق کے قلم کو یہود مدینہ کی زبان بنادیا۔ مارگولیوث حضرت عائشہ کے متعلق نزول وحی کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ کاش وہ توریت میں اس واقعہ کو یاد کرتے جب خداوند یہواہ خود عمود سحاب میں اترتا ہے اور حضرت موسیٰ کی بیگناہی ثابت کرتا ہے اور تہمت لگانے والوں کو مبروص کرتا ہے۔ اسیطرح کتاب پیدائش میں خود خدا حضرت سارہ کی عصمت کی گواہی دیتا ہے جب وہ حاکم مصر کے پنجے میں پھنس گئی تھیں۔ یہود نے حضرت مریم پر ناپاک تہمت لگائی مگر مارگولیوث کو شاید یاد نہیں رہا کہ یہ قرآن ہے جسنے مادر مسیح کی عصمت کی گواہی پرجوش طریقہ پر دیکر پیروان توحید کے قلوب کو تعظیم و توقیر کے جذبات سے لبریز کیا ہے۔

مدینہ میں جسوقت منافقین خبیثوں کی زبانوں کی زہر آلود برچھیاں مومنین کے قلوب کو زخمی کررہی تھیں عین اسوقت مکہ کیطرف سے تیغ وسناں کا ایک بلاخیز طوفان اٹھا اور افق مدینہ پر چھاگیا ذیل میں ہم اسکی تشریح کرتے ہیں۔

سلہ دیکھو صفحات ۳۴۴ لغایت ۳۴۲ طبع ثالث

غزوۂ احزاب

یہود بنی نضیر اگرچہ مدینہ چھوڑ کر خیبر میں آباد ہو گئے تھے لیکن انتقام کیلیے بیچین تھے ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ حُیی بن اخطب اور کنانہ بن الربیع وغیرہ سرداران یہود مکہ آکر ابوسفیان سے ملے اور کہنے لگے ہم تمہارے ساتھ ہیں آؤ اب سب ملکر اسلام کا استیصال کریں پھر یہ لوگ بنی غطفان سے ملے جنکا زبردست قبیلہ مدینہ کے شمال و مشرق میں پھیلا ہوا تھا اور اُنکو بھی مع اُن کے حلیف بنواسد کے شریک کر لیا۔ جنوب میں بنی سلیم آباد تھے جن کی قرابت قریش سے تھی وہ بھی آمادہ کئے گئے اور اس طرح سے قریش یہود اور قبائل عرب کے باہمی اتفاق سے دس ہزار (اور ایک روایت میں ۲۴ ہزار) کی جمعیت سے اپنے اپنے سرداروں کی ماتحتی میں مدینہ کیطرف ماہ شوال میں بڑھے۔

خندق کھودنا

آنحضرت نے یہ خبر سُنکر اصحاب سے مشورہ کیا حضرت سلمان عجمی تھے کہنے لگے کھلے میدان میں اسوقت مقابلہ مناسب نہیں ہے لشکر اسلام کے گرد ایک خندق کھود لیجائے اور محافظانہ جنگ کیجائے۔ اہل عرب کھلے میدان میں نیزہ بازی اور تیغ زنی کے عادی تھے وہ اس طریق جنگ سے واقف نہ تھے۔ آنحضرت کو یہ رائے پسند آئی اور خود بہ نفس نفیس تین ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے باہر نکلکر سلع کی پہاڑی کو پشت پر رکھکر مدینہ کی جانب شمال و مشرق ایک لمبی خندق جسکا عمق پانچ گز تھا بیس دن کے عرصہ میں سامنے کھود کر جنگ کے لیے مستعد ہو گئے اور عورتوں اور بچوں کو

شہر کے محفوظ قلعہ میں بھیجدیا۔

مدینہ میں اسوقت تک یہود بنی قریظہ آباد تھے جنھوں نے بنی نضیر کی جلاوطنی کے وقت معاہدہ کی تجدید کردی تھی لیکن اس نازک موقع پر حیی بن خطب کے بہکانے سے نقض عہد پر آمادہ ہوگئے۔ آنحضرتؐ نے انکے حلیف سعد ابن معاذ اور سعد بن عبادہ کو سمجھانے بھیجا مگر اُنھوں نے صاف جواب دیدیا۔ آنحضرتؐ کو جب اس خطرناک دغابازی کی اطلاع ہوئی فرمایا حسبنا اللہ ونعم الوکیل پھر سلمہ ابن اسلم کو دو سو آدمیوں اور زید بن حارثہ کو تین سو آدمیوں کے ساتھ شہر کی حفاظت کیلئے متعین کیا اور باقی اصحاب کے ساتھ کفار کی مدافعت شروع کی۔ اس غزوہ کا حال قرآن مجید کے سورۂ احزاب میں یوں مذکور ہے:۔

اذ جاؤکم من فوقکم	جب آگئے تم پر اوپر سے اور
ومن اسفل منکم واذ	نیچے سے اور جب خیرہ ہوگئیں نگاہیں
زاغت الابصار وبلغت القلوب	اور پہونچ گئے دل حلقوم میں اور
الحناجر وتظنون باللہ الظنونا	گمان کیا اللہ سے تم قسم قسم کے
ھنالک ابتلی المومنون وزلزلوا	گمان اُسوقت آزمائے گئے مومن
زلزالا شدیدا	اور ہلائے گئے سخت ہلانا۔

خاتمہ جنگ

متفقہ فوجوں نے نہایت سختی سے محاصرہ کیا لیکن چونکہ عمیق خندق حائل تھی دور سے بجز تیر اور پتھر برسانے کے اور کوئی علاج انکے پاس نہ تھا۔ آنحضرتؐ نے

خندق کے مختلف حصوں پر صحابہ کے دستے متعین کر دیے تھے جو نہایت ہوشیاری اور
مستعدی سے مدافعت میں مشغول تھے انہیں یاد تھا کہ جنگ اُحد میں ذرا سی غفلت اور
عجلت کا نتیجہ کیسا خطرناک تھا جنگجو قریش ہر روز ایک ایک سردار کی ماتحتی میں زور
شور سے حملہ کرتے تھے مگر ناکام واپس آتے تھے خالد ابن ولید، عمرو ابن عاص، ضرار
ابن الخطاب اور دوسرے دلیروں نے باری باری سے کوشش کی مگر بہادران اسلام
نے اُنکے منہ پھیر دیے۔ آخر ایک دن کفار نے بہیئت مجموعی تیر اور پتھر برساتے ہوئے
حملہ کیا۔ اُن میں جو مشہور شہسوار اور شجاع تھے وہ آگے آگے غیظ و غضب میں بھرے
آرہے تھے۔ ایک مقام پر خندق چوڑی نہ تھی اُس جگہ کو اُن لوگوں نے پیش نظر رکھکر
گھوڑے اُڑائے اور چشم زدن میں خندق پھاند آئے۔ عمرو ابن عبدود جو اُس زمانہ میں
ایک ہزار سوار کے برابر سمجھا جاتا تھا سب سے آگے تھا اور اُسکے ساتھ نوفل، ضرار،
عکرمہ ابن ابی جہل اور ہبیرہ وغیرہ تھے۔ عمرو نے آتے ہی رسم عرب کے مطابق آواز دی کہ میرے
مقابلہ کو کون نکلتا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت علی مرتضےٰ بیخوف و خطر اُسکے سامنے آئے
اور فرمایا اے عمرو میں نے سُنا ہے کہ تو نے یہ عہد کیا ہے کہ اگر کوئی دو درخواستیں تجھ سے کرے
تو ایک ضرور تو پوری کرے گا۔ اُسنے کہا ہاں۔ تب آپنے فرمایا اچھا خدا اور اُسکے
رسول پر ایمان لا۔ اُسنے جواب دیا یہ نہیں ہو سکتا۔ آپنے فرمایا خیر تو اب تو میرا مقابلہ کر
اُسنے جواب دیا بھتیجے میں نہیں چاہتا کہ تجھے قتل کروں۔ آپنے جواب دیا مگر میں اب
تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سنتے ہی عمرو غضبناک ہوکر گھوڑے سے اُترا اور اسکی

کونچیں کاٹ کر برق دم تلوار کھینچکر زور و شور سے حملہ آور ہوا۔ آپ نے کمال استقلال سے اسکا وار روکا پھر ذوالفقار کا ایسا تلا ہوا ہاتھ مارا کہ شانہ کاٹتی ہوئی نیچے اتر آئی پھر نعرۂ تکبیر بلند کر کے گروہ کفار پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے آپکے ساتھ ہوکر دلیرانہ مقابلہ کیا یہاں تک کہ کفار منہزم ہو گئے نوفل بھاگتے وقت خندق میں گرا مسلمانوں نے پتھر مارنا شروع کئے، وہ چلایا اے معاشر عرب میں شریفانہ موت چاہتا ہوں۔ یہ سنکر حضرت علی خندق میں پھاند پڑے اور تلوار سے مقابلہ کر کے اسکو قتل کیا۔

حملہ کا یہ روز نہایت سخت تھا۔ تمام دن جنگ رہی سیل کفار مسلمانوں کو بہا لیجانا چاہتی تھی مگر وہ پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ اسدن صلوٰۃ الخوف بھی پڑھنے کا موقع نہ ملسکا متصل تیر باری اور سنگ اندازی کی باعث جگہ سے ہٹنا ممکن نہ تھا۔ بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر غروب آفتاب کے وقت کفار کو گالیاں دیتے ہوئے آنحضرت کیخدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ آج نماز عصر بھی ادا کرنے کا موقع نہ ملا آپنے فرمایا مجھ کو بھی موقع نہ ملا پھر قضا پڑھی۔ حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی سے روایت ہے کہ آنحضرت نے پھر یوں دعا فرمائی۔

اللھم منزل الکتاب سریع	خداوند تو کتاب نازل کرنے والا
الحساب اھزم الاحزاب اللھم	جلد حساب لینے والا فوجوں کو شکست
اھزمھم وزلزلھم۔	دینے والا ہے خداوند ان کو شکست دے
(بخاری کتاب المغازی)	اور ان میں زلزلہ ڈال دے۔

قدرت الٰہی کا کرشمہ

وہ خدا جسنے بدر و اُحد میں غیب سے اپنے دین کی نصرت و حمایت فرمائی تھی اب اس موقع پر جب ہر طرف سے دشمنوں نے گھیر لیا تھا اپنی قدرت کا کرشمہ دکھایا جس کی تفصیل یہ ہے۔

دشمنوں کو اپنی کثرت اور قوت پر ناز تھا وہ سمجھے تھے کہ جاتے ہی مدینہ کو لوٹ لینگے اور اسلام کا خاتمہ کر دینگے لیکن آتے ہی جب خلاف اُمید ایک نئے طرز جنگ یعنی خندق کا سامنا ہوا پھر باوجود متواتر کوششوں اور ایک مرتبہ خندق عبور کرنے پر بھی مسلمانوں نے دلیری اور استقلال سے انکا مقابلہ کرکے منہزم کر دیا تو کفار کے پائے ثبات کو لغزش شروع ہوئی۔ بیساب منش قبائل عرب جو باقاعدہ لڑنا جانتے نہ تھے وہ لوٹ مار کے شائق تھے موقع ملا تو لوٹ لیا ورنہ بھاگ کھڑے ہوئے اسکے علاوہ قریش نے رسد کا باقاعدہ انتظام نہیں کیا تھا کہ اتنی بڑی فوج کو عرصہ تک لڑا سکتے، اسپر شدت سرما اور کھلا میدان۔ یہود بنی قریظہ اگرچہ نقض عہد کرکے کفار کے شریک تھے لیکن اتنی جرات نہ تھی کہ اُدھر کفار باہر سے حملہ کریں اور ساتھ ہی لوگ پیچھے سے نکل پڑیں۔

طبری نے ابن اسحق سے روایت کی ہے کہ جس قلعہ میں آنحضرت نے عورتوں اور بچوں کو محفوظ رکھا تھا۔ ایکدن ایک یہودی جاسوس اُسکے قریب آکر دیکھ بھال کر رہا تھا آنحضرت کی پھوپھی حضرت صفیہ نے یہ دیکھکر حضرت حسان بن ثابت سے کہا کہ جاؤ اور اس مخبر کو قتل کر دو۔ انھوں نے جواب دیا اے بنت عبدالمطلب میں مرد میدان ہوتا

تو یہاں کیوں ٹھہرتا۔ یہ سنکر حضرت صفیہ نے ایک چوب اٹھائی اور نیچے اُتر کر اُس یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ اُسکا سر پھٹ گیا پھر حسان سے پکار کر کہا اب ادھر آیئے اور اُسکے ہتیار اور کپڑے اتار لیجئے۔ حسان نے جواب دیا مجھے اسکی بھی ضرورت نہیں ہے۔ جاسوس کے قتل کے بعد پھر یہود نے ادھر رخ نہ کیا۔

الغرض محاصرے نے طول کھینچا اور متحدہ افواج میں بیدلی شروع ہوئی۔ اس حالت میں یکایک ایک شب کو اس زور کا طوفان آیا کہ خیمے اکھڑ گئے۔ چولھوں پر دیگچے الٹ گئے۔ اندھیری رات سرد ہوا کے جھونکے تیر کا کام دیتے تھے۔ دشمن اس بلائے آسمانی سے بدحواس ہو گئے۔ صبح ہوتے ہی ابوسفیان لشکر قریش کو لے کر مکہ چلا اور قبائل عرب نے اپنی اپنی راہ لی۔ احزاب کا بادل چھٹ گیا اور افق مدینہ صاف ہو گیا۔ تاہم بانی فساد حیی بن اخطب اور اُسکے رفقا یہودی بنی قریظہ کے قلعوں میں ٹھہر گئے۔[۱]

اس جنگ میں اگرچہ نقصان جان بہت کم ہوا لیکن قبیلہ اوس کے سردار اعظم حضرت سعد بن معاذ جو دین برحق کے پرجوش حامی اور مشہور جاں نثاروں میں تھے تیر سے ایسے زخمی ہوئے کہ ایک ماہ تک بیمار رہ کر اعلیٰ علیین کو سدھارے۔

احزاب کے منتشر ہو نیکے بعد جو الفاظ آنحضرت کی زبان پاک سے نکلے وہ توحید و توکل اور شکر و ثنا کے آئینہ دار ہیں۔ بخاری میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ آپ نے یوں فرمایا۔

---

[۱] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۴۸۰

لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ	نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ
اعز جندہ ونصر عبدہٗ وغلب	کے جو اکیلا ہے جس نے اپنے لشکر کو عزت دی
الاحزاب وحدہ فلا شئ	کیا اور اپنے بندہ کو مدد دی اور
بعدہٗ	اکیلا فوجوں پر غالب ہوا۔ پس کوئی
(کتاب المغازی)	شے اس کے بعد نہیں۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اس جنگ کے ذکر میں آپ فرمایا کرتے تھے:-

نصرت بالصبا واھلکت عاد	مجھے مشرقی ہوا سے مدد دی گئی
بالدبور (بخاری کتاب المغازی)	اور قوم عاد باد مغرب سے تباہ ہوئی

قرآن مجید میں یوں ارشاد ہوتا ہے:-

یا ایھا الذین اٰمنوا	اے ایمان والو یاد کرو اللہ کی
اذکروا نعمۃ اللہ علیکم	نعمتیں جو تم پر ہیں۔ جب تم پر لشکر
اذ جاءتکم جنود فارسلنا	آ گئے پس ہم نے ان پر ہوا کو بھیجا
علیھم ریحا وجنودا لم تروھا	اور وہ لشکر کہ نہ دیکھتے تم اس کو اور
وکان اللہ بما تعملون بصیرا	اللہ تمہارے کاموں سے آگاہ ہے

یہود نبی قریظہ کا سوء خاتمہ قدیم زمانہ سے جو لوگ شجاع اور شریف تھے انھوں نے رنج وراحت

عہد کی پابندی

ہر حالت میں وفائے عہد اپنا ہمیشہ شعار رکھا۔ ہندوستان میں راجپوتوں نے عہد کی پابندی میں اپنی جانیں تک قربان کر دی ہیں۔ یہی حال بہادران عرب کا تھا۔ سموئل بن عادیا

جاہلیت کا مشہور یہودی شاعر تیما کا حاکم تھا اور اپنے مستحکم قلعہ ابلق میں رہتا تھا۔ امرأ القیس نے قسطنطنیہ جاتے وقت اپنی چند زرہیں اسکے پاس امانت رکھیں۔ منذر شاہ حیرہ کو خبر ہو گئی چنانچہ ایک فوج سموئل کے مقابلہ کو بھیجی کہ وہ زرہیں چھین لیجائیں۔ فوج نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اتفاق سے سموئل کا بیٹا جو باہر شکار کھیلنے گیا تھا گرفتار ہو گیا سردار فوج نے سموئل سے کہلا بھیجا کہ اگر اب بھی زرہیں نہ دیں تو تیرے بیٹے کو قتل کر دونگا۔ سموئل نے جواب دیا ہر حال میں عہد کا پابند ہوں۔ یہ سنکر سردار فوج نے جگر پارۂ سموئل کے دو ٹکڑے کر دیے۔ اسوقت سے عرب میں یہ مثل مشہور ہے وفا کوفاء السموئل ذیل کے شعر میں سموئل نے اسی واقعہ کیطرف اشارہ کیا ہے ؎

وفیت بادرع الکندی انی　　اذا ما خان اقوام وفیت

قرآن مجید میں عہد کی پابندی ایمان کی دلیل ہے ارشاد ہوتا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا　　اے ایمان والو پورے کرو

بِالْعُقُوْدِ　(مائدہ)　وعدے۔

اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ　　وعدہ پورا کرو بیشک وعدہ

كَانَ مَسْئُوْلًا　(بنی اسرائیل)　پوچھا جائیگا۔

یہود بنی قریظہ سے جب حیی ابن اخطب نے کہا دیکھو یہ کثیر التعداد فوج احزاب آپہونچی اب تم لوگ بھی ہمارے ساتھ ہو کر مقابلہ کرو تو سردار بنی قریظہ کعب ابن اسد نے جو جواب دیا وہ یہ تھا کہ ہم نے محمد کو عہد شکنی کرتے نہیں دیکھا لیکن ابن اخطب کا جادو

چل گیا اور بنی قریظہ نے باوجودیکہ بنی نضیر کے اجلاء کے وقت تجدید عہد کیا تھا ایسے نازک وقت میں عہد شکنی کی جب دشمنوں نے ہر طرف سے گھیر لیا تھا اور اسلام کی حالت نازک ہو گئی تھی۔ آخر عہد شکنوں کو اُن کی شامت اعمال نے ایسا نتیجہ دکھایا جو نہایت عبرت خیز ہے۔ ع

این جہاں کوہ است و فعل ما ندا

قرآن مجید میں یہ واقعہ یوں مذکور ہے۔

شہادت قرآنی

وانزل الذین ظاھروھم	اور اہل کتاب سے جو اُن کے
من اھل الکتاب من صیاصیھم	مددگار ہوئے اُن کو قلعوں سے اُتارا
وقذف فی قلوبھم الرعب	اور اُن کے دلوں میں رُعب ڈالدیا
فریقا تقتلون وتاسرون	ایک گروہ کو تم قتل کرتے ہو ایک
فریقا (احزاب)	کو قید۔

جس صبح کو دشمن کی متفقہ افواج پراگندہ ہو گئی لشکر اسلام خندق سے ہٹکر شہر واپس آیا اُسی سہ پہر کو آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ مسلمان ابھی ہتھیار نہ کھولیں اور فوراً روانہ ہوکر نماز عصر بنی قریظہ کے قلعوں کے سامنے پڑھیں۔ بنی قریظہ عہد شکنی کر کے سمجھ چکے تھے کہ نتیجہ اچھا نہوگا، لیکن حیی بن اخطب اُن کے ساتھ تھا، اُمید تھی کہ وہ جوڑ توڑ کر کے پھر قبائل عرب کو برانگیختہ کر کے مدد پر لائیگا، لیکن جس غیر معمولی تیزی کے ساتھ آنحضرتؐ لشکر اسلام لئے ہوئے اُسی دن اُن کے قلعوں کے سامنے آپہنچے

اُن سے وہ لوگ گھبرا گئے اور یہ جرأت نہ کر سکے کہ باہر نکلکر اور راستہ روک کر مقابلہ کرتے صرف قلعہ بند ہوکر لڑنے پر آمادہ ہو گئے محاصرہ نے جب طول کھینچا تو ایک دن سردار یہود کعب بن اسد یوں کہنے لگا لوگو تم جان چکے ہو کہ محمد نبی مرسل ہیں پھر ایمان کیوں نہیں لاتے تاکہ تمہاری جان اور مال محفوظ رہیں۔ انھوں نے جواب دیا ہم توریت کو نہ چھوڑینگے۔ تب اُسنے کہا تو پھر اب اپنے ہاتھوں سے زن و فرزند کو قتل کر کے اور اُنکی فکر سے خالی الذہن ہوکر تلواریں لے کر نکل پڑو اور مارو اور مر جاؤ۔ انھوں نے جواب دیا یہ ہم سے نہوگا تب اُسنے کہا اچھا سبت کے دن جب مسلمان تمہاری طرف سے مطمئن ہوں یکایک نکلکر حملہ کردو مگر اُنھوں نے جواب دیا ہم سبت کے دن مقابلہ نہ کرینگے۔ ۵ھ

یہود اسی شش و پنج میں تھے کہ ایک دن حضرت علی مرتضیٰ زبیر ابن العوام کے ساتھ نکلے اور آواز دی یا تو آج فتح ہے یا مثل حضرت حمزہ شہادت۔ یہ سُنکر یہود نے کہلا بھیجا کہ اچھا ابو لبابہ کو جو یہود کے حلیف تھے مشورہ کیلیے بھیجدیا جائے جب وہ آئے تو یہود نے کہا کیا ہم اپنے آپ کو محمد کے سپرد کردیں انھوں نے جواب دیا۔ ہاں مگر ساتھ ہی گردن کی طرف اشارہ کیا یعنی تم لوگ قتل ہوگے ابولبابہ سمجھے تھے کہ ایسے بدعہدوں کی سزا جبکہ ایسے نازک وقت میں دغا دی بجز قتل کے اور کیا ہوگی اسلیے انھوں نے ایسا کیا۔ لیکن واپسی کے وقت اپنی اس حرکت پر ایسے نادم ہوئے کہ رسول اللہ کو منہ نہ دکھایا۔ تب یہود نے اِس اُمید پر کہ اُن کے حلیف حضرت سعد ابن معاذ کچھ رعایت کرینگے کہلا بھیجا کہ ہم اس شرط پر اُترتے ہیں کہ ہمارے حق میں حضرت سعد بن معاذ کا فیصلہ اور اس پر ایک نظر

جو فیصلہ سعد کریں وہ منظور ہے لیکن سعد نے انکے حق میں انھیں کی کتاب توریت کا فیصلہ صادر کیا۔

توریت مثنی باب بستم آیت ۱۳ و ۱۴ میں لکھا ہے

"جب شہر دشمن پر تجھے دسترس حاصل ہو تو ہر ایک مرد کو تلوار سے گھاٹ اتار دے اور عورتوں اور بچوں مویشی اور جو کچھ شہر میں ہو اُن سب پر تصرف کر۔"

اسیطرح کتاب خروج باب سی و دوم آیت ۲۸ میں لکھا ہے کہ

"حضرت موسےٰ نے تین ہزار بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی کے جرم میں ایک دن کے اندر قتل کردیا۔"

اسیطرح کتاب یوشع باب یازدہم آیت ۱۱ میں لکھا ہے کہ

"یوشع پیغمبر نے شہر حاصور پر غلبہ حاصل کر کے کسی ذی روح کو زندہ نہ چھوڑا پھر شہر کو نذر آتش کردیا!"

یہ تھی شریعت موسوی جو بنی قریظہ کے حق میں انھیں کی پسند کے مطابق اُنکے سوء خاتمہ کا باعث ہوئی۔ رسول کریم نے بنی قریظہ سے بڑے بڑھ کر قریش کے قیدیوں کو جنگ بدر میں فدیہ لے کر چھوڑ دیا تھا اسیطرح غزوہ بنی المصطلق فتح مکہ اور حنین میں جو رحیمانہ برتاؤ آپ نے کیا وہ تاریخ کے صفحات میں آب زر سے لکھا ہوا ہے کاش بنی قریظہ رحمۃ للعالمین کے فیصلہ پر اپنے آپ کو سپرد کردیتے تو ایسا سخت

واقعہ پیش نہ آتا۔

درد انگیز واقعات

الغرض حضرت سعد ابن معاذ نے جو فیصلہ کتاب الٰہی یعنی توریت کے مطابق کیا وہ یہ تھا کہ مرد قتل ہوں اور عورتیں اور بچے اسیر کئے جائیں۔ ابن اسحق نے اس بد نصیب گروہ کے سوء خاتمہ کے متعلق بعض درد انگیز واقعات بھی نقل کئے ہیں جنسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلمانوں کا قلم ہے جو اپنے دشمنوں کا بھی مرثیہ لکھ سکتا ہے۔

بنی قریظہ میں ایک یہودی زبیر ابن باطا تھا جسنے جنگ بعاث میں ثابت بن قیس انصاری کی جان بچائی تھی جب بنی قریظہ قتل ہونے لگے تو زبیر نے ثابت سے کہا مجھے پہچانتے ہو انھوں نے کہا کیوں نہیں تو نے میرے ساتھ احسان کیا ہے آج اسکا بدلہ دونگا۔ یہ کہکر آنحضرت کیخدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ میں زبیر کا ممنون ہوں آپ مجھے اسکو بخش دیجئے آپ نے فرمایا اچھا اسکو لیجاؤ۔ ثابت نے زبیر کو جان بخشی کی خوشخبری سنائی اُسنے کہا جب اہل و عیال نہیں تو لطف زیست کیا ثابت نے پھر سفارش کی جو قبول ہوئی تب اُس یہودی نے کہا حجازیوں کو مال کے بغیر چارہ نہیں چنانچہ وہ بھی اسکو عطا ہوگیا۔ تب یہودی بولا۔ ثابت بتاؤ وہ روشن چہرہ سردار قبیلہ کعب ابن سعد کہاں ہے۔

ثابت۔ وہ تو قتل ہوگیا۔

زبیر۔ اور وہ شہریوں اور بدوؤں کا سید حیی بن اخطب کیا ہوا۔

ثابت۔ وہ بھی قتل ہوگیا

زبیر۔ اور وہ ہمارا پیشوا اور حامی عزال بن سموئل کہاں ہے
ثابت۔ وہ بھی مارا گیا۔
زبیر۔ اچھا آمنا اور بتاؤ کہ بنی کعب اور بنی عامر کے پیارے کہاں ہیں۔
ثابت۔ وہ تہ تیغ ہو رہے ہیں۔
زبیر۔ ثابت میں نے تمہارے ساتھ جو کچھ بھی کیا آج اُسکا واسطہ دلا کر تمسے ایک سوال کرتا ہوں دیکھو رد نہ کرنا۔
ثابت۔ ہاں میں وعدہ کرتا ہوں رد نہ کرونگا۔
زبیر۔ ثابت بس اب اُٹھو اور تلوار کا ایک تلا ہوا ہاتھ میری گردن پر مارو میں اپنے پیاروں سے ملنا چاہتا ہوں۔ دیکھو وعدہ خلافی نہ کرنا۔
ثابت حیرت سے زبیر کا منہ تکنے لگے پھر اُسکے چہرہ پر بلا کا استقلال دیکھکر اور اُسکے اصرار سے مجبور ہوکر اُسکی دردناک آرزو پوری کی۔
حضرت عروہ ابن زبیر حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں۔ آپ فرماتی ہیں مقتولین کی فہرست میں ایک یہودن بھی تھی جسنے خلاد بن سوید کو پتھر کی سل ڈھکیل کر قتل کیا تھا وہ میرے پاس بیٹھی ہوئی بات بات پر ہنستی جاتی تھی مجرموں کے نام پکارے جاتے تھے اور قتل گاہ میں لاتے تھے یکایک اُسکا نام پکارا گیا وہ بے تامل اُٹھ کھڑی ہوئی میں نے کہا کہاں جاتی ہے۔ بولی میں نے ایک جرم کیا تھا اُسکی سزا اُٹھانے جاتی ہوں۔ میں نے حیرت سے اُسکو دیکھا کہ کس خوشی سے قتل گاہ کو جاتی ہے۔

ابن اسحق اور واقدی کی دو روایتوں پر تبصرہ

ابن اسحٰق نے قریظہ کے سورخاتمہ کے متعلق بعض باتیں ایسی بیان کی ہیں جو صحیح نہیں ہیں پھران باتوں کو واقدی کے کاتب ابن سعد نے ایسے بدنما پیرایہ میں بیان کیا کہ دشمنان دین کو گرفت کا موقع ملگیا۔ ذیل میں ہم دو روایتیں نقل کرتے ہیں۔

روایت اول

(ابن اسحٰق)

ثم خرج رسول اللہ صلی اللہ	پھر رسول اللہ صلعم مدینہ کی بازار
علیہ وسلم الی سوق المدینۃ التی	میں تشریف لائے جہاں آج بھی بازار
ھی سوقھا الیوم فخندق بھا	ہے پھر چند گڑھے کھدوائے پھر اُن کو
خنادق ثم بعث الیھم فضرب	بلوا کر اُن گڑھوں میں اُن کی گردنیں
اعناقھم فی تلک الخنادق یخرج	ماریں جہاں وہ تھوڑے تھوڑے آتے
بھم الیہ ارسالا وفیھم عدو اللہ	تھے۔ اور انہیں میں دشمن خدا حیی
حیی بن اخطب وکعب ابن اسد	ابن خطب اور کعب بن اسد سردار
راس القوم وھم ست مأئۃ	قوم تھے اور یہ سب لوگ ۶۰۰ یا ۷۰۰
او سبع مائۃ والمکثر لھم یقول	تھے اور بعضے کہتے ہیں آٹھ سو اور نو سو
کانوا بین الثمان مائۃ والتسع مائۃ	کے درمیان تھے

(ابن ہشام جزء ثالث صفحہ ۹۲، ۹۳)

(ابن سعد)

وحضر لھم اخدود افی	اور بازار میں ان کیلئے خندقیں
السوق وجلس رسول اللہ صلی	کھودی گئیں اور رسول اللہ صلعم صحابیوں
اللہ علیہ وسلم ومعہ اصحابہ	کے ساتھ وہاں تشریف فرما ہوئے
واخرجوا الیہ رسلا رسلا	اور گروہ در گروہ سامنے لائے گئے
فضربت اعناقھم فکانوا ما بین	اور انکی گردنیں ماری گئیں اور انکا
ستمائۃ الی سبعمائۃ	شمار چھ سو سے سات سو تک ہے۔

(طبقات جزو ثانی ۵۶)

بنی قریظہ کے حالات ابن اسحق نے زہری سے نقل کئے ہیں جہاں جہاں کسی روایت کا سلسلہ کسی صحابی تک پہونچا ہے اسکی تصریح ابن ہشام نے کردی ہے۔ مذکورہ بالا روایت "قال ابن اسحق" سے شروع ہوتی ہے اسلئے منقطع ہے۔ ابن اسحق نے یہ روایات یہود خیبر سے سنکر نقل کئے ہیں جیسا کہ ہم نے آغاز کتاب میں ذکر کیا ہے۔ زبیر ابن باطا کا درد انگیز قصہ اولاد زبیر سے نقل کیا ہے اسیطرح اور باتیں بھی اولاد مقتولین سے سنکر درج کی ہیں آنحضرت نے شہر کے گرد جو مشہور خندق احزاب کے مقابلہ میں کھودی تھی وہ اسوقت پٹ نہیں گئی تھی پھر نئی خندقیں بنی قریظہ کیلئے کھدوانا بیفائدہ تکلیف تھی۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو خندق کھدی ہوئی تھی اسمیں ان لوگوں کا خون گرایا گیا۔ اب دیکھو واقدی نے کیا بدنما پیرایہ اختیار کیا اور خنادق کی جگہ اخدود استعمال کیا قرآن مجید میں اصحاب الاخدود کا قصہ سورۃ البروج میں مذکور ہے۔ یمن کا یہودی بادشاہ ذو نواس

سخت متعصب اور ظالم تھا اُس نے ایک خندق کھدوائی اور آگ جلا کر عیسائیوں کو زندہ جلوا دیا اور آپ مع مصاحبوں کے سامنے بیٹھا ہوا یہ ہولناک تماشا دیکھتا رہا۔ واقدی آنحضرت اور صحابہ کو خندق کے سامنے بٹھاتے ہیں اور یہود کے سر کٹنے کا خونی منظر دکھاتے ہیں۔ مارگولیوث نے واقدی کی اسی روایت کو لے کر اپنی کتاب "محمد" میں زور قلم دکھایا ہے۔ ہم مارگولیوث کو الزام نہیں دیتے ملزم واقدی ہیں جو شوق داستان سرائی اور ذوق عبارت آرائی میں رسول اللہ کے اسوۂ حسنہ کو بھول کر جو جی میں آیا بک دیا۔

مقتولین کی تعداد ۶۰۰ سے ۹۰۰ تک بتائی جاتی ہے یہ اس وجہ سے کہ چونکہ حضرت سعد ابن معاذ نے فیصلہ توریت کے مطابق کیا تھا کہ جس قدر مرد ہوں قتل ہوں اس عورتیں اور بچے اسیر ہوں لیکن ابن اسحق اور واقدی دونوں نے ایسے واقعات بیان کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ توریت کے اس سخت فیصلہ کی پوری پوری تعمیل نہیں ہوئی۔ مثلاً زبیر ابن باطا کو آنحضرت نے ثابت ابن قیس کی سفارش سے چھوڑ دیا تھا اور اُسکے اہل و عیال کو بھی اسیطرح سلمی نے رفاعہ ابن سموئل کی جان بخشی چاہی تو آپ نے اسکو بھی رہا کر دیا جیسا کہ طبری سے منقول ہے[1]۔ عورتوں اور بچوں کے قید کرنیکا حکم تھا لیکن ایک ایسی عورت بھی تھی جو قتل ہوئی (جسکا قصہ ہم اوپر لکھ چکے) پھر ابن اسحق لکھتے ہیں کہ بنی قریظہ کو دار بنت الحارث میں قید رکھا تھا۔ عروہ کی روایت میں دار اسامہ بن زید منقول ہے ظاہر ہے کہ یہ گھر کوئی وسیع محل یا جیل خانہ نہ تھے جہاں اسقدر تعداد مقتولین بھر دی جاتی سوائے اسکے

[1] طبری جزء ثالث صفحہ ۱۵۹۱

کر اسکو کلتہً کا لعدم نہیں کہہ سکتے۔ محدثین نے تعداد مقتولین ۹۰۰ رکھی ہے مگر صحیح بخاری میں تعداد مذکور نہیں معلوم ہوتا ہے کہ صرف سرداران بنی قریظہ اور اُسکے ساتھ اکثر لڑنیوالے قتل ہوئے باقی سب اسیر ہو گئے۔ قرآن مجید میں صرف فریقا یقتلون وتاسرون فریقا مذکور ہے۔

تاہم اِس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ تمام غزوات کے مقتولین کے مقابلہ میں بنی قریظہ کی تعداد مقتولین زیادہ تھی جو سوراتفاق سے اُس شریعت کے حکم کی تعمیل تھی جسنے ایکدن کے اندر تین ہزار گوسالہ پرست اسرائیلیوں کو عہد موسوی میں ذبح کر دیا تھا۔

دوسری روایت

ابن اسحق لکھتے ہیں کہ قیدیوں میں ایک یہودن ریحانہ کو آنحضرت نے اپنے لئے چن لیا اور ملک یمین کے طور پر تصرف کیا۔ آپ نے چاہا تھا کہ نکاح کر کے پردہ میں بٹھائیں مگر ریحانہ کو یہ آسان معلوم ہوا کہ لونڈی بنکر رہے۔ ریحانہ نے کچھ عرصہ تک اسلام قبول کرنے سے انکار کیا۔ آنحضرت کو گراں گزرا لیکن پھر وہ ایمان لائی اور رسول اللہ کی وفات کے بعد انتقال کیا۔

ابن سعد نے طبقات میں ریحانہ کے متعلق واقدی سے سات مختلف روایتیں نقل کی ہیں۔ دو روایتیں وہی ہیں جو ابن اسحق نے بیان کیں تین روایتوں میں آزاد کر کے نکاح کرنا۔ پھر حجۃ الوداع میں اُسکا انتقال کرنا اور بقیع میں دفن ہونا منقول ہے ایک روایت میں نکاح کے چند روز بعد طلاق دیدی وہ بہت روئی پیٹی تب آپنے

رجوع کرلیا یہانتک کہ آپ کے سامنے اُسکا انتقال ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ نہیں جب طلاق دیدی تو وہ اپنے گھر چلی گئی۔"

ابن اسحٰق کی جو مذکورہ بالا روایت ابن ہشام اور طبری میں منقول ہے اِس میں کسی راوی کا نام نہیں ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ روایت ضعیف ہے اور ابن اسحٰق نے کسی شخص سے سُنکر ایسا لکھدیا۔ واقدی کے حافظہ کا کیا پوچھنا سات روایتیں مع سلسلہ اسناد طیار کرکے پیش کردیں لیکن ان روایتوں کا سلسلہ کسی صحابی تک نہیں پہونچتا حالانکہ اگر ریحانہ سے نکاح ہوا اور حجۃ الوداع میں انتقال ہوا تو ضرور کوئی صحابی ایسی ام المومنین کا ذکر کرتا جیسے حضرت زینب بنت خزیمہ کا احوال جنکا انتقال آنحضرت کے سامنے ہوا۔ لیکن اگر وہ لونڈی رہیں اور وفات رسول اللہ کے بعد انتقال کیا تو جس خلیفہ کے عہد میں وفات پائی وہ تاریخ ضرور ضبط کیجاتی جسطرح دیگر ازواج مطہرات بشمول حضرت ماریہ قبطیہ کے سن وفات قلمبند کئے گئے۔ اصل یہ ہے کہ بنی قریظہ کے متعلق جو کچھ توریت کے مطابق فیصلہ ہوا تھا جس میں یہ لکھا ہے:-

" اسیران جنگ میں اگر تجھے کوئی حسینہ نظر آئے اور تو پسند کرے کہ اُسکو اپنے حرم میں داخل کرے تو اُسے اپنے گھر میں لاکر اُسکے بال منڈوادے اور ناخن کترواوے پھر وہ لباس اسیری اتار ڈالے اور تیرے گھر میں ایک ماہ تک اپنے ماں باپ کا ماتم کرے جسکے بعد تو اُس سے ہمبستر ہو۔ پھر اگر تجھے لطف نہ آئے تو اُسے چھوڑ دے جہاں جی چاہے چلی جائے۔ لیکن اُسے بیچکر

روپیہ نہ کمانا کیونکہ تو نے اس کی عزت لی ہے۔"

(توریت مشنی باب ۲۱ آیت ۱۱-۱۴)

اسلیے ارباب سیر نے ریحانہ کو ڈھونڈھ نکالا۔ اموی اور عباسی درباروں کی عیش پرستیاں ملک یمین کی بحثیں، اور نام نہاد خلفائے رسول کیلیے قیدیان جنگ سے متمتع ہونے کیلیے سند جواز، یہ وجوہ تھے جنکے بنا پر قصۂ ریحانہ مشہور کیا گیا۔ ورنہ اسکی کچھ اصلیت نہیں ہے (ازواج مطہرات کے ذکر میں ہم اسپر مزید روشنی ڈالینگے)۔

صلح حدیبیہ

سنہ ۶ھ

واقعات زندگی میں بھی دریا کی طرح مدوجزر ہوتا ہے۔ قریش کا زور جنگ احزاب میں ناکامی کے بعد سے گھٹنا شروع ہوا۔ اُن لوگوں نے ہجرت کے بعد ہی مسلمانوں کو حج وعمرہ کے حق سے بیجا طور پر محروم کرکے لڑائی کی آگ روشن کردی تھی۔ ابوجہل اور ابولہب وغیرہ سخت ترین دشمنان اسلام کا اگرچہ خاتمہ ہو چکا تھا لیکن پھر بھی جہالت اور ضد صلح وآشتی کی طرف مائل نہیں ہونے دیتی تھی۔ اِنکے دو سال آمدنی بند ہو گئے تھے۔ جان ومال کا نقصان ہو رہا تھا لیکن پھر بھی آنکھیں نہیں کھلتی تھیں۔ آنحضرت نے اِس حال کو ملاحظہ فرما کر تفرقہ قوات کی پراگندگی کے بعد فرمایا اب ہم خود قریش پر نکلینگے چنانچہ جس شان سے نکلے اور جو واقعات پیش آئے ملاحظہ ہوں۔

چودہ سو جان نثاران اسلام کی ہمراہی میں عمرہ بیت اللہ کا ارادہ کرنے والا امین کا ہوتا قربانی کے اونٹ لیے ہوئے بیت اللہ کی طرف عمرہ ادا کرنے نکلا، راہ میں ایک شب پانی پر صبح کو نماز پڑھکر صحابہ سے یوں خطاب فرمایا۔ بخاری کتاب المغازی میں زید بن خالد سے یوں روایت کرتے ہیں:۔

فصلی لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الصبح ثم

پس رسول اللہ صلعم نے نماز فجر ہمارے ساتھ ادا کی پھر ہماری طرف

اقبل علینا بوجهہ فقال	منہ کرکے فرمایا جانتے ہو تمہارے رب نے
اتدرون ماذا قال ربکم قلنا	کیا بات کہی۔ ہم نے جواب دیا اللہ
اللہ ورسولہ اعلم فقال قال	اور اُسکا رسول زیادہ جانتا ہے آپ
اللہ اصبح من عبادی مومن	بولے اللہ فرماتا ہے صبح کی میرے
بی وکافر بی فامامن قال	بندوں میں سے میرے ساتھ مومن
مطرنا برحمۃ اللہ وبرزق اللہ	اور کافر ہو کر پس جسنے کہا کہ ہم پر بارش
وبفضل اللہ فھو مومن بی و	ہوئی اللہ کی رحمت سے اور اُسکے رزق
کافر بالکواکب	عطا کرنے سے اور اُسکے فضل سے
واما من قال مطرنا	پس وہ میرے ساتھ ایمان والا ہے
بنجوم کذا وکذا	مگر ستاروں کے ساتھ منکر لیکن جسنے
فھو مومن بالکواکب	کہا کہ ہم پر بارش ہوئی ایسے ایسے تارو
وکافر بی	کے اثر سے پس وہ ستاروں کے ساتھ
(بخاری)	مومن ہے اور میرے ساتھ کافر۔

حضرت ابراہیم نے اجرام فلکی کو دیکھکر لا احب الآفلین کا نعرہ مارا تھا اور ذات واحد کی طرف توجہ دلائی تھی یہاں رسول اللہ نے اسباب اور وسائط کے پردے اٹھا کر فاعل حقیقی اور مؤثر اصلی کا جلوہ دکھایا۔

حکما جسے علت ومعلول کا سلسلہ سمجھتے ہیں وہ اصل میں مقدم ومؤخر کا ظہور ہے

جو ایک مقررہ ترتیب کے ساتھ نظر آرہا ہے فاعل اور مؤثر حقیقی اصل میں وہی ذات پاک ہے انسان جسکی دماغی قوتوں نے قوانین فطرت کی عظیم الشان مشین کے کل پرزوں کو دریافت کرکے عناصر کو بہت کچھ مسخر کیا اور کر رہا ہے وہ اسباب و علل کے چکروں میں اپنے دامن دل کو اُلجھنے نہ دے یہ ہے اس تعلیم کا منشا جسکی تشریح کی ضرورت اس دور سائنس میں خاص طور سے محسوس ہو رہی ہے جبکہ علم حجاب اکبر ہو رہا ہے۔

قریش کو جب آنحضرت کی روانگی کی اطلاع ہوئی فوراً جنگ کی طیاری کی اور خالد بن ولید کو ہراول کے طور پر دو سو سوار کے ساتھ روانہ کیا۔ لیکن آنحضرت دشوار گزار راستوں سے گزرتے ہوئے حدیبیہ میں پہونچکر مقیم ہو گئے۔ قبیلہ خزاعہ جو مکہ کے گرد و نواح آباد تھا اگرچہ اسوقت تک ایمان نہیں لایا تھا لیکن آنحضرت کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتا تھا اسکے سردار بدیل بن ورقہ کو آپ نے قریش کے سمجھانے اور عمرہ ادا کرنیکی اجازت دینے کیلیے بھیجا مگر وہ لوگ اپنی ضد پر قائم رہے عروہ بن مسعود ثقفی نے تب صلح کی سلسلہ جنبانی شروع کی مگر وہ بھی ناکام رہا۔ تب آنحضرت نے عثمان کو سفیر کے طور پر بھیجا۔ مگر قریش نے اُن کو نظر بند کر لیا اور یوں مشہور ہو گیا کہ آپ قتل ہو گئے۔ تب آنحضرت ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ عثمان کے خون کا قصاص لازم ہو گیا میرے ہاتھ پر اب مرنے اور مارنے کیلیے کون بیعت کرتا ہے۔ صحابہ نے جوش و خروش کیساتھ جان نثاری کا عہد کیا۔ اس بیعت کا نام بیعت الرضوان ہے۔ قریش نے تب مشہور مقرر سہیل بن عمرو کو جسے آنحضرت نے جنگ بدر میں رہا کر دیا تھا

سفیر بناکر بھیجا اور حسب ذیل شرطیں پیش کیں ۔

" امسال مسلمان واپس جائیں وہ مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے ہاں سال آئندہ زیارت کر سکتے ہیں بشرطیکہ صرف تین دن سے زائد قیام نہ کریں ہتھیار لگا کر نہ آئیں صرف ایک تلوار لا سکتے ہیں وہ بھی غلاف میں ۔

لڑائی دس سال تک موقوف رہے ۔ دوست و دشمن آپس میں مل سکتے ہیں لیکن اگر کوئی قریشی بغیر اذن مدینہ چلا آئے تو وہ واپس کر دیا جائیگا ۔ مگر جو شخص مدینہ سے مکہ چلا آئے وہ واپس نہوگا ۔

عرب کے جس قبیلہ کا جی چاہے خواہ قریش سے معاہدہ کرلے یا محمد صلعم سے پھر روک ٹوک نہوگی " (ابن ہشام جزء سوم صفحہ ۱۵۹)

آنحضرت نے جنکی جنگ و صلح صرف خدا کیلیے تھی ان شرطوں کو قبول فرمایا ، اگرچہ مسلمانوں کو ناگوار گزرا حضرت عمر نے رسول اللہ سے یوں گفتگو شروع کی ۔

" کیا آپ رسول اللہ ہیں "

" ہاں "

" کیا ہم مسلمان ہیں "

" ہاں "

" کیا وہ لوگ مشرک نہیں "

" مشرک ہیں "

"پھر ہم دین میں ذلت کیوں گوارا کریں؟"

"میں خدا کا بندہ ہوں اور اُسکا رسول ہیں اُسکے حکم کے خلاف نہیں کرتا"

حضرت عمر اب خاموش ہوگئے مگر بعد کو اس بے ادبانہ گفتگو پر ہمیشہ نادم رہے اور کفارہ ادا کرتے رہے۔

الغرض آنحضرت نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ صلح نامہ تحریر کریں۔ آپ نے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا۔ سہیل نے کہا یہ نئی بات کیسی باسمک اللھم لکھو جو طریقہ عرب ہے آنحضرت نے فرمایا کچھ مضائقہ نہیں۔ پھر حضرت علی نے لکھا ھذا ما صالح علیہ محمد رسول اللہ و سہیل بن عمرو سہیل نے پھر ٹوکا اور کہنے لگا محمد کو اگر ہم رسول اللہ مانتے تو جھگڑا ہی کیا تھا۔ رسول اللہ کی جگہ پر انکے والد کا نام لکھو۔ آپ نے فرمایا کچھ مضائقہ نہیں محمد بن عبداللہ لکھدو۔ بخاری میں روایت ہے کہ حضرت علی نے کہا میں لفظ رسول اللہ نہ مٹاؤنگا۔ تب آنحضرت نے خود مٹادیا اور اس قضیہ کو طے کیا۔ اب ایک سخت امتحان پیش آیا جسکی تفصیل قابل غور ہے

سخت امتحان صبر

صلحنامہ جسوقت تحریر ہوا عین اسوقت سہیل بن عمرو کے لڑکے ابوجندل جو اسلام قبول کرنے کے باعث پابزنجیر رکھے جاتے تھے اور طرح طرح کی اذیتیں اٹھاتے تھے بھاگ کر آنحضرت کے سامنے آگر پڑے اور اپنے زخم دکھائے۔ بیرحم باپ اُٹھ کھڑا ہوا اور بیٹے کو طمانچہ مار کر کہنے لگا محمد شرط صلح کے مطابق اس لڑکے کو جو مکہ سے بھاگ کر آیا ہے میرے حوالہ کردو۔ ابوجندل نے فریاد کی کیا میں پھر مشرکین کیطرف واپس کردیا جاؤنگا

جو مجھے میرے دین سے گمراہ کرینگے۔ یہ سخت امتحان کا وقت تھا مسلمان پہلے سے اس صلح سے ناراض تھے اب ابوجندل کو اس حال میں دیکھکر غم و غصہ سے بیتاب ہو گئے مگر رسول اللہ نے نہایت ضبط و استقلال سے ارشاد فرمایا۔

"اے ابا جندل صبر کر خدا تجھے اور تیرے ساتھ مستضعفین کو اس مصیبت سے نجات دیگا اب ہم معاہدہ کر چکے بدعہدی نہیں ہو سکتی"

(ابن ہشام جز ثالث صفحہ ۱۹۰)

ابوجندل کو اسی حال زار کیساتھ واپس جانا پڑا۔ قریش خوش ہو گئے کہ آنحضرت مسلمانوں کے ساتھ مکہ میں داخل نہو سکے مگر یہ نہ سمجھے کہ اب لڑائی موقوف ہو جانیسے آمد و رفت شروع ہو جائیگی اور اسلام کی مقناطیسی کشش اپنا اثر دکھائیگی۔ اسیواسطے حق تعالے نے اس صلح کو فتح سے تعبیر کیا اور ارشاد فرمایا۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا	ہم نے تجکو کھلم کھلا فتح دی تاکہ
مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ	اللہ تیرے اگلے اور پچھلے گناہ
مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ	بخشدے۔

مستضعفین کی سرگذشت

جو کمزور اور ضعیف مسلمان آنحضرت کے ساتھ ہجرت نہیں کر سکے تھے وہ مکہ میں کفار کے ہاتھوں صبر کیساتھ مصائب برداشت کرتے تھے ہجرت کے بعد ہی لڑائی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جو صلح حدیبیہ تک قائم رہا۔ بعد صلح اُن کو اُمید تھی کہ اب ظالموں کے پنجہ سے نجات ملجائیگی لیکن شرط لکھنامہ نے اُنکی اُمیدوں پر

پانی پھیر دیا۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ ابوجندل کو آنحضرت نے وفائے عہد کے لحاظ سے واپس کر دیا تھا تاہم ایک شخص عتبہ ابن اسید ثقفی جو ابوبصیر کی کنیت سے مشہور ہیں بھاگ کر مدینہ آئے قریش نے دو شخصوں کو بھیجکر آنحضرت سے اُن کو واپس طلب کیا۔ آپ نے ابوبصیر سے فرمایا کہ شرط کے موافق میں تم کو یہاں نہیں رکھ سکتا۔ ابوبصیر مجبوراً اُن دو شخصوں کے ساتھ واپس چلے لیکن راہ میں اُنھوں نے ایک کی تلوار چھین کر اسکو قتل کر دیا دوسرا بھاگ گیا۔ تب اُنھوں نے سمندر کے کنارے مقام عیص کو اپنا قیام گاہ بنایا۔ ابوجندل کو جب اسکی اطلاع ہوئی تو وہ بھی مکہ سے بھاگ کر اُنکے پاس چلے آئے پھر رفتہ رفتہ اکثر مسلمان بھی اُنکے گرد جمع ہونے لگے اور چونکہ قریش کے ظلم سے نالاں تھے اُنکے قافلہ سے تعرض شروع کیا۔ تب قریش نے آنحضرت کو لکھا کہ آپ اُن لوگوں کو طلب کرلیں ہم اب شرط پر زور نہ دینگے چنانچہ پھر جو مسلمان مدینہ آئے واپس نہیں ہوئے۔ مشہور سردار قریش خالد ابن ولید جو بعد کو سیف اللہ کے لقب سے مشہور ہوئے اور عمرو ابن العاص جو بعد کو فاتح مصر کہلائے دونوں اس واقعہ کے بعد جب خیبر فتح ہو چکا مدینہ میں آکر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ آنحضرت کے داماد ابوالعاص بھی جو اسوقت تک ایمان نہیں لائے تھے مال تجارت لے کر چلے مگر ابوبصیر نے اُن کو لوٹ لیا تب یہ مدینہ آئے اور واقعہ بیان کیا آنحضرت نے ابوبصیر کو خط لکھکر اسباب واپس دلایا اور ابوالعاص دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔

ابوبصیر کی سرزائیاں

ابن اسحٰق کی غلط روایت

یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ابن اسحٰق نے ابوبصیر کی روایت میں اکثر بے سند

باتیں اضافہ کر دی ہیں۔ لکھتے ہیں کہ ابو بصیر حبب کافر کو قتل کر چکے تو پھر آنحضرت کی خدمت میں آئے اور پیچھے پیچھے مقتول کا فر کا رفیق بھی آیا اور ماجرا بیان کیا۔ ابو بصیر نے کہا یا رسول اللہ شرط کے مطابق آپ نے مجھے حوالہ کر دیا تھا اب آپ بری الذمہ ہیں۔ آپ نے انکی طرف دیکھکر فرمایا "اگر اسکو مددگار ملجائیں تو لڑائی کیلئے خوب ہے"۔ مارگولیوث لکھتے ہیں کہ ابو بصیر اس اشارہ کو سمجھکر سمندر کے کنارے ٹھہر گئے اور قافلہ قریش سے تعرض شروع کیا۔ لیکن ابن حجر ابو بصیر کے حال میں صاف لکھتے ہیں کہ ابن اسحق نے اس قصہ میں زیادتی کی ہے[۱] اور واقعی ابو بصیر کا مدینہ واپس آنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آنحضرت اس صورت میں مقتول کی دیت ادا کرتے جیسا کہ عمرو بن امیہ الضمری کے معاملہ میں کیا تھا۔ اس قسم کے شرعی حیلے دمشق و بغداد کی سیاسیات میں ارباب سیر نے ایجاد کئے۔ رسول اللہ ایسے "اشارات" سے بری ہیں آپ ان معاملات میں اس قسم کے حیلوں سے کوسوں دور تھے اور اوفوا بالعقود کے سچے پابند۔

---

[۱] اصابہ جلد چہارم صفحہ ۱۱۲

شاہان عالم کو دعوت اسلام

تمہید

آفتاب ایک سمت سے طلوع ہوتا ہے مگر ہر سمت کو روشن کرتا ہی۔ مہر رسالت اگرچہ فاران کی چوٹیوں پر چمکا مگر عرب و عجم سارے عالم کو منور کردیا۔ بعثت کے بعد ہی جب سورۂ فاتحہ کا نزول ہوا تو خدا جس مخصوص صفت "رب العالمین" سے یاد کیا گیا۔ اِس کا اقتضا یہ نہ تھا کہ مثل موسیٰ صرف اپنی ہی قوم کو کفر و شرک کے فراعنہ سے نجات دلوائیں یا مثل عیسیٰ گم شدہ اسرائیلی بھیڑوں کی تلاش کیجائے بلکہ بنی نوع انسان کو اوج کمال پر پہونچایا جائے۔ سورۂ القلم جو قدیم مکی سورت اور سورۂ مدثر کے بعد نازل ہوئی اُس میں قریش کو سُنا دیا گیا تھا وماھو الا ذکر للعلمین مگر کفار متعجب تھے کہ جس دعویٰ نبوت کی مکہ کی گلیوں میں تحقیر ہو رہی ہے وہ عالم کیلیے کیونکر فردوس گوش ہو جائیگا تب سورۂ ص میں یوں وعدہ کیا گیا۔

ان ھو الا ذکر	نہیں ہو یہ مگر ذکر سارے عالم
للعلمین ولتعلمن نبا ہ	کیلیے اور البتہ اسکی خبر تم ایک
بعد حین	وقت کے بعد جان لوگے۔

آخر وہ وقت آیا۔ صلح حدیبیہ سے جب آنحضرت کو قریش کی طرف سے اطمینان ہوا تو مکہ سے مدینے واپس آتے ہی اہل عالم کو پیغام الٰہی پہونچانے کیلیے یہ تدبیر کی کہ چند خطوط مختلف بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام روانہ کئے کہ اگر یہ حکام راہ حق پر آگئے تو رعایا پر کافی

اثر ڈال سکینگے۔ دین عیسوی ابتدائی تین صدیوں تک نزار و زبوں رہا۔ لیکن جب قیصر قسطنطین نے صلیب کو بوسہ دیا تو یورپ ایشیا افریقہ تثلیث کا حلقہ بگوش ہوگیا۔ زرتشت نے جب نور ایزدی کو چمکانا چاہا تو گستاسپ کی قوت اور اسفندیار کی تلوار نے آتشکدے روشن کر دیے مگر اسلام کو اسکی ضرورت نہ تھی اُسکا شعار ابتدا سے توحید کامل تھا جو اپنے بانی کے مقدس ہاتھوں سے مکمل ہوکر عالم کے سامنے پیش ہوگیا ذالك فضل الله يوتيه من يشاء

ابن اسحق کا بیان ہے کہ زہری کے سامنے ایک نوشتہ پیش ہوا جس میں آنحضرت کے خطوط شاہان عالم کے نام درج تھے عام روایت ہے کہ یہ خطوط صلح حدیبیہ کے بعد ہی ۶ھ میں روانہ کیے گئے۔ لیکن ابن اسحق لکھتے ہیں کہ ان کی روانگی کا سلسلہ سنہ ۹ھ تک جاری رہا۔ بہرحال نجاشی اور مقوقس کے نام جو خطوط روانہ ہوئے وہ بالاتفاق صلح حدیبیہ کے بعد ہی روانہ ہوئے جنکا ذکر درج ذیل ہے۔

(۱) نامۂ بنام نجاشی بادشاہ حبشہ

آغاز اسلام سے نجاشی نے مسلمانوں کی طرفداری کی تھی مکہ میں جب قریش مسلمانوں کو طرح طرح سے اذیتیں دیتے تھے مہاجرین حبشہ اطمینان سے اصحمہ نجاشی کی زیر حمایت بسر کرتے تھے۔ ہجرت کے بعد جب قریش سے جنگ کا سلسلہ صلح حدیبیہ کے بعد ٹوٹا تو آنحضرت نے عمرو بن امیہ الضمری کو نامہ مبارک دیکر نجاشی کے پاس بھیجا اور انکو دعوت اسلام دیکر مہاجرین کو واپس بھیجنے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ نجاشی کلیسائے روم کی تعلیم متعلق الوہیت مسیح کا

مخالف تھا حضرت عیسی کے متعلق جو تعلیم اسلام نے دی کہ خدا کے برگزیدہ رسول اور کلمۃ اللہ تھے اسکے قبول کرنے میں اُسے تامل نہوا اسلیے فوراً ایمان لایا اور مہاجرین کو بسرکردگی حضرت جعفر ابن ابیطالب کشتی میں روانہ کیا۔ ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ اُسنے اپنے بیٹے کو بھی ساٹھ آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا تھا لیکن یہ کشتی ڈوب گئی۔ حضرت جعفر مہاجرین کو لیے ہوئے فتح خیبر کے دن آنحضرت سے ملے۔ آنحضرت اسقدر خوش ہوئے کہ فرمایا فتح خیبر سے خوش ہوں یا قدوم جعفر سے۔

(۴) نامہ بنام مقوقس حاکم اسکندریہ

مصر اگرچہ قیصر روم کے تحت حکومت میں تھا لیکن اسکا قبطی کلیسا رومی کلیسا سے بالکل الگ اور اسکا مخالف تھا جس کی وجہ سے مذہبی جھگڑے اور کشت و خون کے واقعات پیش آتے تھے۔ خسرو پرویز نے جب مصر فتح کیا تو مصریوں کو کلیسائے روم سے آزادی ملنے کی خوشی ہوئی مگر دس برس کے بعد ہرقل نے ایرانیوں سے پھر مصر چھین لیا اُسوقت وہاں کا مقوقس ایک قبطی سردار جریج ابن مینا حاکم اسکندریہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایرانیوں کی شکست کے بعد ہی وہ ہرقل کا طرفدار ہوگیا تھا اور مستقل حیثیت سے حکمران[1] تھا۔ آنحضرت کا ہدایت نامہ حاطب ابن ابی بلتعہ کی معرفت بھیجا گیا۔ مقوقس اگرچہ ایمان نہیں لایا۔ لیکن چونکہ ملکی حالت پُرآشوب تھی اور رومیوں کی حکومت کو مصری پسند نہیں کرتے تھے

---

[1] تاریخ روم گبن جلد پنجم صفحہ ۵۰۲ ضمیمہ

اسلیے اسلام کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھنے کیلیے مقوقس نے قاصد کی خاطر مدارات کرکے چند تحائف آنحضرت کی خدمت میں روانہ کئے۔

عجیب اتفاق ہے کہ فرعون نے حضرت ابرہیم کی خدمت میں ہاجرہ کو پیش کیا مقوقس نے ماریہ قبطیہ کو۔ ہاجرہ کو یہود اور نصاریٰ لونڈی کہتے ہیں حالانکہ وہ حرہ تھیں اسطرح ماریہ کو بھی۔ حالانکہ مقوقس نے جو الفاظ ماریہ اور انکی ہمشیر شیریں کی نسبت تحریر کئے وہ یہ تھے لهما مكان من القبط عظيم تحائف میں ایک سفید خچر تھا جسکو دُلدُل کہتے تھے (غزوہ حنین میں آپ اسی پر سوار تھے) مصر کے قیمتی کپڑے، ہزار مثقال سونا اور قریہ بنہا کا مشہور شہد (جسکے متعلق واقعہ تحریم میں ہم ذکر کرینگے)۔

ان ہدایت ناموں کے علاوہ کسریٰ اور قیصر کے نام بھی خطوط روانہ ہوئے لیکن چونکہ ارباب سِیَر نے ان پر داستاں سرائی کا ایسا رنگ چڑھایا ہے اور پھر تاریخی غلطی کی ہے اسلیے مارگولیوث کو مضحکہ اُڑانے کا موقع ملگیا ہے۔ ذیل میں ہم انکی تشریح کرتے ہیں۔

کسریٰ اور قیصر کے نام خطوط اور انپر تبصرہ

ابن اسحٰق زہری سے روایت کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد آنحضرت نے خسرو پرویز والی عجم کے نام ایک ہدایت نامہ عبداللہ بن حذافہ السہمی کے ہمدست روانہ کیا یہ روایت ارباب سیر اور محدثین کے یہاں مختلف طرق سے نقل ہوتی چلی آرہی ہے۔ نظامی نے

ھ زرقانی جلد سوم صفحہ ۲۴۹ — ھ لائف آف محمد صفحہ ۳۶۰

خسرو شیریں میں اس داستان کو نہایت آب و تاب سے بیان کر کے اسکی دلکشی میں اضافہ کر دیا۔
چنانچہ سیرۃ النبی میں بھی یہ روایت مع نظامی کے اشعار کے نقل کی گئی ہے۔ حالانکہ قیصر
ہرقل نے جب آغاز دسمبر ۶۲۷ء میں نینوا کی خونخوار جنگ میں افواج عجم کو پامال کر دیا تو تین ماہ
کے اندر یعنی آخر فروری ۶۲۸ء مطابق ذی قعدہ ۶ھ میں خسرو پرویز کو اسکے بیٹے
شیرویہ نے قتل کر دیا اور خود تخت نشین ہو گیا یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے چند روز پیشتر کا ہے
اسلئے نامہ مبارک شیرویہ کے سامنے پیش ہوا اور اس بدبخت نے اسکی بے حرمتی
کی اور ایمان سے محروم رہا۔

قیصر روم کے نام جو ہدایت نامہ دحیہ کلبی کے ہاتھ روانہ کیا گیا تھا اسکے متعلق
ابن اسحق نے زہری سے ابو سفیان بن حرب کی زبانی ایک لمبی چوڑی داستان بیان کی
ہے جسکے جزئیات ممکن ہے مبالغہ ہوں لیکن نفس واقعہ پر مستشرقین کا اعتراض بے بنیاد
ہے۔ آنحضرت کی تبلیغ اعلیٰ اور ادنیٰ، شاہ و گدا سب کے لیے یکساں تھی۔ آغاز رسالت سے
قریش کے ساتھ آنحضرت کی توجہ بھی روم و عجم کی ہولناک آویزش کی طرف متوجہ تھی۔ سورۂ
روم کا نزول اسوقت ہوا تھا جب پیروان مسیح پسپا ہو چکے تھے اور بیت المقدس پر عجم کا
درفش کاویانی لہرا رہا تھا۔ پھر جب چند سال میں فرکیانی گرد کی طرح اڑ گیا۔ اہل کتاب
آتش پرستوں پر غالب آ گئے اور قیصر روم ہرقل بیت المقدس میں شکرانہ الٰہی ادا کرنے آیا
اسوقت اسکو دعوت دین کیوں نہ دیجاتی۔

سلہ سیرۃ النبی حصہ اول صفحہ ۲۴۲

يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون۔

اے اہل کتاب آؤ ایسی بات کی طرف کہ برابر ہے ہم میں اور تم میں یہ کہ بجز اللہ کے کسی کی پرستش نہ کریں اور نہ اُسکے ساتھ کسیکو شریک کریں اور نہ بعض ہم میں سے خدا کے سوا کسی اور کو رب قرار دیں پس اگر منہ پھیریں تو کہو گواہ رہنا ہم مسلمان ہیں۔

غزوهٔ خیبر

مستشرقین یورپ آنحضرت کے غزوات پر یوں تو طرح طرح کے بے بنیاد اعتراض کرتے ہیں لیکن غزوۂ خیبر کے متعلق نولاکی اور مارگولیوث وغیرہ خاص طور سے کہتے ہیں کہ آپ نے بلا وجہ یہود پر حملہ کیا اور اُن کی آزادی سلب کر کے اسلام کا محکوم بنایا۔ لیکن حق چھپا نہیں رہتا۔ انھیں مستشرقین میں تاریخ یہود کا مشہور مصنف گرائٹز ہے جس کے قلم سے خیبر کے واقعات لکھتے وقت بے ساختہ حسب ذیل جملے بھی نکل گئے :-

یہودی مورخ گرائٹز کا بیان

" قبائل عرب غطفان و فزارہ نے امداد کا وعدہ کیا۔ اہل خیبر کے روح رواں بنی نضیر کا جلا وطن کنانہ ابن ربیع تھا جس میں غیر متزلزل استقلال اور دلیری کے صفات موجود تھے اور جس کو شاہ یہود کا لقب دیا گیا تھا۔ قبیلہ حمیر کا قومی ہیکل دیو مرحب اسکا شریک تھا۔ جنگ شروع ہونے سے پیشتر محمدؐ کو اپنے خدا سے دعا مانگنی پڑی کہ وہ اہل خیبر پر فتح نصیب کرے "

(تاریخ یہود جلد سوم باب سوم صفحہ ۸۳)

بنی نضیر مدینہ سے جلا وطن ہو کر خیبر میں آباد ہو گئے تھے۔ یہ لوگ بلا کے بے درماں تھے جنکے ایک پُرجوش سردار حیی بن اخطب نے دو سال پیشتر کنانہ ابن ربیع اور دوسرے سرداران یہود کی رفاقت میں مکہ پہونچکر قریش کو اُبھارا تھا اور احزاب کی ہولناک جنگ برپا کر دی تھی۔ ابن اخطب کے قتل کے بعد اب کنانہ نے جسے شاہ یہود کا لقب دیا گیا "

قبائل عرب کو متفق کرکے دوسری جنگ احزاب برپا کرنا چاہی لیکن قبل اسکے کہ دشمن اہل مدینہ سے خندق کھدواتے خود ہی ادبار کے کوئیں میں گر پڑے۔

وجوہ جنگ

واقعہ یہ ہے کہ جنگ احزاب میں ناکام رہ کر یہود کی آتش غضب اور بھی مشتعل ہوگئی۔ قبائل غطفان جو لوٹ مار کے شائق تھے اُن کو بھی کچھ ہاتھ نہ آنے سے خفت تھی اور وہ دوسرے موقع کے منتظر تھے۔ اِس درمیان میں آنحضرت نے قریش سے حدیبیہ میں صلح کرلی اور چونکہ بظاہر شرائط ایسے تھے جنسے معلوم ہوتا تھا کہ آپ دب گئے اسلیے غطفان اور اہل خیبر کی ہمت بڑھ گئی۔ آنحضرت کی حدیبیہ سے واپسی کے بعد ہی غطفان نے پیش دستی شروع کی اور پہلے ایک مختصر جماعت کو بطور طلایہ بھیجکر مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کردیا اور حضرت ابوذر کے بیٹے کو جو اونٹوں کی حفاظت پر متعین تھے شہید کرڈالا اور اُنکی بیوی کو گرفتار کرلیا اگرچہ سلمہ ابن اکوع ایک صحابی نے حیرت انگیز قدر اندازی سے اُنپر تیر برسائے اور اونٹ چھین لیے لیکن غطفان کا طوفان ان تیروں کی بارش سے کب رُک سکتا تھا۔ یہ واقعہ سریہ ذی قرد کے نام سے مشہور ہے۔ بخاری نے کتاب المغازی میں تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ غزوہ خیبر سے تین دن پیشتر پیش آیا۔

اب آنحضرت نے موقع کی نزاکت پر غور کرکے اس تیزی سے فوری کارروائی شروع کرکے دشمنوں کی بساط جنگ کو اُلٹ دیا کہ اُن کے سارے منصوبے خاک میں ملگئے جسکی تفصیل یہ ہے۔

مدینہ کی جانب شمال ایک سمت مشرق کی طرف صحرائے نجد اور دوسری طرف

جانب مغرب کوہستانی سلسلہ دور تک چلا گیا ہے جسکے کنارے تقریباً سو میل کے فاصلہ پر ایک سبز و شاداب وادی ہے جسکو خیبر کہتے ہیں۔ اُس زمانہ میں یہ وادی یہود کی قوت و ثروت کا مرکز بھی جہاں چھ مضبوط قلعے تھے جنکی باعث یہ مقام اور بھی مستحکم ہو گیا تھا خیبر کے قریب و جوار میں بنی غطفان کا زبردست قبیلہ آباد تھا جسکی مختلف شاخیں بنی مرہ اور فزارہ وغیرہ مدینہ کے قریب تک آباد ہو گئی تھیں۔

آنحضرتؐ ان سولہ سو ۱۶۰۰ صحابیوں کیساتھ جو صلح حدیبیہ میں ہمراہ تھے (اب ان میں ۲۰۰ سوار بھی تھے) اس تیزی سے روانہ ہوئے کہ تین دن میں آٹھ منزلیں طے کر کے مقام رجیع کے ایسے موقع پر پہونچ گئے کہ بنی غطفان یہود کو نہ صرف کمک پہونچا سکے بلکہ یہ ڈر کر کہ کہیں انکے گھروں پر حملہ نہ ہو حفاظت کیلیے خود ہی راستہ سے ہٹ گئے۔

یہود کے قلعوں کا محاصرہ

عصر کی نماز آنحضرتؐ نے مقام صہبا میں پڑھی پھر ستو کھلے۔ بعد مغرب خیبر کیطرف بڑھے اور آبادی کے قریب پہونچکر خاموشی کیساتھ وہیں اُتر پڑے۔ یہود اپنے قلعوں میں مدینہ پر تاخت و تاراج کا خواب دیکھ رہے تھے۔ اُن کو یہ خبر نہ تھی کہ آفتاب رسالت سر پر آ گیا صبح کو جب اُنھوں نے دروازے کھولے تو نبوت کی روشنی دیکھکر چمگادڑوں کی طرح اپنے قلعوں میں گھُس گئے اور تیر و سنگ برسانے لگے۔ آنحضرتؐ نے فوج اسلام کو قلعوں کے چاروں طرف اسطرح سے پھیلا کر محاصرہ کیا کہ ایک قلعہ کا دوسرے سے تعلق منقطع ہو گیا پہلے حصن ناعم فتح ہوا جسمیں محمد بن مسلمہ کے بھائی محمود دلیری سے لڑتے ہوئے کنانہ ابن ربیع کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ پھر دوسرے قلعے بھی کشت و خون کے بعد فتح ہوئے لیکن حصن قموص

جس میں مرحب رہتا تھا کسی طرح فتح نہیں ہوتا تھا اور اکابر صحابہ حملہ کرکے ناکام واپس آتے تھے بخاری[1] میں سہل ابن سعد سے روایت ہے کہ پھر آنحضرت نے فرمایا کہ کل میں علم ایک ایسے شخص کو دونگا جسے خدا اور رسول چاہتا ہے اور جو خدا اور رسول کو چاہتا ہے فتح اُسکے ہاتھ پر ہوگی پھر صبح کو آپ نے حضرت علی کو جو آشوب چشم کی باعث اُسوقت تک میدان قتال میں آئے نہ تھے آواز دی اور دُعا فرماکر علم دیا اور یوں ارشاد فرمایا۔

حضرت علی کی بہادری

ادعھم الی الاسلام	ان کو اسلام کیطرف دعوت دے
واخبرھم بما یجب علیھم	اور خبر کردے اُس چیز کی جو اُن پر
من حق اللہ	حق اللہ میں سے واجب ہے۔

لیکن یہود کی عداوت اور قساوت حد سے گزر چکی تھی اُنھوں نے نہ حق کی طرف توجہ کی اور نہ صلح و آشتی کی طرف مائل ہوئے۔ مرحب بڑے طمطراق سے رجز پڑھتا ہوا فوج لے کر نکلا اور مبارزطلبی کی وہ پیل مست اپنی قوت کے نشہ میں بھول گیا کہ مقابلہ اُس شیر سے ہے جسنے عمرو بن عبدود جیسے پہلوان عرب کو خاک و خون میں ملا دیا تھا۔ ذوالفقار کی بجلی چمکی ضربت حیدری کے کڑاکے سے فوج کے دل دہل گئے اور چشم زدن میں گویا مرحب پیدا ہی نہ ہوا تھا یہودی بھاگے اور چاہا کہ پھاٹک بند کرلیں مگر زور ید اللّٰہی نے دروازہ اُکھاڑ کر پھینک دیا اور فوج اسلام قلعہ میں داخل ہوگئی۔

عجیب اتفاق ہے جب خیبر میں یہود کو انکی فتنہ پردازی اور شرانگیزی کی

---

[1] کتاب المغازی

سزا مل رہی تھی۔ شام میں ہرقل اُن کو سرکشی کے جُرم میں بیدریغ قتل کر رہا تھا۔ عارضی فتح کسریٰ کے قلیل زمانہ میں ان یہود نے ایرانیوں سے ملکر ہزاروں بیگناہ عیسائیوں کو قتل کر دیا تھا اب شامت اعمال نے اُن کو پامال کر دیا فباؤ بغضب علی غضب

حصن قموص کے فتح کے بعد یہود نے ہمت ہار دی اور صلح کی درخواست کی جو اس شرط پر منظور ہوئی کہ وہ اپنے ہتیار سپرد کر دیں اور سونا اور چاندی اور اُس میں سے کوئی چیز پوشیدہ نہ کریں ورنہ اُنسے ذمۂ امن اُٹھ جائیگا۔[1]

کنانہ کا قتل

بنی نضیر جب مدینہ سے جلاوطن ہوئے تو اُن میں ابی الحقیق کا خاندان نہایت متمول تھا۔ ابورافع سلام ابن ابی الحقیق کا لقب تاجر الحجاز[2] تھا اور قریش اور قبائل عرب میں اُسکا سودی لین دین تھا۔ کعب ابن اشرف اسیکا نواسہ تھا اور کنانہ ابن ربیع جسکا لقب ملک الیہود تھا اُسیکا بھتیجا تھا۔ ان میں سے ابورافع اور کعب ابن اشرف قریش کی امداد اور سازش کی پاداش میں قتل ہو چکے تھے اور حیی بن اخطب کا بھی بنی قریظہ کے ساتھ خاتمہ ہو چکا تھا۔ اب کنانہ باقی تھا جسکے پاس یہ دولت خاندانی جمع تھی۔ اُس کو اُسنے پوست خر (ابن سعد نے اونٹ کی کھال لکھی ہے) میں محفوظ کر کے چھپا دیا تھا۔ جب اُس سے پوچھا گیا تو اُسنے جواب دیا کہ سب خرچ ہو چکا۔ لیکن بدبخت اقوام اپنے ہاتھوں تباہ ہوتے ہیں۔ ایک یہودی نے مخبری کر دی[3] اور خزانہ نکل آیا۔ کنانہ جسکے ساتھ جرائم سنگین تھے۔ اُسی نے لڑائی کی یہ آگ روشن کی تھی اور محاصرے کے ایام میں محمود بن سلمہ کو

---

[1] طبقات جزو ثانی قسم اول صفحہ ۸۰ [2] بخاری باب الجہاد [3] طبری جلد سوم صفحہ ۹۱۵

قتل کیا تھا اب شرائط صلح کی خلاف ورزی کی۔ وہ اگر رہا کر بھی دیا جاتا تو بقول مؤرخ یہود اُسکا غیر متزلزل استقلال" اُسکو چین سے کب بیٹھنے دیتا وہ اپنے خسر حیی ابن اخطب کیطرح یہود خیبر کو نقض عہد پر آمادہ کرتا اور قبائل عرب میں فتنہ پھیلاتا۔ بہرحال اسکی بداعمالیوں کے خاتمہ کا وقت آگیا وہ محمد ابن مسلمہ کے حوالہ کیا گیا جنھوں نے بھائی کے خون کے عوض اُسکا سر اُڑا دیا۔

ابن اسحق نے یہاں ایک روایت لکھی ہے کہ آنحضرت کے ارشاد کے مطابق کنانہ کے سینے پر حضرت زبیر چقماق جھاڑتے تھے تاکہ وہ تکلیف سے بیچین ہو کر خزانہ کا پتہ بتائے ابن اسحق نے راوی کا نام نہیں لیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسب عادت انھوں نے یہ روایت کسی یہودی سے سُنی[1]۔ بخاری میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت نے کبھی کسی کو اس قسم کا عذاب نہیں دیا اور جو وحشیانہ طریقے عرب میں رائج تھے اُنکی ممانعت فرماتے تھے۔

اراضی خیبر کے آنحضرت نے دو حصے کئے نصف بیت المال میں مہمانی، سفارت اور غربا و مساکین کی امداد کیلئے اپنے قبضہ میں رکھا۔ باقی سولہ سو[۱۶۰۰] مجاہدین میں تقسیم کر دیا اراضی یہود کے قبضہ میں رکھی گئی۔ وہی کاشت کرتے تھے اور پیداوار کا نصف سالانہ ادا کرتے تھے۔

---

[1] ممکن ہے حضرت زبیر نے خود ایسا کیا ہو جیسا کہ اس زمانہ میں دستور تھا لیکن روایت کے یہ الفاظ کہ آنحضرت کے ارشاد کے مطابق۔ محض یہود کی تراشی ہوئی تہمت ہے۔

خیبر کی فتح سے یہود فدک مرعوب ہو کر صلح پر آمادہ ہو گئے چنانچہ اُنسے بھی بٹائی پر معاملہ ہو گیا۔ ابن اسحٰق لکھتے ہیں ۔

فکانت فدك لرسول الله	فدک رسول اللہ صلعم کا خاص مال
صلی اللہ علیہ وسلم خالصۃ	تھا کیونکہ وہ بغیر جنگ کے ہاتھ آیا
لانہ لم یوجف علیہا بخیل ولا رکاب	تھا۔

(ابن ہشام جزو سوم ص۱۶۱)

وادی القریٰ کے یہود سے خفیف مقابلہ ہوا مگر آخر اسی طرح اُنسے بھی صلح ہو گئی۔ اسطرح چھ برس تک یہود نے جو فتنہ انگیزی اور مخالفت کی آگ روشن رکھی تھی وہ غزوۂ خیبر میں بجھ گئی اور مسلمانوں کو اُنکے فتنہ سے نجات ملگئی۔

زینب کا زہر دینا

خیبر میں چند روز آنحضرتؐ نے قیام فرمایا۔ ایکدن یہود نے دعوت کی آپنے قبول فرمائی لیکن ان قاتلان انبیاء نے کھانے میں زہر ملا دیا۔ آپنے ایک لقمہ لیا مگر ذائقہ محسوس کرکے اُگل دیا اور میزبانوں سے فرمایا یہ کیا حرکت تھی۔ مرحب کی بھاوج زینب جسنے یہ کارروائی کی تھی کہنے لگی میں نے زہر اسلیے ملایا کہ اگر آپ سچے رسول ہیں تو خود ہی واقف ہو جائینگے ورنہ آپکے وجود سے ہمکو فراغت ہو جائیگی۔ لیکن اب مجھے یقین ہو گیا اسلیے ایمان لاتی ہوں۔ زینب اقراری مجرمہ تھی لیکن آنحضرتؐ نے اپنی ذات کیلیے بدلہ لینا گوارا نہ کیا۔ ابن اسحٰق[۱] اور واقدی بالاتفاق کہتے ہیں کہ زینب کی آنحضرتؐ نے جان بخشی کی۔

یہود جب اپنی سزا کو پہونچ چکے مدینہ اُنکے فتنہ سے پاک ہو گیا اور خیبر میں بطور

۱ـ ابن ہشام جزو سوم صفحہ ۱۰۰۔ کتاب المغازی واقدی صفحہ ۲۹۳ مطبوعہ کلکتہ

حضرت صفیہ سے عقد

ذمیوں کے رہنے لگے تو آنحضرت نے ترحم اور تالیف قلوب کیلیے حیی ابن اخطب کی بیٹی صفیہ کو جو کنانہ کے عقد میں تھیں اپنی ازواج مطہرات میں داخل کیا یہ پہلا مرتبہ تھا کہ آپ نے یہودیہ سے عقد کیا اور اس نفرت کو جو یہود اور مسلمانوں میں پھیل گئی تھی کم کرنیکی کوشش کی۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے حضرت صفیہ کو طعنہ دیا کہ یہودی کی بیٹی کیا فخر کر سکتی ہے۔ آنحضرت نے مغموم صفیہ سے کہا جواب دے کہ میں نبی ہارون کی بیٹی میرا چچا موسے پیغمبر اور ایک پیغمبر کے نکاح میں ہوں[1]۔ حضرت صفیہ نے سنہ ۵ھ میں انتقال کیا۔ وفات کے وقت اپنے ترکہ میں سے جسکی قیمت ایک لاکھ درہم تھی اپنے بھائی کے بیٹے کیلیے جو یہودی تھا ⅓ کی وصیت کی امیر معاویہ کا زمانہ تھا لوگوں نے چاہا کہ یہودی کو کچھ نہ ملے۔ حضرت عائشہ کو خبر ہوئی فرمایا خدا سے ڈرو اور وصیت[2] پوری کرو چنانچہ اسکی تعمیل کی گئی۔

عمرۃ القضا

صلح حدیبیہ کی شرط کے مطابق ذیقعدہ میں آنحضرت اُن صحابہ کو جو سال گذشتہ حدیبیہ میں ہمراہ تھے ساتھ لے کر بقصد عمرہ مکہ تشریف لیگئے قریش نے اس منظر کو دیکھنا گوارا نہ کر کے شہر خالی کر دیا اور پہاڑوں میں چلے گئے۔ اُن کو صدمہ تھا کہ جسکو اُنھوں نے گھر سے بیگھر کیا اور جسکے خون کے پیاسے تھے آج ایک گروہ کثیر کے ہمراہ جو اُسکے اشاروں پر چلتا ہے بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے۔

تیسرے دن آنحضرت نے معاہدہ کے موافق روانگی کی طیاری کی۔ حضرت عباس آپکے چچا نے دوران قیام میں اپنی سالی میمونہ بنت الحارث کے ساتھ آپ کا عقد کر دیا تھا۔

---

[1] طبقات جلد ہشتم صفحہ ۹۱ [2] طبقات جلد ہشتم صفحہ ..

ابن اسحق کا بیان ہے کہ آنحضرت نے قریش سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم سب کو دعوت ولیمہ میں شریک کروں لیکن اُنھوں نے انکار کیا۔ خدا کی شان کہ دوسرے ہی سال اُنکا سرِ غرور دعوت اسلام کیلیے جھک گیا۔

مکہ سے روانگی کے وقت حضرت سید الشہدا حمزہ کی بیٹی امامہ جو صغیر السن تھیں اور مکہ میں رہ گئی تھیں، چچا چچا کہتی ہوئیں آنحضرت کی خدمت میں دوڑی آئیں۔ حضرت علی نے اُن کو گود میں اُٹھالیا اور عرض کی میں انکو پرورش کرونگا۔ حضرت جعفر بولے میری بنت عم کو مجھے دو۔ حضرت زید ابن حارثہ بول اُٹھے حمزہؓ میرے دینی بھائی تھے اسلیے میری بھتیجی کو مجھے دو۔ اسلام کی تعلیم مساوات کا اثر دیکھو کہ وہ جو کبھی غلام رہ چکا تھا اور جو خاندان رسالت سے نہ تھا کس بے تکلفی سے اپنا حق ثابت کرتا ہے۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا خالہ چونکہ ماں کے برابر ہوتی ہے اسلیے امامہ کی خالہ اسمار کو جو حضرت جعفر کی بیوی تھیں پرورش کرنے دو

قریش اگرچہ پہاڑوں پر چلے گئے تھے۔ دعوت ولیمہ سے بھی انکار کر چکے تھے لیکن آنحضرت کی روانگی کے بعد ہی بعض سرداروں کے آہنی دل اسلام کے مقناطیسی اثر سے خود بخود کھنچنے لگے۔ خالد ابن ولید نے کفر کی حمایت اُسوقت تک نہایت دلیری سے کی تھی اب اُسی دلیری سے اسلام کی خوبیاں قریش کے سامنے بیان کرنے لگے۔ عکرمہ ابن ابوجہل نے جوش ٹھنڈا کرنے کیلیے کہا خالد بدر کا دن بھی تو یاد کرو۔ مگر خالد اب وہ خالد نہ تھے جو حمیت جاہلیت سے جوش میں آجاتے کہنے لگے مجھپر اب حق کھل گیا پھر چند گھوڑے آنحضرت کی خدمت میں ہدیۃً روانہ کیے اور قبول اسلام کا اظہار کیا۔ ابوسفیان کو خبر ہوئی

ایمان حضرت خالد

کہنے لگا دشمن کو امداد دینا کیا معنی۔ خالد نے کہا یہ صلہ رحم اور قرابت کا حق ہے۔ ابوسفیان نے برہم ہو کر کہا لات و عزیٰ کی قسم ایسا جانتا تو محمدؐ سے لڑنے کے عوض پہلے تجھ سے لڑتا۔ خالد نے جوش میں آ کر کہا واللہ وہ حق پر ہیں علیٰ رغم من رغم۔ یہ سنکر ابوسفیان خالد پر جھپٹا۔ مگر عکرمہ نے روکا اور کہنے لگا ابوسفیان مجھے اندیشہ ہے کہ تیری اس حرکت سے مجھے غصہ آجائے اور میں بھی وہی کہوں جو خالد کہتا ہے۔ ابوسفیان خاموش ہوگیا اور خالد مدینہ روانہ ہوگئے اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔ آنحضرت نے دعا فرمائی خالد سے دین حق کی مخالفت میں جو گناہ ہوئے ہیں اُن کو معاف فرما۔[1]

سریہ موتہ

عرب کے شمال میں فلسطین کے مشرقی جانب سے دریائے فرات کے دہانہ تک قبائل عرب کی دو مشہور سلطنتیں تھیں ایک عراق عرب میں حیرہ جو شاہان عجم کے زیر اثر تھی اور دوسری غسانیوں کی جنہوں نے دین عیسوی اختیار کر کے قیصر روم کے حلیفوں میں شرکت کر لی تھی۔ تیسری صدی عیسوی سے یہ دونوں سلطنتیں آپس میں برسرپیکار رہتی تھیں خسرو پرویز نے جب قیصر کا ملک فتح کیا تو غسانیوں کی قوت بھی مضمحل ہوگئی لیکن ہرقل کے فتوحات کے ساتھ ہی وہ پھر قوی ہوگئے۔

آنحضرت نے خیبر کی فتح کے بعد شمالی عرب کے سرحدی قبائل میں اشاعت اسلام کی کوشش فرمائی۔ زہری سے روایت ہے کہ ربیع الاول ۸ھ میں آنحضرت نے کعب ابن

[1] کتاب المغازی واقدی صفحہ ۴۰۰ و طبقات ابن سعد جلد چہارم ذکر خالد

عمیر الغفاری کو پندرہ صحابیوں کے ساتھ شامی سرحد کے ایک مقام ذات اطلاح کیطرف بھیجا۔ لیکن حادثہ بیر معونہ کیطرح یہ مبلغین بھی قبیلہ کی جہالت اور تعصب کا شکار ہوگئے صرف ایک صحابی زندہ بچکر آیا۔ آنحضرت نے اُس قبیلہ کی سرکوبی کیلیے طیاری کی مگر معلوم ہوا کہ خانہ بدوش قبیلہ وہاں سے چلا گیا۔

قاصد رسول اللہ کا قتل ہونا

انھیں ایام میں آنحضرت نے ایک ہدایت نامہ شرجیل بن عمرو فرمانروائے غسان کے نام جسکا پایہ تخت بصریٰ تھا (اب حوران کہلاتا ہے) روانہ فرمایا مگر متکبر حاکم نے نہ صرف پیغام حق کو ٹھکرا دیا بلکہ قاصد کو بھی خلاف رسم و آئین قتل کر دیا۔ آنحضرت کو جب اسکی اطلاع ہوئی تو خون بیگناہ کا بدلہ لینے اور وقار دین قائم رکھنے کیلیے زید ابن حارثہ کی ماتحتی میں تین ہزار فوج شام کی طرف روانہ کی۔ اس فوج میں آپکے ابن عم حضرت جعفر اور عبداللہ ابن رواحہ جو انصار کے ایک بہادر شاعر تھے اور خالد ابن ولید جو تازہ مسلمان ہوئے تھے شامل تھے۔ ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ آنحضرت کچھ دور تک فوج کو رخصت کرنے گئے

رومیوں کی شرکت

حضرت زید جسوقت سرحدی مقام معان پر پہونچے معلوم ہوا کہ شرجیل نے ایک زبردست فوج طیار کی ہے جسمیں قبائل عرب و رومی سپاہی شامل تھے۔ نیز قیصر ہرقل ارض بلقا کے مقام مآب میں ایک لاکھ فوج لیے ہوئے موجود ہے۔ ابن اسحٰق کے اس بیان کو مستشرقین یورپ یقین نہیں کرتے۔ لیکن خود رومی مورخ تھیوفینس لکھتا ہے کہ قیصر کے بھائی تھیوڈوسیس نے یہ فوجیں جمع کی تھیں[۱]۔ بہرحال اس جنگ میں غسانیوں کے ساتھ

۱؎ میور لائف آف محمد صفحہ ۴۰۰۔

رومی دستوں کی شرکت ثابت ہے۔

واقعات جنگ

حضرت زید نے چاہا کہ توقف کر کے آنحضرت کو اطلاع دیں لیکن عبداللہ ابن رواحہ نے جوش میں آکر کہا ہم دین کیلیے لڑتے ہیں یا فتح یا شہادت۔ یہ سنکر حضرت زید آگے بڑھے اور بلقا کے ایک قریہ موتہ میں دشمن کی کثیر التعداد فوج کے مقابلہ میں صف آرا ہوئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ صحابۂ رسول کو جنگ آزمودہ رومیوں سے لڑنا پڑا۔ انکی صف بندی ایک خاص طرز کی تھی جسکو فیلنکس کہتے تھے۔ آگے پیچھے پیادے غول بندی کے ساتھ نیزے لیے ہوئے اور یمین ویسار رسالے کی کمک۔

ارباب سیر نے اگرچہ رومیوں کی اس مخصوص صف بندی کی تشریح نہیں کی لیکن ابن سعد کے اس جملہ سے کہ فقاتل الامراء یومئذ علی ارجلھم سے[۱] ثابت ہوتا ہے کہ لشکر اسلام کے سرداروں نے غنیم کی اس صف بندی کو توڑنے کیلیے پیادہ ہو کر مقابلہ کیا۔ حضرت زید علم رسول لیے ہوئے دلیری سے لڑتے رہے آخر نیزوں پر چھدکر شہید ہو گئے۔ یہ دیکھکر حضرت جعفر گھوڑے سے کود علم رسول سنبھالا پھر اپنے گھوڑے کو عقر کر کے پیادہ غنیم کی صفوں میں تلوار کی بجلی چمکاتے ہوئے گھسے۔ ہنگامۂ گیر ودار گرم ہوا بہادروں کے سر کٹ کٹ کر گرنے لگے یہاں تک کہ حضرت جعفر زخموں سے چور ہو گئے۔ ایک رومی نے بڑھکر تلوار ماری جس سے دست راست قلم ہو گیا۔ آپ نے فوراً علم کو دوسرے ہاتھ میں سنبھالا مگر جب وہ بھی قلم ہو گیا تب بازوؤں کو ملا کر سینے سے

[۱] اُمرا نے پیادہ لڑے۔ دیکھو طبقات جلد دوم صفحہ ۹۳

علم کو لگایا۔ یہانتک کہ ایک شقی کی تلوار نے آپکے دو ٹکڑے کر دیے۔ عبداللہ ابن عمر اس جنگ میں شریک تھے روایت کرتے ہیں کہ میں نے جعفر کی لاش دیکھی تلواروں اور برچھوں کے نوّے زخم تھے لیکن سب سامنے کیجانب۔

حضرت جعفر کے بعد عبداللہ ابن رواحہ نے علم سنبھالا۔ رجز پڑھتے ہوئے صف اعدا میں گھسے اور داد شجاعت دے کر شہید ہوگئے۔ تب مسلمانوں نے حضرت خالد کو آگے کیا وہ علم لے کر بڑھے اور اس دلیری سے لڑے کہ اُس دن شام تک نو تلواریں اُنکے ہاتھ سے ٹوٹیں لیکن کثیر التعداد باقاعدہ فوج کا مقابلہ کہاں تک ہو سکتا تھا حضرت خالد کمال ہوشیاری سے مسلمانوں کی عمر رواں کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو دریائے خون سے سلامت نکال لیگئے۔ غنیم سرداران اسلام کی حیرت انگیز شجاعانہ جنگ سے کچھ ایسا مرعوب تھا کہ تعاقب کا خیال نہ آیا ورنہ جانبری مشکل تھی۔

آنحضرت کو اس حادثہ کی خبر ہو چکی تھی حضرت جعفر کے گھر تشریف لیگئے دیکھا اسماء نے اپنے شوہر کے انتظار میں خمیر گوندھ رکھا ہے اور بچوں کو نہلا دھلا کر کپڑے پہنائے ہیں۔ آپ نے فرمایا بچوں کو میرے پاس لاؤ پھر اُن کو پیار کرکے آبدیدہ ہوگئے اسماء نے گھبرا کر پوچھا یا رسول اللہ آپ اسقدر غمگین کیوں ہیں کیا خبر یہ پہنچی آپنے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون پھر باہر تشریف لاکر لوگوں سے کہا آل جعفر مبتلائے مصیبت ہیں ان کے کھانے کا انتظام رکھنا۔

صحابہ مدینہ جب پہنچے تو لوگوں نے بجائے استقبال کے ان پر خاک ڈالی

کہ راہ خدا سے بھاگ کر آئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "یہ فرار نہیں ہیں انشاءاللہ کرار ثابت ہونگے"۔
چنانچہ ایسا ہی ہوا چند ہی سال میں خالدؓ نے کسریٰ اور قیصر کی فوجوں کو گرد کی طرح اڑا دیا اور
حیرہ اور غسان کی سلطنتوں کو فتح کرلیا۔

موتہ میں اگرچہ فوج کی پسپائی عمل میں آئی لیکن امرائے صحابہ کا خون رائگاں نہ گیا
انکی مخلصانہ اور بہادرانہ کوششوں نے بہت جلد اپنا اثر دکھایا۔ ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ
حاکم معان فروہ ابن عمرو جو قبیلہ بنی جذام سے تھا مسلمان ہوگیا۔ اور چند تحائف آنحضرت
کی خدمت میں روانہ کئے۔ رومی حکام کو جب اسکی اطلاع ہوئی تو اس فدائے اسلام پر حملہ
کرکے قتل کردیا۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ یہ روایت اگرچہ عجیب ہے لیکن کچھ نہ کچھ واقعہ ضرور
ہے کیونکہ رومی مورخ تھیوفینس لکھتا ہے کہ سرحد شام کے عربی قبائل کو بعض رومی افسروں
نے انعامات عطا کرنے سے سختی کے ساتھ انکار کیا جسکے باعث قبائل بگڑ اٹھے اور
شہر غازہ پر حملہ کیا۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں نے رومیوں سے الگ ہوکر
پیغمبر اسلام کی طرفداری شروع کی جسکا نتیجہ سال آئندہ غزوہ تبوک کی شکل میں نظر آیا۔

سریۂ ذات السلاسل واقعہ موتہ کے ایک ماہ بعد آنحضرتؐ نے عمرو ابن العاص کو جو فتح خیبر کے بعد
ایمان لائے تھے سرحد شام کے سرشور عربی قبائل بنی عذرہ اور بنی بلی کی طرف تین سو کی
جمعیت سے بھیجا عمرو کا ننھیال قبیلہ بلی میں تھا جس سے امید تھی کہ وہ لوگ بآشتی پیش
آئینگے لیکن عمرو جب قریب پہنچے تو قرابت کام نہ آئی اور قبیلہ برسر پیکار ہوگیا۔

---

۵۱ ابن ہشام جلد سوم ۲۱۱-۲۱۰ -- ۵۲ لائف آف محمد صفحہ ۴۱۰

یہ دیکھکر عمرو ٹھہر گئے اور رسول اللہ سے کمک کے خواستگار ہوئے۔ آنحضرت نے ابوعبیدہ کو دوسو آدمیوں کے ساتھ جنمیں مہاجرین وانصار بھی شامل تھے اور حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھی روانہ فرمایا۔ عمرو بن العاص آگے بڑھے لیکن اعراب نے مقابلہ نہیں کیا اور پہاڑوں میں متفرق ہو گئے۔ اس سریہ میں بعض ایسے امور پیش آئے جس سے سابقین اولین کے طبائع کا اندازہ ہوتا ہے کہ صحبت رسول اللہ نے انکے قلوب کو خالص خدمت دین کیلئے کیسا مصفا کر دیا تھا۔ ذیل میں ہم دو واقعے نقل کرتے ہیں۔ صحابہ کا ایثار

پہلا واقعہ **اول** حضرت ابوعبیدہ جب کمک لے کر پہونچے تو عمرو ابن عاص کہنے لگے آپ صرف کمک لے کر آئے ہیں اسلیے میرے ماتحت ہو کر کام کرنا پڑیگا۔ اس زمانہ میں جو سردار لشکر ہوتا تھا وہی پیش امام بھی ہوتا تھا۔ عمرو تازہ ایمان لائے تھے۔ ابوعبیدہ سابقین اولین سے تھے برسوں صحبت رسول میں رہے تھے جب دیکھا کہ عمرو کو اصرار ہے تو کہنے لگے رسول اللہ نے اختلاف سے منع فرمایا ہے تو اگر میری اطاعت نہیں کرتا تو میں مطیع اور مقتدی ہو کر رہوں گا۔

دوسرا واقعہ **دوم**۔ رافع بن عمیرہ پہلے نصرانی تھے ایمان لاکر اس سریہ میں شریک ہوئے اور حضرت ابوبکر کی رفاقت میں سفر کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر کے پاس ایک کمل تھا جسے منزل پر پہونچکر بچھاتے تھے اور روانگی کے وقت بطور سائبان کے استعمال کرتے تھے رافع کہتے ہیں کہ میں نے راہ میں ابوبکر سے کہا میں نے آپ کی رفاقت اسلیے اختیار کی ہے کہ مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ آپ نے ارکان دین کی تشریح کے بعد فرمایا رافع دو مسلمانوں پر

حکومت کرنے کی ہوس نہ کرنا۔ رافع نے کہا ارکان دین کی میں پابندی کرونگا لیکن یہ نصیحت عجیب ہے میں دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ سے لوگ حکومت حاصل کرتے ہیں حضرت ابوبکر نے فرمایا رافع تیرا اعتراض سخت ہے اب غور سے سُن۔ خدائے پاک نے اپنے رسول برحق کو اشاعت وہدایت کے لئے بھیجا۔ لوگوں نے دین متین کو طوعاً اور بعضوں نے کرہاً اختیار کرلیا اب یہ سب جوار الٰہی میں داخل ہیں۔ ایسی حالت میں جار اللہ پر کسی نے حکومت کرکے سختی کی تو وہ غضب الٰہی میں مبتلا ہوکر گرفتار عذاب ہوگا۔ رافع کہتے ہیں کہ پھر میں اس سریہ کے بعد جُدا ہوا اور جب سُنا کہ ابوبکر خلیفۂ رسول ہوگئے تو اُنکی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کیا آپنے مجھے دو مسلمانوں پر حکومت کرنے سے منع نہیں کیا تھا حضرت ابوبکر نے جواب دیا۔ رافع اب بھی میں تجھے وہی نصیحت کرتا ہوں۔ رہا میرا معاملہ سُن مجھے خوف تھا کہ اُمت محمدی میں تفرقہ پڑجائیگا اسلیے میں اس بار گراں کا متحمل ہوا ہوں[۱]۔

---

[۱] ابن ہشام جلد سوم صفحہ ۲۴۳ و ۲۴۳ تاریخ شاہد ہے کہ رسول اللہ کے دفن سے پہلے ہی مہاجرین اور انصار میں امارت کیلئے جھگڑا پیدا ہوگیا جو اگر فوراً رفع نہ ہوتا تو ایسی حالت میں جبکہ مدینہ دشمنوں سے گھرا ہوا تھا۔ اعراب مرتد ہوچکے تھے۔ رومیوں سے لڑائی چھڑی ہوئی تھی نااتفاقی کے باعث اسلام کا شیرازہ بکھر جاتا۔ حضرت ابوبکر نے ایسی نازک موقع پر خلافت قبول کرکے متفقہ قوت اسلام قائم رکھی۔ حضرت علی نے بھی تفرقہ کے خوف سے دبا دیا جو ابوسفیان نے کہا کہ اگر تم دعوی خلافت کرو تو تمہاری حمایت میں مدینہ کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں) خلفائے ثلاثہ سے تعاون [illegible] لیکن جب [illegible] امیر معاویہ [illegible] عمرو ابن العاص نے خلیفہ برحق کی مخالفت کرکے امت میں تفرقہ ڈالدیا۔

فتح مکہ

۸ھ

حدیبیہ کے شرائط صلح کے موافق قبیلۂ خزاعہ آنحضرت کے اور بنی بکر قریش کے حلیف ہوگئے تھے بنی بکر اور خزاعہ میں مدت سے عداوت تھی کشت و خون ہوچکا تھا۔ انتقام کی آگ سینوں میں دبی ہوئی تھی صلح حدیبیہ سے جب اسلام اور کفر کا تصادم کچھ عرصہ کیلیے رک گیا تو بنی بکر نے شعبان ۸ھ میں ایک شب خزاعہ پر یکایک حملہ کردیا چند سرداران قریش صفوان بن امیہ، حویطب ابن العزیٰ وغیرہ بھیس بدلکر اپنے حلیفوں کے ساتھ قتل و غارت میں شریک ہوگئے، خزاعہ نے بھاگ کر حدود حرم میں پناہ لی جہاں کشت و خون منع تھا مگر نوفل سردار بنی بکر نے کچھ لحاظ نہ کیا اور بیس۲۰ خزاعی قتل ہوگئے بنی خزاعہ نے تب اپنے حلیف یعنی رسول اللہ کی خدمت میں چالیس ناقہ سوار بھیجکر فریاد کی اور بنی بکر کا ظلم اور قریش کا نقض عہد مفصل بیان کیا۔ اب آپ کیلیے ضروری تھا کہ حلیفوں کی مدد اور عہد شکنوں کو سزا دیں۔ چنانچہ فوراً ایک قاصد مکہ روانہ کیا گیا اور تین شرطیں پیش کیں۔ حملہ کی وجہ

ابن اسحٰق اور واقدی نے اگرچہ ان شرطوں کا ذکر نہیں کیا لیکن واقدی کے ہمعصر محمد بن عائذ دمشقی نے اپنی مغازی میں ابن عمر کی روایت یوں نقل کی ہے:۔

"جب خزاعہ نے حاضر ہوکر واقعہ بیان کیا تو رسول اللہ صلعم نے پوچھا کہ تمہارا گمان کس پر ہے وہ بولے بنی بکر پر۔ آپ نے فرمایا کیا سارے قبیلہ کو مجرم

قرار دیتے ہو۔ بولے نہیں صرف بنی نفاثہ کو جنکا سردار نوفل ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں یہ لوگ بنی بکر سے ہیں اور اب میں اہل مکہ سے بازپرس کرتا ہوں پھر ضمرہ کو روانہ فرمایا اور تین شرطیں پیش کیں:۔

(۱) دیت مقتولان خزاعہ ادا کیجائے۔ یا

(۲) بنی نفاثہ حلیف ہونیسے خارج کردیے جائیں۔ یا

(۳) مقابلہ کیا جائے۔

پس ضمرہ آئے اور یہ شرطیں پیش کیں تب قرطہ بن عمرو نے جواب دیا کہ نہ ہم دیت دینگے نہ بنی نفاثہ کو حلیف ہونیسے خارج کرینگے ہاں مقابلہ کرنے کو طیار ہیں۔ پس ضمرہ واپس چلے لیکن قریش کو اب ندامت ہوئی اور انھوں نے ابوسفیان کو رسول اللہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ (زرقانی جلد دوم صفحہ ۲۹۲)

قریش کی اسوقت حالت یہ تھی کہ انکے مشہور صاحب الرائے اور مدبر اشخاص یا تو سابق غزوات میں قتل ہو چکے تھے اور یا ایمان لا چکے تھے۔ غرض ہیں شورہ پشتو نکا زور تھا جنکے قول و فعل پر مشکل سے قبا دہ ہو سکتا تھا اسلیے ابوسفیان سے معاملہ طے نہوا اور وہ مکہ واپس آیا تب آنحضرت نے خاموشی کے ساتھ طیاری شروع کی اور حلیف قبائل کو شرکت کیلیے طلب کیا اور تدبیر یہ کی کہ قریش تک اس نقل و حرکت کی خبر قبل از وقت نہ پہونچے لیکن ایک صحابی حاطب ابن ابی بلتعہ نے چپکے سے ایک قاصد قریش کے پاس اطلاع کیلیے روانہ کردیا آنحضرت کو معلوم ہوگیا چند صحابہ کو بھیجا قاصد پکڑا گیا۔

اور خط برآمد ہوا۔ حاطب سے باز پرس ہوئی وہ کہنے لگے یا رسول اللہ میرے کچھ عزیز مکہ میں
بے وسیلہ ہیں میں نے خیال کیا کہ قریش پر کچھ احسان کروں شاید وقت پر کام آئیں حضرت
عمر بول اُٹھے حاطب منافق ہو گیا حکم ہو تو قتل کر دوں مگر رسول کریم نے حاطب کی صداقت کو
ملحوظ رکھ کر فرمایا اسنے غزوہ بدر میں دین کی خدمت انجام دی ہے اسکو معاف ہے۔

قریش کو اگرچہ اطلاع نہونے پائی لیکن اُنکے ہمسایہ قبیلہ ہوازن کو جو مکہ کے جنوب
مشرق میں دور تک پھیلے ہوئے تھے خبر ہو گئی اور وہ جنگجو فوراً جنگ کیلئے جمع ہو گئے
طبری عروہ بن الزبیر کی روایت سے غزوہ حنین کے ذکر میں یوں لکھتے ہیں۔

وکانوا قد جمعوا قبل ذلک	اور اس سے پہلے جب اُنہوں
حین سمعوا بمخرج رسول اللہ من	نے رسول اللہ کی روانگی مدینہ کی خبر
المدینۃ وھم یظنون انہ انما یریدھم	سُنی تھی مجتمع ہو گئے تھے اور اُن کو گمان
حیث خرج من المدینۃ فلما اتاھم	تھا کہ آپ انکی طرف مدینے سے نکلے ہیں
انہ قد نزل مکۃ اقبلت ھوازن	پس جب انھیں معلوم ہوا کہ آپ
عامدین النبی صلی اللہ علیہ وسلم	مکہ میں اُترے ہیں تو ہوازن مقابلہ
واقبلوا معھم بالنساء والصبیان	کو بڑھے اور اُنکے ساتھ انکی عورتیں
والاموال (طبری جلد سوم صفحہ ۱۶۷۶)	بچے اور مال و اسباب تھا۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ معاملہ کیسا نازک تھا قریش اور ہوازن اگر متفقہ طور پر مقابلہ

ملہ طبری جلد سوم صفحہ ۱۱۳

کرتے تو نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلتا اور خطرناک پیچیدگیاں پیدا ہو جاتیں لیکن آنحضرتؐ نے جس طرح خیبر کیطرف تیزی سے بڑھ کر غطفان اور یہود کے مشترکہ منصوبوں کو خاک میں ملا دیا اسیطرح مکہ کیطرف بڑھ کر قبل اسکے کہ قریش و ہوازن وغیرہ قبائل عرب متفق ہو کر مقابلہ کریں مکہ فتح کر لیا پھر پندرہ دن کے بعد ہوازن اور ثقیف کے اجتماع کو توڑنے کیلئے حنین کیطرف بڑھے جہاں ہولناک معرکہ پیش آیا (تفصیل آگے آئیگی)۔

آنحضرتؐ کا لشکر اسلام لے کر روانہ ہونا

رمضان کی دسویں تاریخ آنحضرتؐ پانچ ہزار مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینے سے نکلے راہ میں قبائل عرب اسلم۔ غفار۔ مزنیہ۔ جہنیہ اور اشجع کے ایک ایک ہزار سپاہی شامل ہوگئے۔ اسطور سے دس ہزار کی جمعیت مکہ کیطرف چلی۔ راہ میں آپکے چچا عباس جو ایمان لا چکے تھے مکہ سے نکلکر شریک لشکر ہوگئے۔ مر الظہران پہنچکر آنحضرتؐ نے شب کو وہیں قیام فرمایا اور حکم دیا کہ وادی میں آگ روشن کر کے لوگ قیام کریں۔

ابن اسحق کی روایت پہلا منظر

ابن اسحق نے یہاں ایک روایت لکھی ہے جسکو عام طور سے ارباب سیر نقل کرتے ہیں کہ عباس رسول اللہ کے خچر پر سوار ہو کر مکہ کیطرف چلے راہ میں ابو سفیان ملے جو خبر لینے نکلے تھے۔ عباس نے سمجھا بجھا کر ابو سفیان کو اپنے ساتھ سوار کر لیا۔ اور لشکر گاہ کیطرف چلے حضرت عمرؓ نے دیکھ لیا دوڑے کہ دشمن دین ابو سفیان کو قتل کر دیں مگر وہ جلدی سے رسول اللہ کے سامنے حاضر ہو گئے۔ ساتھ ہی حضرت عمرؓ بھی پہونچ گئے تب ابو سفیان نے کلمہ پڑھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ابو سفیان قریش کے پاس جاؤ اور اعلان کر دو کہ جو کوئی تمہارے گھر میں پناہ لے اسکو امان ہے[۱]۔

[۱] ابن ہشام جلد سوم صفحہ ۲۲۳ - ۲۲۰

لیکن عروہ ابن زبیر نے یہ روایت دوسرے طور سے عبدالملک ابن مروان کو ایک خط میں لکھی تھی جسکو طبری نے اپنی تاریخ[1] میں نقل کیا ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتی ہے قریش نے ابوسفیان اور حکیم بن حزام کو خبر رسانی کیلئے بھیجا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت طائف کیطرف ہوازن و ثقیف کے مقابلہ کو جا رہے ہیں یا مکہ پر بڑھ رہے ہیں۔ راہ میں بدیل بن ورقہ بھی ہمراہ ہو گئے جب مرالظہران پہونچے تو آنحضرت کے ورود کی اطلاع ملی تینوں اشخاص آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے تب آپ نے ان کو قریش کیطرف بھیجا کہ ان کو بھی اسلام کی ہدایت کریں اور اعلان کر دیں کہ جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں یا حکیم بن حزام کے مکان میں پناہ لے یا اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ رہے ان سب کو امان ہے۔

ابوسفیان کے جانے کے بعد آنحضرت نے لشکر اسلام کو مختلف دستوں میں تقسیم کر کے شہر کے بالائی اور نشیبی حصوں میں داخل ہونیکا حکم دیا اور لڑائی کی ممانعت کی لیکن قریش کا ایک شورش پسند گروہ عکرمہ ابن ابی جہل اور سہیل بن عمرو کی ماتحتی میں مقام خندمہ پر چڑھے سے خالد ابن ولید قبائل عرب کے ہمراہ داخل ہو رہے تھے حائل ہو گیا خالد اور ان کے ہمراہی تازہ ایمان لائے ہوئے تھے۔ بنی خزاعہ کے لوگ بھی شامل تھے جن پر قریش نے ظلم کیا تھا اسلیے دشمن کو سد راہ دیکھکر لڑنے لگے اور دونوں جانب لوگ مارے گئے یہانتک کہ راستہ صاف ہو گیا آنحضرت کو خبر ہوئی فرمایا میں نے جنگ سے

[1] طبری جلد سوم صفحہ ۱۱

منع کیا تھا تب صورت واقعہ بیان کیگئی. آپ نے فرمایا قضائے الٰہی تھی۔[1]

استشہاد ابن قتل کی روایت پر ایک نظر

ابن اسحق لکھتے ہیں کہ جنگ کی ممانعت کرتے وقت آنحضرت نے آٹھ شخصوں کے متعلق فرمادیا تھا کہ جہاں ملیں قتل کئے جائیں. متاخرین نے دو اور بڑھا کر دس کئے. محدثین نے دو کم کرکے چھ رکھے. صحیح بخاری میں صرف ایک شخص ابن خطل کا قتل ہونا مذکور ہے. مختلف روایات پر ایک غائر نظر ڈالنے سے واقعہ یوں معلوم ہوتا ہے جسکی تفصیل درج ذیل ہے.

آنحضرت قریش کی عہد شکنی کی سزا دینے اور قبائل میں امن قائم کرنے کیلیے مدینے سے نکلے تھے لشکر میں بنی خزاعہ بھی شامل تھے جنکے سینوں میں انتقام کی آگ سلگ رہی تھی. پھر قبائل عرب کی ایک بڑی جمعیت تھی جو اگرچہ مسلمان ہو گئے تھے لیکن صحبت رسول اللہ کے اثر سے اُنکے قلوب مہاجرین اور انصار کی طرح منور نہ تھے. آنحضرت چاہتے تھے کہ جنگ کی نوبت نہ آئے. اور آشتی سے معاملہ طے ہوجائے. سردار قریش ابوسفیان کے مسلمان ہوجانے اور شرائط امن کے اعلان سے اُمید تھی کہ لڑائی کی نوبت نہ آئیگی لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا خندمہ کے مقام پر خالد ابن ولید کو قریش کی ایک شوریدہ پشت جماعت سے لڑنا پڑا جسمیں وہ لوگ شامل تھے جنکے متعلق روایات میں اشتہاریان قتل مشہور ہے. واقدی کا بیان ہے کہ مقیس الکنانی اور اُسکے ہمراہی قریش جن میں حویرث بن نقیل بھی تھا سدراہ ہوکر لڑنے لگے خزاعہ نے مسلمانوں کیطرف سے اُنپر حملہ کیا مقیس مارا گیا

[1] ابن ہشام جلد سوم صفحہ ۲۴۱

اور ابن خطل بھاگ کر پردہ کعبہ میں چھپ گیا لیکن سعید بن حریث اور ابو بردہ الاسلمی نے اسکو دیکھ لیا اور وہیں قتل کر دیا[۱]۔ ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ارباب سیر جنکو اشتہاریان قتل کہتے ہیں وہ اسلیے قتل نہیں ہوئے کہ اماں دیتے وقت آنحضرت نے ان کو واجب القتل قرار دیا تھا۔ بلکہ یہ لوگ شرط امان سے فائدہ نہ اٹھا کر لڑنے لگے اور اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔

ابن اسحق لکھتے ہیں کہ ابن خطل وہ شخص تھا جو پہلے اسلام لایا تھا۔ پھر ایک انصاری کو قتل کر کے مرتد ہو گیا تھا یہی حال مقیس کا بھی تھا[۲]۔ ان واقعات کے ہوتے ہوئے بھی وہ لوگ حقیقتاً اشتہاریان قتل میں شامل نہ تھے۔ اسیطرح ابن خطل کی ایک لونڈی کو بھی جو اسدن قتل ہوئی شمار کرنا چاہیے صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ فتح مکہ میں آنحضرت نے ایک عورت کو مقتول پایا پس آپ نے منع فرمایا کہ عورتوں اور بچوں کو قتل مت کرو[۳]۔ معلوم ہوتا ہے یہ وہی ابن خطل کی لونڈی تھی جو اسوقت قتل ہوئی جب مشرکین خالد ابن ولید کی فوج کے سدراہ ہو کر لڑ رہے تھے۔

الغرض شہر میں داخل ہو کر آنحضرت پہلے کعبہ کی طرف چلے جسے مشرکین نے بیت الصنم بنا رکھا تھا۔ حضرت ابراہیم نے جس گھر کو سب سے پہلے خدائے واحد کی عبادت کیلیے مخصوص کیا تھا وہ تین سو ساٹھ[۳۶۰] بتوں کا مندر ہو گیا تھا۔ آغاز رسالت سے آنحضرت نے بت پرستی کی برائیاں جس پر زور اور موثر طریقے سے بخوف و خطر بیان کی تھیں اسکے باعث اس رسم قبیحہ کی بنیادیں ہل چکی تھیں لیکن قریش کی جہالت اور عداوت سہارا دیے ہوئے تھی فتح مکہ

---

[۱] کتاب المغازی صفحہ ۶۱۴ [۲] ابن ہشام جز ثالث صفحہ ۳۴ [۳] کتاب الجہاد باب قتل النساء فی الحرب

سے وہ سہارا جاتا رہا۔

آج خلیل کا پوتا بیت اللہ میں داخل ہوا۔ لا احب الافلین کا وہ نعرہ جسنے بتان آذری کو ٹکڑے کر دیا تھا اب جاء الحق وزھق الباطل کا رعد بن گیا نور حق کی بجلی اصنام قریش پر گری اور چشم زدن میں سب نسیاً منسیا ہو گئے۔

حرم کو بتوں کی آلائش سے پاک کر کے آنحضرت نے سقایہ حجابہ اور سفادہ کے عہدے جو حقیقتاً خدمت دین تھے قائم رکھکر باقی وہ تمام جاہلانہ رسمیں جو محض تفاخر اور تکاثر پر مبنی تھیں موقوف کر کے ایک خطبہ میں جو درج ذیل ہے اسلام کی سچی زندگی کی تصویر کھینچدی۔ خطبۂ رسول اللہ

آپ نے باب کعبہ پر کھڑے ہو کر یوں ارشاد فرمایا۔

لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ	نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ جو
لا شریک لہ صدق وعدہٗ	ایک ہے کوئی اسکا شریک نہیں ہے
نصر عبدہٗ وھزم الاحزاب	اُسنے اپنا وعدہ سچا کیا اور اپنے بندہ
وحدہٗ الا کل مأثرۃ او دم	کی مدد کی اور فوجوں کو تنہا شکست
او مال یدعی فھو تحت	دی۔ ہاں تمام مفاخر، انتقام اور
قدمی ھاتین الا سدانۃ	خون بہا سب میرے قدموں کے
البیت وسقایۃ	نیچے ہیں صرف تولیت حرم اور حجیوں
الحاج.......	کو آب سانی مستثنٰی ہیں.....
یا معشر القریش ان اللہ	اے قوم قریش اب جاہلیت کا

قد اذھب عنکم نخوۃ	غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا
الجاھلیۃ وتعظمھا بالآباء	تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور
الناس من آدم وآدم من	آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔ (پھر آیت
تراب (ثم تلا) یاایھا الناس	تلاوت فرمائی) اے لوگو ہم نے
انا خلقناکم من ذکر وانثی	تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور
وجعلنکم شعوبا وقبائل	تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے تاکہ
لتعارفوا۔ ان اکرمکم	آپس میں پہچانے جاؤ بیشک اللہ کے
عند اللہ اتقکم ان اللہ علیم	نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ
خبیر	پرہیزگار ہو خدا بڑا دانا اور واقف کار

(طبری بروایت ابن اسحٰق جلد دوم صفحہ) ہے۔

اخوت اور مساوات کے یہ زریں اصول نہ صرف قریش کیلئے بلکہ اُن مہذب اقوام کیلئے جو قومیت اور وطنیت کے پردے میں فرعون بے سامان بن جاتی ہیں باعث رحمت ہیں بشرطیکہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔

رسول کریم

دوران خطبہ میں آپ نے مجمع قریش کیطرف دیکھکر فرمایا لوگو جانتے ہو تمہارے ساتھ کیا برتاؤ ہوگا۔ قریش کی اب آنکھیں کھل گئی تھیں ندامت اور التجا کے لہجہ میں کہنے لگے

اخ کریم وابن اخ	بھائی نیک اور نیک بھائی
کریم	کا بیٹا۔

رحمت عالم کے لب جان بخش تب یوں گویا ہوئے۔

اذھبوا فانتم الطلقاء　　　جاؤ تم سب آزاد ہو۔

قریش پر اس برتاؤ کا ایسا اثر ہوا کہ لوگ جوق جوق حاضر ہوتے تھے اور آپکے ہاتھ پر بیعت اسلام کرتے تھے مردوں کے ساتھ زنان قریش نے بھی ارکان اسلام کی پابندی اور محاسن اخلاق کی پیروی کا عہد کیا۔ ان عورتوں میں ہندہ زوجہ ابوسفیان بھی تھی جسکے اعمال کی سیاہی آب رحمت سے دھو دیگئی۔ ابوجہل کی بہو اُم حکیم ایمان لاکر کہنے لگی یا رسول اللہ میرا شوہر عکرمہ جان بچاکر بھاگ گیا ہے آپ اُسکو اماں دیجئے آپنے قبول فرمایا۔ عکرمہ جو بدترین دشمن تھا واپس آکر زمرۂ جان نثاروں میں شامل ہوگیا۔ صفوان بن اُمیہ بھی جدہ بھاگ گیا تھا ابن اسحق کا بیان ہے کہ عُمیر بن وہب نے عرض کی یا رسول اللہ سردار قریش غریب الوطنی کی مصیبت میں ہے اسکو امان دیجئے۔ آپنے علامت امان کیواسطے اپنا عمامہ عطا فرمایا صفوان حاضر ہوا اور کہنے لگا مجھے دو ماہ کی مہلت ملے کہ میں اسلام پر غور کروں آپنے اجازت دی[ل]۔ عبداللہ ابن ابی سرح مرتد ہوکر مکہ بھاگ آیا تھا اور کفار کا شریک ہوگیا تھا۔ فتح مکہ کے دن خوف جان سے اپنے رضاعی بھائی حضرت عثمان کے پاس چھپ رہا آپ اُسکو ہمراہ لے کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوے اور سفارش کی۔ اُسکا جرم اگرچہ سنگین تھا لیکن رسول کریم نے معاف فرمایا۔

ساحرنبی ہندیہ　آنحضرت کا قیام مکہ میں پندرہ دن رہا۔ ابن اسحق کا بیان ہے کہ دوران قیام میں

ل صفوان ایک ہی ماہ کے اندر یعنی غزوہ حنین کے بعد ایمان لاے۔

آپ نے ہمسایہ قبائل میں دعوت حق کیلئے صحابہ کو بھیجا۔ قریش کے دائرۂ اسلام میں داخل ہوجانے اور مکہ کے گرد و نواح میں جو عزیٰ، سواع اور مناۃ کے مشہور بتخانے تھے اُنکے انہدام سے اعراب بھی دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ ان میں سے بنی جذیمہ اسفل مکہ سے ایک شب کے فاصلہ پر یلملم کی جانب آباد تھے۔ خالد ابن ولید جسوقت تین مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ اُنکے قریب آئے تو وہ مسلح ہوکر استقبال کو نکلے اور کہنے لگے ہم مسلمان ہیں خالد نے کہا پھر مسلح ہوکر کیوں نکلے کہنے لگے ہم سمجھتے تھے دشمن آرہے ہیں۔ خالد کو اُنکے ایمان میں شبہ ہوا طبیعت جو تیلی تھی پھر بنی جذیمہ اور قریش سے عہد جاہلیت میں اَن بَن تھی حکم دیا کہ انکو گرفتار کرکے قتل کرو۔ بنی سلیم جو تازہ ایمان لائے تھے انھوں نے حکم کی پوری تعمیل کی لیکن جو مہاجر وانصار تھے اور برسوں صحبت رسول اللہ میں رہ چکے تھے اُنھوں نے کسی قیدی پر ہاتھ نہ اُٹھایا۔ آنحضرت کو جسوقت اس سانحہ کی خبر ہوئی بیتابانہ کھڑے ہوگئے اور آسمان کیطرف ہاتھ اُٹھاکر درگاہ باری میں یوں عرض کرنے لگے:۔

اللّٰھم انی ابرأ الیک مما — خداوندا جو کچھ خالد نے کیا میں

صنع خالد بن الولید — اس سے بری ہوں۔

پھر حضرت علی کو بھیجا کہ مقتولوں کا خون بہا ادا کریں اور وارثوں کو تسلی دیں حضرت علی نے مقتولوں کی دیت ادا کرنے کے ساتھ جانوروں کا بھی خون بہا ادا کیا۔ پھر جو مال بچ رہا اُسکو آنحضرت کیطرف سے بطور عطیہ تقسیم کر دیا۔ آنحضرت نے جب سنا فرمایا اے علی تو نے بہت اچھا کیا۔[۱]

[۱] طبری جلد سوم صفحہ ۱۲۳

کیا عجیب بات ہے کہ مذکورۂ بالا سانحہ کو بھی ارباب سیر سریہ میں داخل کیا ہے حالانکہ طبری نے ابن اسحق سے جو روایت لکھی ہے اس میں صاف مذکور ہے:۔

بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین افتتح مکۃ خالد ابن الولید داعیا ولم یبعثہ مقاتلا۔	جب کہ فتح ہوا تو رسول اللہ صلعم نے خالد ابن ولید کو دعوت دین کیلئے بھیجا تھا نہ لڑائی کرنے کیلئے

(طبری جلد سوم صفحہ ۱۲۲)

اصل یہ ہے کہ بنی جذیمہ کا سانحہ حادثہ رجیع و بیر معونہ کی طرح تھا فرق یہ ہے کہ وہاں کفار نے مبلغین اسلام کو شہید کیا اور یہاں ایک مسلمان سردار نے جاہلیت کے جوش میں اپنے نومسلم بھائیوں کو قتل کیا۔

غزوۂ حنین

مکہ کے جنوب مشرق جو کوہستانی سلسلہ دور تک چلا گیا ہے وہ اعراب بادیہ کے ایک زبردست قبیلہ ہوازن کا آجتک مسکن ہے۔ اسکی متعدد شاخوں میں سے ایک مشہور شاخ بنی ثقیف طائف کی سرسبز و شاداب وادی میں آباد تھی۔ یہ لوگ دولتمند متکبر اور جنگجو تھے ہجرت سے پیشتر آنحضرت اُن کے شہر میں تبلیغ دین کیلئے تشریف لیگئے تھے لیکن اُن کے سرداروں نے نہایت حقارت سے کلام حق کی توہین کی تھی۔ ہجرت کے بعد جب قریش نے سلسلۂ جنگ چھیڑ دیا تو یہ لوگ سمجھے تھے کہ ایک غریب یتیم کا جسکی مخالفت میں اسکی قوم کھڑی ہوگئی ہے بہت جلد خاتمہ ہو جائیگا لیکن بدر و خندق نے انکی آنکھیں کھول دیں۔ پھر جب حدیبیہ میں قریش سے صلح ہوگئی اور اسکے بعد ہی خیبر کی فتح نے قبائل عرب پر اسلامی قوت کا سکہ بٹھا دیا تو بنی ہوازن جنکو اپنی قوت، کثرت پر ناز تھا جوش جاہلیت میں مخالفت پر آمادہ ہوگئے اور ایک سال تک قبائل میں دورہ[1] کرکے اعراب کو مقابلہ کیلئے طیار کر دیا۔

وجہ جنگ

آنحضرت جس وقت فوج اسلام لے کر مکہ کیطرف بڑھے تو بنی ہوازن جیسا کہ ہمنے فتح مکہ میں بیان کیا ہے وادی اوطاس میں جو طائف کے شمال و مشرق واقع ہے جمع ہوگئے تھے۔ سردار لشکر ایک جوشیلا نوجوان مالک بن عوف تھا جسکے ساتھ عرب کا مشہور نبرد آزما

[1] زرقانی جلد سوم صفحہ ۵

درید بن صمہ بھی تھا جس کی عمر سو سے زائد ہو چکی تھی اور جو اگرچہ چلپش جنگ کے قابل نہ تھا لیکن تدبیر جنگ میں طاق تھا۔ لوگ اُسکو ایک ہودج میں بٹھا کر لائے تھے۔ درید کی رائے تھی کہ اہل وعیال ہمراہ نہ لیے جائیں لیکن مالک بن عوف نے کہا کہ انکی موجودگی میں مرد زیادہ جوش سے لڑینگے۔ غرضکہ مالک منتخب بہادروں کیساتھ آگے بڑھا اور وادی حنین میں جو مکہ سے تین منزل ہے پہونچ گیا۔

وادی حنین کی سرگذشت

آنحضرت کو جو وقت اس طوفان بلا کے اُٹھنے کی خبر ہوئی جسقدر لشکر مدینہ سے ہمراہ آیا تھا اور دو ہزار قریشی نومسلم جو طلقاء کے لقب سے مشہور تھے کل بارہ ہزار کی جمیعت سے مکہ سے کوچ کیا۔

دشمنوں نے جو مشہور تیر انداز تھے پیشتر سے تنگنائے وادی میں دونوں جانب کمینگاہ قائم کرکے قدر اندازوں کو بٹھا دیا تھا۔ علی الصباح جو وقت لشکر اسلام اُدھر سے گزرنے لگا یکایک تیروں کی بارش ہوئی اور ایسے خوفناک طریقے سے کہ خیمۂ زمان میں سیکڑوں بسمل ہوگئے اور مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہوگئیں۔ سب سے پہلے بنی سلیم اور نومسلم قریش جو خالد بن ولید کی زیر کمان آگے آگے جا رہے تھے۔ بھاگے۔ پھر جو دستے پیچھے آ رہے تھے اُن میں بھی ابتری پڑگئی اور کسی کو کسی کی خبر نہ رہی۔ مکہ سے چلتے وقت بعض صحابہ نے لشکر اسلام کی شوکت کو دیکھکر کہا تھا کہ آج ہمپر کون غالب آسکتا ہے لیکن اب آنکھیں کھلیں اور دیکھ لیا کہ دین برحق کثرت وقلت کا رہین منت نہیں ہے۔ وہ خدا جسنے بدر میں غیب سے مدد دی جسنے اُحد میں اپنے رسول کی حفاظت کی، جسنے خندق میں

کثیر التعداد دشمنوں کو گرد کی طرح اڑا دیا اب حنین میں بھی لشکر اسلام کے منتشر ہو جانے سے جنود غیبی کے ساتھ امداد کو پہونچا۔

ویوم حنین اذا عجبتکم	اور حنین کے دن جب تم نے
کثرتکم فلن تغن عنکم شیئا	اپنی کثرت پر ناز کیا پھر وہ تمہارے
وضاقت علیکم الارض بما	کچھ کام نہ آیا اور زمین کشادگی کے
رحبت ثم ولیتم مدبرین ثم	ساتھ تم پر تنگ ہو گئی پھر تم نے
انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ و	پشت دکھائی اور بھاگے پھر اللہ
علی المومنین وانزل جنوداً	نے اپنے رسول اور مومنین پر تسلی
لم تروھا وعذب الذین کفروا	نازل کی اور ایسی فوج جو تم کو نظر
وذلک جزاء الکافرین	نہ آئی اور کافروں کو عذاب دیا
(سورہ برات)	اور یہ انکا بدلہ ہے۔

میدان میں حواس کا قائم رہنا بڑی چیز ہے۔ آنحضرت اس ناگہانی افتاد سے جب لشکر اسلام منتشر ہو گیا پہاڑ کی طرح اپنے مقام پر جمے رہے اور مفروروں کو آواز دی لیکن جب وہ نہ پلٹے تو شجاعت کے جوش اور صداقت کے احساس میں ؎

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب

کا رجز پڑھتے ہوے دشمن کی طرف بڑھے لیکن چند جاں نثار گرد باقی تھے انھوں نے دُلدُل کی باگ پکڑ لی آپ نے فرمایا مہاجرین و انصار کو پکارو حضرت عباسؓ نے

جو لمنا آوازے تھے پکارا جو وقت شیدائیان حق نے آواز سُنی فوراً مرکز ایمان کیطرف دوڑے اور پھر جوش وخروش سے دشمن پر ٹوٹ پڑے گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔ مالک بن عوف اپنے خاندان اور منتخب جوانوں کے ساتھ دیر تک لڑتا رہا آخر سخت نقصان اٹھا کر بھاگا اور شہر طائف میں قلعہ بند ہو گیا۔

وادی حنین جب دشمنوں سے صاف ہو گئی تو آنحضرت نے لشکر کا ایک حصہ ابوعامر اشعری کی ماتحتی میں اوطاس کی طرف بھیجا جہاں درید ابن الصمہ فوج منتخط کے ساتھ مقیم تھا اور خود بہ نفس نفیس طائف کے محاصرے کو بڑھے۔ فوج درید نے سخت مقابلہ کیا ابوعامر درید کے بیٹے کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور علم اسلام دشمن نے چھین لیا لیکن ابو موسیٰ اشعری فوراً بڑھے اور ایک خونخوار معرکہ کے بعد دشمن کو قتل کر کے علم واپس لیا۔ درید اُسوقت تک ہودج میں بیٹھا ہوا لڑائی کی آگ تیز کر رہا تھا یہانتک کہ ربیعہ بن رفیع نے آب شمشیر اُسکو ٹھنڈا کر دیا اور لڑائی کا اُسی کے ساتھ خاتمہ ہو گیا۔

آنحضرت حنین اور اوطاس کا مال غنیمت ایک مقام جعرانہ میں محفوظ کر کے طائف کے محاصرے میں مشغول ہوئے۔ طبری عروہ ابن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ محاصرے کے دوران میں جو قبائل شہر کے باہر تھے انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ صرف محصورین سختی سے مقابلہ پر تلے رہے[۵۱] آنحضرت نے یہ خیال فرما کر کہ ہوازن وثقیف کی قوت حنین و اوطاس میں ٹوٹ چکی ہے سارا مال واسباب اور اہل وعیال مسلمانوں

---

[۵۱] طبری جلد سوم صفحہ ۱۳۲

قبضہ میں آگئے صرف اہل شہر اپنی ضد پر قائم ہیں جنگ کو طول دینا صرف شکوہ سلطنت ہے نہ شعار نبوت اسلیے ایک ماہ کے بعد محاصرہ اٹھالیا صحابہ نے عرض کی آپ بد دعا کریں مگر آپ نے یوں دعا کی الٰہی ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس لا۔

طائف سے واپس آکر آپ جعرانہ میں تشریف لائے دیکھا کہ چھ ہزار اسیران جنگ چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی (تخمینا چالیس ہزار روپیہ) جمع ہیں۔ ابن اسحق کا بیان ہے کہ جعرانہ میں ہوازن کا ایک وفد حاضر ہوا اور اسیران جنگ کی رہائی کی درخواست کی مالک بن عوف بھی ساتھ تھا۔ قبیلہ بنی سعد جن میں آنحضرت نے ایام رضاعت گزارے تھے انکا سردار زہیر بن صرد بھی حاضر ہوا اور یوں تقریر شروع کی۔ اسیران جنگ کی رہائی

یا رسول اللہ ان قیدیوں میں آپ کی وہ پھوپھیاں اور خالائیں ہیں جنہوں نے آپ کو پرورش کیا۔ شاہان عرب حارث بن ابی شمر اور نعمان بن منذر نے اگر ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو آج ہم انعام واکرام کے ساتھ واپس جاتے اور آپ سے تو بہت سے توقعات ہیں۔

رؤف الرحیم نبی نے یہ سنکر فرمایا مجھے اور میرے خاندان عبد المطلب کو جسقدر حصہ ملا ہے وہ سب تم کو واپس کرتا ہوں لیکن دوسروں سے واپس ملنے کی تدبیر یہ ہے کہ بعد نماز مجمع میں اپنی درخواست پیش کرو۔ چنانچہ انہوں نے بعد ظہر درخواست کی۔ آپ نے فرمایا گو میں نے اپنے اور اپنے خاندان کا حصہ بخشدیا۔ مہاجرین اور انصار

جو اپنے ہادی برحق کے نقش قدم پر چلتے تھے بول اُٹھے اور ہم نے بھی بخشدیا۔ لیکن دوسرے مسلمانوں کو تامل ہوا تب آپ نے ہر فرد کے عوض چھ اونٹ کے وعدے پر بقیہ اسیروں کو بھی رہا کردیا اس طور سے بھی ہوازن کے چھ ہزار قیدی آزاد ہوگئے۔[۵۵]

قیدیوں میں آنحضرت کی رضاعی بہن شیما بھی تھیں اپنے گرفتار کرنے والے سے کہنے لگیں میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں لوگ تصدیق کیلئے آپ کے پاس لائے آپ نے دیکھکر پہچانا اور فرط محبت سے آنسو بھر آئے پھر اپنی ردائے مبارک بچھا دی اور اُن کی تسلی و تشفی کے بعد فرمایا میرے گھر چلکر آرام سے رہو یا پھر جیسی تمہاری خوشی۔ صحرا نشین شیما نے شہری زندگی کے مقابلہ میں اپنے قبیلہ میں رہنا پسند کیا تب آنحضرت نے انعام عطا کرکے عزت و احترام کے ساتھ اُن کو رخصت کیا۔[۵۶]

نومسلموں کی تالیف قلوب اور انصار کی کبیدگی آنحضرت کی پُر تاثیر تقریر

اسیران جنگ کی رہائی کے بعد لشکر اسلام نے جن میں اب طلقاء قریش اور اعراب بادیہ بھی شامل تھے مال غنیمت کی تقسیم کیلئے بیتابی ظاہر کی۔ آپ نے خمس علیحدہ کرکے باقی فوج پر تقسیم کردیا۔ تالیف قلوب کیلئے قریش کے نومسلم اور بدوی سرداروں کو آپ نے بڑے بڑے انعام عطا کئے کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ مہاجرین اور انصار جو دولت ایمان سے مالا مال ہیں اُن کو اس قسم کی مراعات کی ہوس نہ ہوگی لیکن تقاضائے بشریت سے بعض نوجوانان انصار کو گراں گزرا اور حرف شکایت زبان پر آیا۔ سعد ابن عبادہ نے آپ کو اطلاع دی آپ نے فرمایا اچھا اپنی قوم کو ایک خیمہ میں جمع کرو پھر سترون

۵۵ طبری جلد سوم صفحہ ۳۴۳ ۵۶ الاستیعاب جلد ثانی صفحہ ۶۶۲

خطاب فرمایا۔

اے گروہ انصار جو کچھ تم نے کہا اور تمہارے دل پر اثر ہوا مجھے معلوم ہے۔ سُنو تم کیسی ضلالت میں مبتلا تھے۔ خدا نے ہدایت دی تم تنگدست تھے خدا نے غنی کیا۔ تم آپس میں لڑتے تھے خدا نے تمہارے دلوں کو ملا دیا (جواب ملا ہاں ہم پر خدا اور رسول کا انعام ہے) پھر آپ نے فرمایا خدا کی قسم تم دوسرا جواب دے سکتے ہو اور بیشک وہ جواب درست ہے اگر یوں کہو کہ خدا اپنا وقت تو یاد کیجئے جب آپ کی قوم نے آپ کی تکذیب کی مگر ہم نے تصدیق کی۔ آپ کو کوئی پوچھتا نہ تھا مگر ہم نے حمایت کی۔ آپ گھر سے بے گھر ہوئے، ہم نے جگہ دی آپ درماندہ تھے ہم نے جان و مال نثار کیا (انصار کو ان جملوں سے زیادہ سننے کی تاب نہ رہی زار و قطار روتے ہوئے اُٹھے اور دست و زانوئے مبارک چوم کر کہنے لگے یا رسول اللہ ہم نے بھر پایا)۔ تب آپ نے فرمایا میں نے صرف تالیف قلوب کیلئے قوم کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہوں اے گروہ انصار کیا تم راضی نہیں ہو کہ لوگ تو اونٹ اور بکریاں گھر لیجائیں اور تم خدا کے رسول کو اپنے ساتھ لیجاؤ اُس خدا کی قسم جسکے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے اگر تمام آدمی ایک راہ پر چلیں اور انصار دوسری راہ پر تو میں انہی راہ پر چلوں جس پر انصار ہیں خداوندا انصار پر رحمت بھیج اور اُنکی اولاد و احفاد پر بھی۔[1]

الغرض جب قریش اور اعراب بادیہ غنیمت سے لدے پھندے گھر چلے انصار

[1] ابن ہشام جلد سوم صفحہ ۲۰۰ و طبری صفحہ ۱۶۸۰ و بخاری کتاب المغازی

نوع انسانی کے ایک کامل اور نورانی پیکر قدسی کو اپنے ہمراہ مدینے لے گئے ذلك فضل الله یوتیہ من یشاء

اس غزوہ میں چونکہ اسیران جنگ سب رہا کر دیے گئے رسم غلامی پر ہم ذیل میں کچھ لکھتے ہیں۔

رسم غلامی پر ایک نظر

علم الانسان کے ماہرین کا قول ہے کہ دنیا میں رسم غلامی کی بنیاد اسیرانِ جنگ پر قائم ہوئی ہے جو فاتحوں کے مغرورانہ اظہار فتحمندی کے ساتھ زیادہ تر اقتصادی پہلو لئے ہوئے تھی جیسا کہ مصر میں بنی اسرائیل کی پُر درد داستان اور بابل اور نینوا کے سلاطین کی ہولناک لڑائیوں کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔ دنیا کے تمام متمدن اور غیر متمدن اقوام میں یہی قصہ پُر درد دُھرایا گیا ہے اور باوجودیکہ حکمائے ہند و یونان نے تعلیم اخلاق میں نوع انسان کے قابل قدر خدمات انجام دیے لیکن اس اہم مسئلہ کے متعلق وہ تاریکی سے باہر نہ آئے۔

افلاطون

افلاطون جسکو الٰہی کا لقب ملا ہے قومی افتخار کے لہجہ میں کہتا ہے کہ صرف یونانیوں کو غلام بنانا نہ چاہیے۔ ارسطو جسکو معلم اوّل کا لقب ملا ہے حکمت مآبی کی شان سے یوں گویا ہے۔ "یہ قانون فطرت ہے کہ بعضوں کو غلام بنایا جائے۔" ہندوؤں کے دہرم شاستر نے غلاموں کو مثل مویشیوں کے آقا کی ملک قرار دیا تھا جو اراضی کی طرح وراثۃً تقسیم ہوتے تھے۔ یہ عبید الارض نہ صرف دسو اور شودر کے ذلیل ناموں سے پکارے جاتے تھے بلکہ جو بیرحمانہ اور ظالمانہ برتاؤ اُن کے ساتھ کیا جاتا تھا اُس سے

ظاہر ہوتا ہے کہ یا انسان ہے جو اس کرۂ خاکی پر جانوروں سے بھی زائد بیرحم و خونخوار ہے۔

رومیوں نے جو مشہور مقنن ملنے جاتے ہیں اپنے عروج کے زمانے میں غلاموں کے سزا دینے یا قتل کرنے میں آقاؤں کو نا محدود اختیار دے رکھے تھے۔ بوڑھے غلام جب ضعیف اور ناکارہ ہوجاتے تھے تو ٹائبر کے جزیرے میں زندہ درگور کردیے جاتے تھے جہاں وہ بیچارے فاقہ کشی کرتے کرتے تڑپ تڑپ کر مرجاتے تھے[۵۱]۔

شریعت موسوی — شریعت موسوی نے بنی اسرائیل کیلئے اگرچہ آسانیاں پیدا کردیں مثلاً اسرائیلی غلام چھ سال کے بعد آزاد سمجھا جاتا تھا لیکن آقا نے اگر اُسکا عقد کردیا اور اولاد ہوگئی اور وہ اہل و عیال سے جدا ہونا نہیں چاہتا تو پھر وہ حلقہ بگوش ہوکر آقا کا غلام رہتا[۵۲]۔ افلاس کے باعث جو لوگ خود کو یا اپنے اہل و عیال کو فروخت کرڈالتے تھے وہ سبت سال جوبلی میں آزاد ہوجاتے تھے[۵۳]۔ لیکن یہ آسانیاں غیروں کیلئے نہیں وہ ابداً غلام رہتے تھے اور بطور ترکہ تقسیم ہوتے تھے[۵۴]۔

حضرت مسیح نے چونکہ فرمایا کہ میں احکام توریت بدلنے نہیں آیا بلکہ اُن کو پورا کرنے آیا ہوں اسلئے مسئلہ غلامی بدستور رہا جیسا کہ مسیحی علماء کو اقرار ہے[۵۵]۔

رسم غلامی و جاہلیت — عرب میں یہود و نصاری، صابئین اور مشرکین سب ہی آباد تھے اسلیے عہد جاہلیت میں غلامی کی یہ رسم بد اُن میں بھی رائج تھی۔ اسیران جنگ غلام بنائے جاتے

---

[۵۱] ماخوذ از انسائیکلو پیڈیا آف ریلجن جلد [۵۲] توریت خروج ۲۱/۲-۶ [۵۳] سفر لاویین ۲۵/۳۹

[۵۴] سفر لاویین ۲۵/۴۴ [۵۵] انسائیکلو پیڈیا آف ریلجن جلد یازدہم صفحہ ۶۰۲

انکی عورتوں پر بجبر و گرفتار کرنے کے وحشیانہ طور پر تصرف ہوتا تھا۔ لونڈی غلاموں کی خرید فروخت ہوتی تھی اور ترکہ کی طرح تقسیم ہوتے تھے ان کو نہایت ذلیل اور حقیر سمجھتے تھے اور وہ بیچارے خود بھی اسکو محسوس کرکے اخلاقی پستی میں گرتے جاتے تھے لیکن عربی خون کی گرمی اکثر اپنا کرشمہ دکھاتی تھی۔ عنترہ ابن شداد کی ماں ایک حبشی لونڈی تھی۔ بیچارہ لونڈی بچہ خدمتگاروں کے کام کرتا تھا۔ ایکمرتبہ دشمن نے قبیلہ پر حملہ کیا اور مویشی پکڑے چلے، اہل قبیلہ نے پیچھا کیا عنترہ کے باپ نے بیٹے سے کہا خوب لڑ۔ اُسنے جواب دیا غلام لڑنا کیا جانے وہ مویشی چرانا جانتا ہے باپ نے پھر کہا کر وانت حر (خوب لڑ اور تو آزاد ہے) عنترہ پھر ایسی بہادری سے لڑا کر دشمن کو بھگا دیا اور مویشی چھین لیے۔ اہل قبیلہ انکی شجاعت دیکھکر دنگ ہوگئے۔ شجاعت اور شاعری میں آجتک عنترہ کا نام مشہور ہے[۱]۔

آنحضرت کی تعلیم اور طرز عمل

آنحضرت نے ابتدائے عہد سے قولاً اور فعلاً غلاموں پر شفقت اور انکی آزادی کی کوشش فرمائی یہانتک کہ وقت وصال جو آخری کلمہ آپ کی زبان پاک سے نکلا وہ یہ تھا

الصلٰوۃ وما ملکت — نماز کی پابندی کرو اور لونڈی

ایمانکم — غلاموں کا خیال رکھو۔

حضرت زید کے ساتھ آپ کا پدرانہ برتاؤ ہم اوپر ذکر کرچکے ہیں نزول وحی کے بعد مکہ میں آپنے غلاموں کی آزادی کی تعلیم مؤثر الفاظ میں شروع کی سورۃ البلد قدیم کی سورت ہے ارشاد ہوتا ہے۔

---

[۱] ابن قتیبہ الشعر والشعراء

فلا اقتحم العقبة وما ادراك	پس نہ طے کیا گھاٹی کو اور تو کیا
ما العقبة فك رقبة او اطعم	سمجھا کہ گھاٹی کیا ہے۔ گردن (لونڈی
فی یوم ذی مسغبة یتیما ذا	غلام) آزاد کرنی اور کھانا کھلانا مصیبت
مقربة او مسکینا	کے دن میں کسی یتیم قرابتی کو یا محتاج
ذا متربة	خاکسار کو۔

ہجرت کے پہلے ہی سال مدینہ میں جب احکام نازل ہونا شروع ہوئے تو غلاموں کی آزادی کی تعلیم نے بھی تبدیج عملی صورت اختیار کرنی شروع کی اور یہ عین مصلحت تھی کیونکہ یکایک اس رسم کو جو اُس زمانہ میں معاشرت کا جزو لاینفک ہوگئی تھی موقوف کر دینا خرابی کا باعث تھا جس طرح شراب تبدیج منع ہوئی۔

عرب میں جن صورتوں سے انسان کو لونڈی غلام بناتے تھے وہ یہ تھیں۔

(۱) قیدیان جنگ (۲) کسی قبیلہ پر چھاپہ مار کر یا دغا و فریب سے لوگوں کو پکڑ لیجانا پھر فروخت کر ڈالنا (۳) قحط میں یا کسی مصیبت میں اشخاص خود کو یا اپنی اولاد کو فروخت کر ڈالتے تھے۔

آنحضرتؐ نے ان تمام وجوہ کو جنسے غلامی کی رسم بد قوموں میں رائج تھی پیش نظر رکھکر ایک ایسا کلیہ سمجھایا جس سے غلامی کی جڑ کٹ گئی ارشاد ہوتا ہے۔

کلکم عبید اللہ وکل	تم سب مرد خدا کے بندے ہو اور
نساءکم اماء اللہ	تم سب عورتیں خدا کی بندیاں۔

حضرت ابوذر غفاری جو سابقین اولین میں شامل ہیں ایک دن غصہ میں اپنے غلام کو ماں کی گالی دے بیٹھے۔ آنحضرت نے اس موقع پر جو کلمات ارشاد فرمائے وہ یہ ہیں۔

ابوذر انك امرء فيك	اے ابوذر تجھ میں ابتک اثر جاہلیت
جاهلية هم اخوانكم وخوالكم	باقی ہے یہ (غلام) تمہارے بھائی ہیں
جعلهم الله تحت ايديكم	جنہیں خدا نے تمہارے ماتحت کیا ہے
فمن كان اخوه تحت يديه	پس جسکا بھائی اُسکے تحت میں ہو
فليطعمه مما ياكل وليلبسه	چاہئے کہ جو آپ کھائے اُسے بھی کھلائے
مما يلبس ولا تكلفوهم ما يغلبهم	جو آپ پہنے اُسے بھی پہنائے اور اُن کو
فان كلفتموهم فاعينوهم	کام کی ایسی تکلیف نہ دو جو کر نہ سکیں
عليهم	لیکن اگر اتنا کام دو تو خود بھی اُن کی
	مدد کرو۔

ابومسعود ایک دن اپنے غلام کو کوڑے مار رہے تھے۔ آنحضرت نے دیکھا اور آواز دی وہ غصہ میں تھے متوجہ نہوئے دوبارہ اور سہ بارہ آنحضرت نے پکارا پھر قریب آکر فرمایا

ان الله اقدر	بیشک اللہ تجھ پر اس سے زیادہ
عليك منك على هذا	قدرت رکھتا ہے جتنی تو اس غلام پر
الغلام	رکھتا ہے۔

ابومسعود یہ سنکر تھرا گئے کوڑا ہاتھ سے گر پڑا پھر یوں عرض کیا یا رسول اللہ میں اس غلام کو

خدا کی راہ میں آزاد کرتا ہوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اگر تو اُسکو آزاد نہ کرتا تو بیشک آتش دوزخ میں جلتا۔[۱]

تعلیم رسول سے غلامی غلامی نہ رہی

رسول کریم کی ان تعلیمات سے حقیقت یہ ہے کہ غلامی غلامی نہ رہی جیسا کہ قرون اولیٰ کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپ نے مؤثر تعلیمات کے ساتھ عملی پیرایہ بھی اختیار کیا اور اکثر گناہوں کے کفارے میں غلام کا آزاد کرنا شامل کر دیا مثلاً روزہ یا قسم توڑنے یا کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر دینے کی حالت میں۔ اسیطرح غلام کو مکاتب کرنے کا حکم دیا یعنی ایک مقررہ رقم کما کر وہ مالک کو دیں اور آزادی حاصل کریں۔ مصرف زکوٰۃ میں جو ہر مستطیع پر فرض ہے غلام کا آزاد کرنا شامل کر دیا۔ غرضکہ یہ تمام احکام جن پر بغیر تاویل کے ہمیشہ عمل ہوتا رہا رسم غلامی کے مٹانے والے ہیں۔

مسلمانوں میں انما المومنون اخوۃ کی تعلیم نے غلامی کی جڑ کاٹ دی اب رہے غیر مسلم جنکے ساتھ اسیران جنگ کی صورت کے سوا کوئی اور صورت غلام بنا لینے کی جو عہد جاہلیت میں رائج تھی اختیار نہیں کیگئی۔ اسیران جنگ کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا اب اُسپر غور کرو۔ سریہ نخلہ اور اُسکے بعد ہی غزوہ بدر الکبریٰ میں جو قیدی ہاتھ آئے وہ فدیہ لے کر چھوڑ دیے گئے۔ ابو عزہ شاعر جو مفلس تھا احساناً رہا کر دیا گیا۔ یہود بنی قریظہ کا سورخاتمہ اور انکی عورتوں اور بچوں کا افسوسناک انجام خود اُن بدبختوں کے اختیار کئے ہوئے فیصلہ کا نتیجہ تھا جسکی تشریح ہم اوپر کر چکے ہیں۔ اس واقعہ کے بعد جب بنی المصطلق

---

[۱] صحیح مسلم

کے ایک سو خاندان گرفتار ہوکر آئے آپ نے سب کو آزاد کردیا۔ فتح خیبر کے بعد یہود جو بد ترین دشمن تھے غلام نہیں بنائے گئے وہ اپنی ارضی پر بعد صلح قابض رہے اور عبید الارض نہیں بنائے گئے۔ ہوازن کے چھ ہزار قیدی ہاتھ آئے مگر سب کے سب آزاد کردیے گئے اسکے بعد پھر قیدی پکڑے نہیں گئے۔ یہاں تک کہ آپکا وصال ہوگیا۔ سورۂ محمدؐ کی یہ آیت جو یقیناً مدنی ہے:۔

فاما منًّا بعد واما فداء	پھر چاہو احسان کرو بعد اسکے
حتی تضع الحرب	خواہ عوض لے لو یہانتک کہ لڑائی اپنے
اوزارھا۔	ہتیار رکھدے۔

آیت حریت اور باعث رحمت ہے۔

رسم غلامی اور فقہا کی موشگافیاں

کچھ شک نہیں کہ رسول کریم نے مسئلہ غلامی کا حل جس طور سے فرمایا وہ حقیقتاً غلامی کا انسداد تھا اور اگر آپکے اسوۂ حسنہ اور منشائے تعلیم کے مطابق بعد کو عمل ہوتا تو یہ رسم قطعاً مٹ جاتی لیکن خواہشات نفسانی کا بُرا ہو۔ پیروان اسلام نے فقیہانہ موشگافیوں کی آڑ میں عہد جاہلیت کی صورتیں متعلق غلامی دوسرے پیرایہ میں پھر اختیار کرلیں اور استیلاء کے مفہوم میں عجیب و غریب وسعت دے کر ہوس ملک گیری اور تعیش کے جوش میں اشرف المخلوقات کی آزادی کو سلب کرتے رہے۔ زمانہ حال میں اگرچہ غلامی قانوناً موقوف کی گئی اور اُسکا سہرا بعض عیسائی سلطنتوں کے سر ہے جسکے واسطے وہ واقعی مستحق ثنا و صفت ہیں لیکن تمام دُنیا میں اقتصادی کشمکش اور سرمایہ داروں کی دراز دستیوں نے

حسن معاشرت کا گلا گھونٹ رکھا ہے۔ خدا کے غریب بندے بیجا حکم سے ستائے جاتے ہیں اور اُن کو جانوروں سے بدتر سمجھکر آزار پہونچایا جاتا ہے۔

کاش التوائے جنگ کی یادگار دو منٹ کی خاموشی میں اہل دنیا اپنے مشاغل کو ملتوی کر کے آنحضرت کے ان بلیغ الفاظ پر غور کریں:۔

کلکم عبید اللہ — تم سب مرد خدا کے بندے ہو

وکل نساء کم اماء اللہ — اور تم سب عورتیں خدا کی بندیاں۔

حضرت ابراہیم کی ولادت اور چند خانگی واقعات

اولاد نرینہ کی تمنا کس کو نہیں ہوتی۔ انبیا تک نے اسکی دعا کی ہے۔ حضرت زکریا بڑھاپے میں کسقدر گڑگڑا کر درگاہ باری تعالے میں دعا مانگتے ہیں:-

رب انی وھن العظم	خداوندا میری ہڈیاں سست
منی واشتعل الراس شیبا	ہوگئیں اور بڑھاپے سے سر سفید ہوگیا
ولم اکن بدعائك رب شقیا	اور میں تجھے پکار کر محروم نہیں رہا اور
وانی خفت الموالی من ورائی	مجھے اپنے بعد بھائی بندوں سے اندیشہ
وکانت امراتی عاقرا فھب لی	ہے اور میری بی بی بانجھ ہے تو اپنے
من لدنك ولیا یرثنی و	کرم سے مجھے ایک فرزند عطا کر جو
یرث من آل یعقوب واجعلہ	میرا اور اولاد یعقوب کا وارث ہو
رب رضیا (سورہ مریم)	اور خداوندا اسکو چہیتا بنا۔

اسیطرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی پیرانہ سالی میں جب اولاد ہوتی ہے تو یوں شکر کرتے ہیں

الحمد للہ الذی وھب لی	خدا کا شکر ہے جسنے مجھے بڑھاپے
علی الکبر اسمعیل واسحٰق	میں اسمعیل اور اسحق کو عطا فرمایا بیشک
ان ربی لسمیع الدعاء	میرا رب دعا سنتا ہے۔

آنحضرت نے پچیس سال کی عمر میں بی بی خدیجہ سے عقد کیا۔ خدا نے کئی اولاد نرینہ

عطا کیں۔ مگر سب بچپن میں انتقال کر گئیں قسی القلب کفار قریش آپ کو الابتر کہنے لگے کہ اب آپ کے بعد آپ کا نام ونشان باقی نہ رہیگا۔ خدائے کریم نے آپکی تسلی کیلیے سورۂ کوثر نازل فرمائی جس میں ارشاد ہوتا ہے ان شانئك هو الابتر حضرت خدیجہ سے صرف چار لڑکیاں یادگار رہیں۔ زینبؓ، رقیہؓ، کلثومؓ، فاطمہؓ ان میں صرف حضرت فاطمہؓ آپ کی وفات تک زندہ رہیں۔ باقی تین لڑکیاں فتح مکہ تک وفات پا چکی تھیں۔

اولاد نرینہ کی تمنا

حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد آنحضرت نے سودہؓ اور عائشہ سے قبل ہجرت عقد کیا۔ پھر بعد ہجرت مدینہ میں سات سال کے اندر زینب ام المساکین (جنکا عقد کے تین ماہ بعد انتقال ہو گیا) حفصہ، ام سلمہ، زینب بنت جحش، جویریہ، ام حبیبہ، صفیہ، میمونہ کو شرف زوجیت بخشا۔ یہ متعدد شادیاں جن مصلحتوں پر مبنی تھیں انکی طرف ہم اوپر کے صفحات میں اشارہ کر چکے ہیں لیکن ایک دوسری وجہ جس پر ہمارے علما نے غور نہیں کیا یہ بھی تھی کہ آپ کو اولاد نرینہ کی تمنا تھی کیونکہ ماریہ قبطیہ کو جب سنہ ھ میں شرف زوجیت حاصل ہوا اور آغاز سنہ ھ میں وہ حاملہ ہوئیں تو پھر آپ نے کسی عورت سے عقد نہیں کیا ارباب سیر اور مورخین کا بیان ہے کہ ذی الحجہ سنہ ھ میں جب آپ غزوۂ طائف سے مدینہ واپس تشریف لائے خدا نے آپ کو پیری میں ماریہ قبطیہ سے ایک اولاد نرینہ عطا کی جنکا نام آپ نے ابراہیم رکھا۔

عجیب اتفاق ہے کہ جسطرح حضرت سارہ اپنی سوکن ہاجرہ مصریہ کو حاملہ دیکھ کر

اپنے شوہر حضرت ابراہیم سے لڑنے لگیں اور جبتک انکو جنگل میں اسی حالت حمل میں نکلوا نہ دیا دم نہ لیا اسیطرح بعض ازواج مطہرات نے نسوانی فطرت کے اقتضا سے ایسے موقع پر کچھ ایسا طرز عمل اختیار کیا جو انکی شان کے خلاف تھا۔ طبری نقل کرتے ہیں :۔

وغارت نساء رسول اللہ صلی — اور رسول کی بیبیوں کو رشک
اللہ علیہ وسلم واشتدت علیھن — ہوا اور جب اُسکے بیٹا پیدا ہوا تو اُنپر
حین رزقت منہ الولد (جزو سوم صفحہ ۱۳۹) — بہت گراں گزرا۔

ارباب سیر کی روایات قرآن پاک کی روشنی

خود قرآن مجید جسمیں اصلاح عقائد اور تہذیب اخلاق کے ساتھ حُسن معاشرت کی اعلیٰ تعلیم دی گئی ہے رسول اللہ کی خانگی زندگی کے ان واقعات کو نہایت سچائی اور صفائی سے ذکر کرتا ہے لیکن روایت پرستی اور شوق داستان سرائی کا بُرا ہو جسنے ہماری کتب تفاسیر اور احادیث کو تورات اور اناجیل کے قصص بنا کر قرآن پاک کی روشن آیتوں پر پردہ ڈال دیا۔

ذیل میں ہم قرآن پاک کی روشنی میں روایات کے پردہ کو چاک کر کے اصل واقعات بیان کرتے ہیں :۔

(۱)

پہلی روایت واقعہ تحریم کی بحث

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ — اے نبی تو کیوں اُس چیز کو حرام کرتا
لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ — ہے جسے اللہ نے تیرے لیے حلال کی
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ..... — تو اپنے ازواج کی خوشنودی چاہتا ہے

(سورہ تحریم) اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے اور مذکورہ بالا آیات اس وقت نازل ہوئیں جب آپ نے بمقتضائے اس عطوفت اور رافت کے جو اپنے اہل وعیال کیساتھ ملحوظ رکھتے تھے اپنے ازواج کی خوشنودی کیلیے کسی شے کو جو حلال تھی آپ نے قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کر لی اس ذاتی فعل کا اگرچہ تبلیغ احکام سے تعلق نہ تھا لیکن خانگی زندگی کو زیادہ خوشگوار بنانے کیلیے یہ آیات ازواج مطہرات کی صلاح حال کیلیے خصوصاً اور مسلمان بیبیوں کیلیے عموماً نازل ہوئیں۔

ابن سعد اور اُنکے اُستاد واقدی کے نزدیک حضرت حفصہ کی خوشنودی کیلیے آپ نے ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا لیکن امام بخاری نے متعدد ابواب[۵۱] میں صاف لکھا ہے کہ آنحضرت ایکدن حضرت حفصہ کے یہاں وقت معہود سے زائد ٹھہرے کیونکہ عمدہ قسم کا شہد اُنھوں نے آپکے سامنے پیش کیا حضرت عائشہ کو رشک ہوا سودہ اور صفیہ سے کہا کہ جب آنحضرت ہمارے یہاں تشریف لائیں تو ہم سب یہ کہیں کہ آپکے دہن پاک سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ آنحضرت کی لطافت طبع یہ سنکر متحمل نہو سکی۔ فوراً قسم کھالی کہ اب شہد نہ کھاؤنگا۔ زرقانی[۵۲] نے تصریح کی ہے کہ مقوقس نے ماریہ کے ہمراہ مصر صعید کے ایک قریہ بنہا کا مشہور شہد بھی بھیجا تھا جو بطور تحفہ ازواج مطہرات میں تقسیم ہوا تھا۔

لیکن اس معمولی واقعہ کی تہ میں چند اور واقعات تھے جنکی تشریح ضروری ہے۔

۵۱۔ بخاری باب النکاح و باب التفسیر ۵۲ زرقانی جلد سوم صفحہ ۲۶۲

آنحضرت اختیاری فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے اہل وعیال کو بھی ایسی ہی تاکید فرماتے تھے باوجودیکہ روز افزوں فتوحات سے مال غنیمت کا حصہ ملتا تھا لیکن آپ اُسکو اہل وعیال کیلیے بقدر کفاف رکھکر باقی مستحقین اور مساکین کو تقسیم فرماتے تھے۔ فتح خیبر کے بعد آپ نے حضرت صفیہ اور ماریہ قبطیہ کو اپنے ازواج مطہرات میں شامل کیا صفیہ یہودن تھیں اور ماریہ عیسائی اگرچہ دونوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن ان کی قومی خصوصیات کو دوسرے ازواج مطہرات بھول نہیں سکتی تھیں۔ صفیہ تو خیر ایک مشہور یہودی عرب کی بیٹی تھیں۔ لیکن ماریہ بالکل اجنبی تھیں۔ ان کے مقابلہ میں قومی مفاخرت کے جذبہ کو دبانا آسان نہ تھا خاصکر تیز مزاج حفصہ بنت حضرت عمرؓ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہی اسباب تھے جنکی بناء پر آنحضرتؐ نے اگرچہ ازواج کیلیے مسجد کے متصل حجرے بنوا دیے تھے یہانتک کہ صفیہ کیلیے بھی حضرت عائشہ کے حجرے کے متصل جگہ دی گئی تھی ماریہ قبطیہ کی قیامگاہ علیحدہ مقرر فرمائی۔ ابن سعد حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں[1] کہ آنحضرتؐ نے ماریہ کو جو نہایت حسین تھیں حارثہ ابن نعمان کے ایک گھر میں جو ہمارے گھر کے پاس تھا ٹھہرایا تھا بعد ازاں اُن کیلیے شہر کے باہر مقام عالیہ ایک مختصر مکان بنا دیا جسکو مشربہ ام ابراہیم کہتے تھے۔

سنہ ۷ھ میں جب خیبر فتح ہوا اور سالانہ محاصل اراضی آنا شروع ہوئی، آنحضرتؐ نے ہر ایک بی بی کو ۸۰ وسق کھجور اور ۲۰ وسق جو مقرر فرمائے لیکن ان بیبیوں میں

---

[1] طبقات جلد ہشتم صفحہ ۱۵۳

اکثر سردار قبیلہ کی بیٹیاں تھیں جو اپنے گھروں میں ناز و نعمت سے پلی تھیں اسلیے قدرتاً فرغبالی کی زندگی چاہتی تھیں اور توسیع نفقہ کی خواہش ظاہر کرتی تھیں۔ پھر حضرات عائشہ و حفصہ جنکے والدین آغاز نبوت سے آنحضرت پہ جان و مال سے فدا ہے بمقتضائے فطرت نسوانی مشکل سے گوارا کر سکتی تھیں کہ ایک نو وارد مصریہ عورت اُنکے برابر ہو جائے۔ اُسپر طرّہ یہ ہوا کہ اُسی عورت کے بطن سے خدا نے اپنے رسول کو اولاد نرینہ عطا کی جسکے باعث ازواج میں قدرتاً رشک کا شعلہ بھڑک اٹھا لیکن وہ خدا جسنے اپنے رسول کریم کو ایک غریب اندھے مسلمان سے اعراض کرنے پر سورۂ عبس نازل کرکے متنبہ کیا اسیطرح آپکے ازواج مطہرات کی اصلاح قلوب اور تزکیہ نفوس کیلیے سورۂ تحریم میں آیات تخویف نازل کیں۔

آنحضرت نے حفصہ سے کوئی بات چھپا کر کہی تھی انھوں نے عائشہ سے کہدی تعدد ازواج میں ایسی باتیں قدرتاً پیش آتی ہیں۔ قرآن نے اس بات کی تصریح نہیں کی لیکن حفصہ کا یہ فعل کہ اپنے شوہر اور رسول کے خلاف مرضی عمل کیا اور حفصہ اور عائشہ دونوں کا یہ زعم کہ اُنکے والدین جان و مال سے نثار رہے ہیں۔ روحانیت کے عالم میں پسندیدہ نہ تھا اسلیے مادر مومنان کیلیے اس بات کی ضرورت تھی کہ تخویف اور تحذیر کے نشتر سے یہ زہریلا مادہ اُنکے قلوب سے دور کیا جائے۔

افسوس واقدی نے اس نکتہ پر غور نہیں کیا اور داستان سرائی کے شوق اور ہمہ دانی کی دھن میں ایک لغو قصہ بیان کر دیا حالانکہ قرآن مجید نے اس بھید کو

جو حفصہ نے عائشہ سے ظاہر کیا تھا بیان نہیں کیا اور نہ خود ان دونوں بیبیوں نے کسی سے اسکی روایت کی جیسا کہ سلسلہ اسناد دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے اسلیے قصہ رواتیاً اور درایتاً دونوں طور سے ضعیف اور لغو ہے۔

ارباب سیر نے واقدی کے اس بیہودہ قصہ کو اپنی کتابوں میں تکثیر روایات کے شوق میں آنکھ بند کرکے نقل کردیا جس سے مخالفین کو آنحضرت کی خانگی زندگی کو بدنما دکھلانے کیلیے ایک سند ہاتھ آگئی

دوسری روا
انداز رو
متعلق ایا

(۲)

يا ايها النبي قل لازواجك	اے نبی اپنی بیبیوں سے کہدے
ان كنتن تردن الحيوة الدنيا	کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اسکی زینت
وزينتها فتعالين امتعكن	چاہتی ہو تو آؤ تم کو نفع دوں اور اچھی
واسرحكن سراحا جميلا وان	طرح سے رخصت کردوں لیکن اگر تم
كنتن تردن الله ورسوله و	اللہ اور اسکے رسول کو اور دار آخرت
الدار الآخرة فان الله اعد	کو چاہتی ہو تو بیشک اللہ نے تم میں
للمحسنات منكن اجرا عظيما	سے نیک بیبیوں کیلیے بڑا ثواب
(سورہ احزاب)	رکھا ہے۔

طبری اپنی مشہور تفسیر میں قتادہ اور عکرمہ سے نقل کرتے ہیں کہ جس وقت

۱؎ تفسیر ابن جریر سورہ تحریم

یہ آیت نازل ہوئی۔ آنحضرت کی نو بیبیاں تھیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکا شان نزول سنہ ۹ھ کے بعد کا ہے جب بعض ازواج مطہرات ان وجوہ سے جن کی تفصیل ہم اوپر لکھ چکے ہیں آنحضرت کے سکون خاطر میں خلل انداز ہوئیں اور آپ نے ایک ماہ تک سب سے علٰحدگی اختیار کی جسکو ایلا کہتے ہیں۔ یہ ایک ماہ کی جدائی وصال ابدی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اس مدت میں آتش فراق نے لذات فانی کے خس و خاشاک کو جلادیا اور قلوب کو خدا اور رسول کے انوار محبت سے مجلا کردیا جو قت آنحضرت نے ایکماہ کے بعد بالاخانہ سے اُتر کر ازواج کے سامنے دو باتیں پیش کیں کہ یا لذات دنیاوی کی خواہش ہیں تو مجھ سے علٰحدہ ہو کر عزت و احترام کے ساتھ رخصت ہو جاؤ اور یا طلب آخرت اور خدمت دین کیلئے میرے ساتھ سادہ فقیرانہ زندگی بسر کرو تو کسی بیوی نے شق اول کو اختیار نہیں کیا اور خدا اور رسول کی محبت میں دنیائے فانی کی لذات کو قربان کردیا۔

ازواج کے اس ایثار نفس کے صلہ میں حق تعالے نے اپنے رسول کو یوں ارشاد فرمایا۔

لا یحل لک النساء من بعد	نہیں ہیں عورتیں حلال تجھ پر بعد کو
ولا ان تبدل بھن من ازواج	اور نہ یہ کہ بدلے تو ان میں سے بیبیاں
ولو اعجبک حسنھن الا ما ملکت	اگرچہ انکا حسن تجھے اچھا معلوم ہو مگر
یمینک وکان اللہ علی کل	جو ملک یمین ہوں اور اللہ ہر شئے پر
شیء رقیبا (سورۂ احزاب)[1]	نگہبان ہے۔

[1] تفسیر ابن جریر سورۂ احزاب

جو فیصلہ تراضی فریقین سے ہوتا ہے وہ زیادہ خوشگوار اور پائیدار ہوتا ہے۔ اسلیے ازواج کی طرح آنحضرت کو بھی تخییر کی اجازت دی گئی لیکن جب ازواج نے آنحضرت کی خدمت میں رہنا بخوشی قبول کیا۔ تو آپ کو بھی حکم ہوا کہ اب کسی عورت سے عقد نہ کرنا اور نہ اُنکے عوض کسی اور کو لانا۔ چنانچہ آپنے وفات تک اسی پر عمل فرمایا۔

ان تمام حالات پر ایک غائر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تعدد ازواج کی بنا حظ نفس اور تعیش پر نہ تھی ورنہ یہ تخییر اور یہ قیود عمل میں نہ آتے۔ مسلمانوں کو اگرچہ چار عورتوں تک کی اجازت تھی لیکن طلاق دینے کا ان کو پورا اختیار تھا اور دوسری عورتیں اُن کے عوض لا سکتے تھے لیکن آنحضرت کے معاملہ میں یہ بندش تھی کہ کسی حال میں ان بیبیوں کو جن میں جوان بھی تھیں اور بوڑھی نیک مزاج بھی تھیں اور تیز خو علیحدہ نہ کریں۔

ایک دقیق نکتہ

ایک اور دقیق نکتہ بھی ہے جس پر اب تک غور نہیں کیا گیا اور جو خاص طور سے قابل لحاظ ہے۔ سورہ حدید میں حق تعالیٰ پیروان مسیح کے متعلق فرماتا ہے۔

ورهبانية ابتدعوها	اور رہبانیت جو انھوں نے نئی
ما كتبناها عليهم الا ابتغاء	نکالی جسے ہم نے اُنپر نہیں لکھا تھا مگر
رضوان الله فما رعوها	اللہ کی رضامندی کیلیے پس رعایت
حق رعايتها۔	کی اسکی جو حق ہے اسکی رعایت کا۔

عیش و آرام سے اعراض کر کے خدمت دین کیلیے رضائے الٰہی کی خاطر وقف ہو جانا

بڑا کام ہے مگر اسکی رعایت مشکل ہے خاصکر جب جذبہ خدمت رسوم ظاہری کی زنجیروں میں جکڑ دیا جائے۔

دین عیسوی کے سچے راہب چراغ ہدایت اور خلق خدا کیلئے باعث رحمت تھے مگر رسم رہبانیت کا برا ہو جسنے ہزاروں بدنام کنندۂ نکونامے چند پیدا کرکے اسکی اصلی خوبی کو غارت کر دیا۔ اسلام جو تمامتر روحانیت اور خلوص کا حامی ہے رسم رہبانیت کو مذموم قرار دیتا ہے مگر اسکے اصلی جذبہ خدمت اور شیوۂ رضا کی تعریف کرتا ہے۔ سچی رہبانیت

ازواج مطہرات کے سامنے جب آیہ تخییر پیش کیگئی تو ان سبھوں نے خدا و رسول کو دنیائے دنی کے مقابلہ میں اختیار کیا اور خدمت دین اور رضائے الٰہی کیلئے رسول اللہ سے ایسی وابستہ ہوگئیں کہ نہ زندگی میں آپ سے الگ ہو سکتی تھیں نہ بعد وفات کسی اور سے منسلک۔ تاریخ شاہد ہے کہ کس طور سے ازواج مطہرات نے وفات رسول کے بعد اپنے انھیں تنگ و تاریک حجروں میں جو انوار نبوت سے مجلا رہتے تھے شمع ہدایت بنکر حریم ملت کو روشن کیا۔ حضرت عائشہ کا تفقہ اور علمی خدمات حضرت زینب کا زہد و ورع حضرت صفیہ کا صلہ رحم اور جملہ ازواج کا فقرا مساکین اور حاجتمندوں کی امداد میں اپنے آپ کو وقف کرکے خود فقیرانہ زندگی بسر کرنا، یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ امہات مومنین اسلام کی سچی راہبہ تھیں۔

حضرت عائشہ کو چند سال صحبت رسول اللہ کا شرف حاصل رہا عین شباب میں بیوہ ہوئیں اور پھر ۴۸ برس تک زندہ رہیں اس مدت میں نشر دین تشریح احکام

اور حل رموز میں جو خدمات انجام دیں وہ آفتاب کی طرح روشن ہیں باایں ہمہ آپ نے خود اختیاری فقر و فاقہ کی زندگی بسر کی آپ عبداللہ ابن زبیر کی خالہ تھیں۔ ایکمرتبہ عبداللہ نے ایک لاکھ درم آپ کی خدمت میں بھیجے آپنے اُسی دن سب راہ خدا میں صدقہ کردیے اُس روز آپ روزہ سے تھیں شام کو خادمہ نے سوکھی روٹی سامنے رکھی اور کہنے لگی اگر آج کی رقم سے کچھ بچا لیا جاتا تو سالن پیش کرسکتی آپنے فرمایا اُس وقت یاد دلایا ہوتا۔[۱]

حضرت اُم حبیبہ امیر معاویہ کی بہن تھیں جو اسلام کے کسریٰ یعنی مطلق العنان بادشاہ کہلائے اُم حبیبہ چاہتیں تو اپنے بھائی کے پاس دمشق میں سونے کے محل کھڑے کرکے رہتیں لیکن آپنے اپنی اُسی کھجور کی ٹٹی سے بنے ہوئے حجرے میں جہاں سرورکونین کی خدمت کی تھی زہد وعبادت اور خدمت خلق میں ساری زندگی بسر کردی۔

ازواج مطہرات کا جب ایک ایک کرکے انتقال ہوگیا تو ولید ابن عبدالملک نے حجروں کے توڑ ڈالنے اور مسجد نبوی میں شامل کردینے کا حکم دمشق سے بھیجا۔ اُسوقت اصحاب رسول اللہ کی جو اولاد زندہ تھی ان حبط ملائکہ کو ٹوٹتے ہوئے دیکھکر زار وقطار رونے لگی یہاں تک کہ داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں۔ خارجہ ابن زید کہنے لگے کاش یہ یادگاریں منہدم نہ ہوتیں تاکہ لوگ جو عالیشان محل کھڑے کررہے ہیں عبرت حاصل کرتے اور دیکھتے کہ وہ فخر کونین جسکو کلید خزائن دنیا وآخرت عطا ہوئی کسطرح رضائے الٰہی

---

[۱] زرقانی صفحہ ۲۴۳ جلد سوم

کیلیے ان فقیرانہ حجردں میں بسر کرتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح آنحضرت پر نبوت ختم ہوگئی ازواج مطہرات پر وہ سچی رہبانیت ختم ہوگئی جس کی شان یہ ہے:۔

الا ابتغاء رضوان اللہ

غزوۂ تبوک

۹ھ

مدینہ میں آنحضرت کی تشریف آوری کے وقت انصار میں دو شخص دینی اور دنیوی اقتدار کے طالب تھے۔ قبیلہ خزرج میں عبداللہ ابن ابی اپنی تاجپوشی کا منتظر تھا اسیطرح قبیلہ اوس میں ابو عامر جو نصرانی ہوگیا تھا۔ راہب کے لقب سے پیشوائے دین بننا چاہتا تھا مگر دونوں میں سے کسی کی مراد بر نہ آئی۔ ابن ابی نے آخر تک مدینہ میں منافقانہ زندگی بسر کی مگر ابو عامر مع اپنے غلاموں کے مدینہ چھوڑ کر کفار قریش سے ملگیا اور غزوۂ احد میں سب سے پہلے میدان میں یہ سمجھکر آیا کہ انصار اسکو دیکھتے ہی آنحضرت کا ساتھ چھوڑ دینگے لیکن رہبانیت کا جادو اسلام کے شیدائیوں پر چل نہ سکا ابو عامر پسپا ہوا اور پھر ایسا غائب ہوا کہ دوبارہ جنگ حنین میں صورت دکھائی مگر جب وہاں بھی شکست ہوئی تو بھاگ کر شام میں اپنے ہم مذہبوں سے جا ملا اور پوشیدہ طور پر منافقین مدینہ سے سازش کرنے لگا کہ عنقریب افواج قیصر کے ساتھ اسلام کی بیخکنی کو آتا ہوں تم طیار رہو منافقین نے خوش ہوکر ایک علیحدہ مسجد بنائی جو ضرار کے لقب سے بعد کو مشہور ہوئی (اسکا ذکر آگے آئیگا) اور وہ وہ مسیحا کی طرح اسکی آمد کے منتظر تھے۔ ابوعامر راہب

اس زمانہ میں غسانیوں سے جنگ چھڑ چکی تھی (جیسا کہ سریۂ موتہ میں بیان ہوچکا)

ؔ تفسیر ابن جریر سورۂ برات

اب ابو عامر ایسے کینہ ور دشمن کی سازشوں نے لڑائی کی آگ کو اور بھڑکا دیا۔ قیصر روم ہرقل جسنے چند خونخوار معرکوں میں دولت عجم کی درازدستی کا بدلہ لے کر اپنی سلطنت کو پھر قوی کرلیا تھا اگرچہ اپنے تازہ فتوحات اور کثرت افواج کے نشہ میں عربی خطرہ کو کچھ نہ سمجھتا تھا لیکن ایسا غافل بھی نہ تھا کہ کچھ فکر نہ کرتا، حدود شام میں اُسکے ہم مذہب غسانی انکی سلطنت کے قدیم معاون تھے ایسے موقع پر اُسنے اُنکی قوت سے کام لیا اور مدینہ پر حملہ کی طیاریاں شروع ہوگئیں۔ آنحضرت کو جب اسکی طلاع[1] ملی کہ مقدمہ لشکر بلقار تک پہونچ چکا ہے تو مدینہ سے پیش قدمی کرکے جانب شام روانہ ہوئے۔

یاد ہوگا کہ جب یہود خیبر نے غطفان کے زبردست قبیلہ کی اعانت سے مدینہ پر حملہ کی طیاریاں کیں تو آنحضرت اس تیزی سے خیبر پہونچکر غطفان اور یہود کے درمیان حائل ہوگئے کہ دشمن متفقہ طور پر کارروائی نہ کرسکا اس موقع پر بھی آپ ایسے وقت مدینہ سے نکلے جب دشمن کو گمان بھی نہ تھا کہ کوئی صاحب لشکر روانگی کی جرات کریگا۔ جیش العسرۃ

شدت گرما کا زمانہ اور گرمی بھی ریگستان عرب کی جو نمونہ جہنم تھی پھر اُسپر قحط کی مصیبت اور پھر مقابلہ افواج قیصر سے جنھوں نے فرکیانی اور دولت عجم کو خاک میں ملا دیا تھا۔ غرض یہ سخت آزمائش کا وقت تھا۔ منافقین کی اس موقع پر ساری قلعی کھل گئی اور وہ طرح طرح کے حیلے کرکے پیچھے رہ گئے۔ کسی نے کہا اس موسم میں جبکہ آگ برس رہی ہے کیسے سفر کریں۔ کسی نے کہا گھر بار کس پر چھوڑیں۔ ایک منافق جد ابن قیس

---

[1] ابن سعد طبقات جلد دوم صفحہ ۱۱۹

کہنے لگا مجھے تو نہ لے جائیے مجھے اپنے نفس پر قابو نہیں کہیں حسینان روم کو دیکھ کر فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ غرضکہ منافقین اس طور سے پیچھے رہ گئے لیکن وہ خدا جس نے غار ثور میں دشمنوں کے مقابلہ میں تسلی دی تھی اب ایک زبردست سلطنت کے مقابلہ میں معین و یاور ہو گیا۔

اِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ	اگر اسکی مدد نہ کرو گے تو اللہ
اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	نے اسکی مدد کی جب کافروں نے اسکو
ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ	نکالا۔ دوسرا تھا دو کا جب دونوں
يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ	غار میں تھے جب کہا اس نے اپنے ساتھی
مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَ	سے غم نہ کھا بیشک اللہ ہمارے ساتھ
اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ	ہے پس اللہ نے اسپر سکینہ اتارا اور
كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَ	مدد دی اسکو ایسے لشکر سے جو نظر نہ
كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ	آیا اور کافروں کی بات نیچی کر دی اور
عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ	اللہ کی بات اونچی ہے اور اللہ غالب
(سورہ برات)	حکمت والا ہے۔

اصحاب فداشعار جان و مال سے حاضر ہوئے۔ حضرت عثمان نے جو نہایت متمول تھے تین سو اونٹ پیش کئے۔ حضرت عبدالرحمن ابن عوف نے چار ہزار درم دیئے۔ ابو عقیل

لہ واقدی نے اسی روایت کو مسخ کرکے بیان کیا ہے جیسا کہ ہم آغاز کتاب میں بیان کر چکے ہیں۔

بیچارے مفلس تھے مزدوری کر کے ایک صاع چھوہارے لاکر پیش کئے منافقین ہنسنے لگے مگر آنحضرتؐ نے اس غریب مجاہد فی سبیل اللہ کی ہمت افزائی کر کے چھوہارے صدقات پر پھیلا دیے۔ غرضکہ اصحاب نے اس طور سے مدد دی لیکن پھر بھی عسرت کا سامنا تھا اکثر جانبازوں کیلیے سامان سفر نہ ہو سکا ان مجاہدوں نے اجسام کے عوض اپنے بیتاب دلوں کو آنسوؤں کی فوج کے ساتھ روانہ کیا۔

ابن اسحٰق لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ تیس ہزار کی جمعیت سے نکلے۔ عبداللہ ابن ابی اپنے گروہ کے ساتھ باہر نکلا مگر جس طرح غزوۂ احد میں عین موقع پر الگ ہو گیا تھا اُسوقت بھی فوج مجاہدین میں بددلی پھیلانے کیلیے پیچھے لوٹ آیا لیکن سچے جانبازوں کو پھر بھی جنبش نہ ہوئی۔

حضرت علی کی حضرت ہارون سے تشبیہ

آنحضرتؐ نے اس مرتبہ بعد مسافت اور خطرناک جنگ کی اہمیت کے لحاظ سے حضرت علیؓ کو اپنے اہل و عیال کی حفاظت اور منافقین کی روک تھام کیلیے مدینہ میں چھوڑا۔ لیکن جب منافقین نے طعنہ دیا تو حضرت علیؓ مسلح ہو کر خدمت پاک میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آج تک ہر موقع پر جاں نثاری کیلیے حاضر رہا اب اس مرتبہ کیوں محروم رکھا جاتا ہوں آنحضرتؐ نے فرمایا:-

الا ترضی ان تکون منی	کیا تو اسپر راضی نہیں کہ مجھکو میرے
بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا	ساتھ ایسی نسبت ہو جیسے ہارون کو
انہ لیس نبی بعدی	موسے کے ساتھ مگر یہ کہ میرے بعد

(بخاری کتاب المغازی)　　کوئی نبی نہ ہوگا۔

حضرت ہارون اور اُن کی اولاد میں امامت مخصوص تھی اسی نسبت کی طرف حوالہ دیا ہے۔ ایک اور نکتہ بھی ہے۔ جو بطور پیشین گوئی کے تھا حضرت موسےٰ جب احکام تورت کیلئے کوہ طور پر تشریف لیگئے اور اپنی جگہ ہارون کو مقرر فرمایا تو بنی اسرائیل نے سامری کے بہکانے سے گوسالہ پرستی شروع کی حضرت موسےٰ نے واپس ہوکر ہارونؑ باز پرس کی وہ کہنے لگے میں اس خیال سے کہ قوم میں تفرقہ نہ پڑجائے خاموش رہا حضرت علی نے بھی اسیطرح اُمت میں تفرقہ مٹانے کے خیال سے جنگ صفین میں جب کہ دشمنوں کا قلع وقمع ہورہا تھا صفوف اعدا میں کلام مجید کو نیزوں پر بلند دیکھکر لڑائی موقوف کرادی اور تحکیم پر راضی ہوگئے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اُمت میں ایسا تفرقہ پڑا جسنے ملت بیضا کو دو ٹکڑے کرکے کمزور کردیا۔

غسانیوں کا مرعوب ہونا

الغرض رجب ۹ ھ میں آنحضرت فوج اسلام کو جس میں قبائل عرب کی بھی تعداد شامل تھی لئے ہوئے سرحد شام کیطرف بڑھے اور چودہ منزل پر ایک مقام پر جسکا نام تبوک تھا ٹھہر گئے اور بیس دن تک قیام فرمایا۔ اس اچانک فوجکشی نے نہ صرف غسانیوں کو مرعوب کردیا بلکہ قرب وجوار کے عیسائیوں نے بھی اطاعت کا اظہار کیا، ایلہ کا سردار یوحنا اور اسیطرح جرباء اور اذرح کے عیسائیوں نے اسلام کی ذمی رعایا بنکر رہنا قبول کیا۔ آنحضرت نے اُن کو ایک تحریر لکھدی جسکو ابن اسحق نے اسطرح سے نقل کیا ہے۔

آنحضرت کی تحریر امن

(ترجمہ) اللہ اور اسکے رسول محمد کی طرف سے یوحنا بن رویہ اور باشندگان ایلہ

کے واسطے یہ عہد نامہ لکھا جاتا ہے مقیم و مسافران بحر و بر کیلیے خدا اور اُسکے
رسول کی یہ ذمہ داری ہے اور اُسکے ساتھ جو لوگ شام مین اور ساحل بحر
پر آباد ہیں۔ اس عہد نامہ کی جو کوئی خلاف ورزی کریگا اُسکو اسکی دولت
بچا نہ سکے گی اور جو لوگ اسکی پابندی کرینگے اُن کو بہتری ہے۔ کسی کو یہ
جائز نہیں ہے کہ ان لوگوں کو اُن چشموں پر جانیسے منع کرے جہاں وہ جایا کرتے
ہیں یا خشکی و تری کے راستوں پر جانے سے اُنھیں روکے ''

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تجارت کی آزادی اور قبائل کی بے روک ٹوک نقل و حرکت کیلیے بھی آنحضرت نے پیشقدمی فرمائی تھی۔ ملک شام کے ساتھ عربوں کے گہرے تعلقات تھے جسکے لیے ضروری تھا کہ سرحدی قبائل سے صلح رہے اور امن و امان قائم رہے۔

دوران قیام میں آنحضرت نے خالد کو چار سو آدمیوں کے ساتھ اکیدر والی دومۃ الجندل کی طرف جو دمشق سے پانچ منزل ہے بھیجا۔ اتفاق سے وہ شکار کیلیے چند آدمیوں کے ہمراہ قلعہ سے باہر نکلا تھا۔ خالد نے فوراً حملہ کر کے اسکو گرفتار کر لیا اور آنحضرت کی خدمت میں لائے۔ آپ نے اسکو معاہدۂ صلح کر کے چھوڑ دیا۔ ابن اسحق لکھتے ہیں کہ اکیدر جس وقت حاضر ہوا ایک نفیس قبائے رومی پہنے ہوئے تھا جسکو مسلمان مس کر کے تعجب کے ساتھ تعریف کرنے لگے۔ آنحضرت نے یہ دیکھکر فرمایا سعد ابن معاذ کو خدا نے جنت میں اس لباس سے کہیں بہتر پوشاک عطا فرمائی ہے۔ یہ اس تعلیم کا

اثر تھا کہ خلفائے راشدین قیصر و کسرے کے خزائن پر قبضہ کرکے بھی خرقہ پوش رہے اور لباس تقوی پہنے ہوئے فردوس بریں کو سدھارے۔

مسجد ضرار

تبوک سے واپس ہو کر آنحضرت جب مدینہ کے قریب آئے تو منافقین کی سازش اور نفاق انگیزی کے دفعیہ کیلیے اُس مکان کو جسے اُنھوں نے مذہب کی آڑ پکڑ کر خانۂ خدا کے نام سے مشہور کیا تھا مسمار کرا دیا جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے:۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا	اور جنھوں نے بنائی مسجد ضرار
ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	اور کفر اور پھوٹ ڈالنے کیلیے مسلمانوں
وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	میں اور کمیں گاہ بنانے کو اسکے لیے
مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ	جو پہلے سے اللہ اور اُسکے رسول سے لڑا
اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ	اور البتہ قسمیں کھاتے ہیں کہ نہیں چاہی
لَكٰذِبُوْنَ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا	ہم نے مگر نیکی اور اللہ گواہی دیتا ہے
(سورۂ براءت)	کہ وہ جھوٹے ہیں۔ تو اس میں کبھی کھڑا ہو

اسلام روحانیت کا حامی ہے اشکال و افعال اگرچہ دینی لباس میں بھی نظر آئیں لیکن اگر خلوص سے معرا ہیں اور روحانیت سے دور تو بالکل بیہودہ ہیں۔ مساجد خدائے واحد کی عبادت اور برادران دین میں باہمی محبت و اخوت کیلیے ہیں لیکن اگر نام و نمود تشخص اور فرقہ بندی کیلیے ہوں تو اُنکی ظاہری شکل پر فریب کھانا چاہیے وہ اصل میں خبث باطنی کی ظاہری علامات ہیں جنکا مٹانا لازمی ہے جیسا کہ اس مسجد ضرار کے ساتھ کیا گیا۔[۱]

[۱] ابن ہشام جزو ثالث صفحہ ۲۴۴

وفود کی آمد

ہجرت سے پیشتر آنحضرت باوجود قریش کی بیجا مداخلت اور ایذا کے موسم حج میں قبائل عرب کے سامنے جب وہ زیارت کعبہ کیلیے مختلف مقامات سے آتے تھے تبلیغ دین فرماتے تھے لیکن بعد ہجرت جب قریش نے جنگ چھیڑ دی اور مکہ میں آنحضرت اور مسلمانوں کا آنا بند ہوگیا تو وہ ذریعہ جاتا رہا۔ چھ برس کی مسلسل جنگ کے بعد جب قریش کا زور ٹوٹا شہ میں مکہ فتح ہوگیا۔ اور کعبہ جو عرب کا قبلہ عبادت تھا۔ بتوں کی آلائش سے پاک ہو کر خدائے واحد کا گھر بنگیا تو قبائل عرب جو فیصلہ کے منتظر تھے اسلام کیطرف رجوع ہوئے اور ۹ شہ کے آغاز میں اپنے اپنے وفد اظہار اطاعت اور قبول دین کیلیے آنحضرت کی خدمت اقدس میں بھیجنے لگے۔

وفد طائف

رمضان کے آخر میں جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے تو اس مغرور اور قلعہ بند شہر نے جنے قبل ہجرت آپ کے ساتھ نہایت بُرا برتاؤ کیا تھا اور بعد ہجرت محصور ہو کر فتح نہیں ہوا تھا اب دین حق کی کشش سے اپنا وفد آپکی خدمت میں بھیجا۔

ابن اسحق کا بیان ہے کہ عروہ بن مسعود مشہور سردار طائف آنحضرت کی خدمت میں شہ کے محاصرہ اُٹھ جانے کے بعد حاضر ہوئے اور ایمان لاکر اپنی قوم میں واپس جاکر تبلیغ دین میں مشغول ہوئے لیکن جسطرح حضرت عیسے کے حواری سیمن کو انطاکیہ والوں نے دعوت دین دینے پر شہید کرڈالا تھا عروہ کو بھی اُنکی قوم نے تیروں کا نشانہ بنایا لیکن خون شہدا آخر رنگ لاتا ہے۔ قوم کو اس فعل پر ندامت ہوئی اور یہ دیکھکر کہ اسلام روز بروز قوی ہورہا ہے اور رومیوں کے مقابلہ میں بھی آنحضرت تبوک سے بخیر وعافیت

واپس تشریف لائے ایک وفد آپ کی خدمت میں روانہ کیا جس کا سردار عبدیالیل تھا
آنحضرتؐ نے ناحیہ مسجد میں اُن کیلئے خیمے نصب کرائے تاکہ برکات اسلام کو
اپنی آنکھوں سے دیکھیں خالد بن سعید بن العاص مہمانداری اور گفت وشنید کیلئے مقرر ہوئے
آخر وفد نے اسلام قبول کیا مگر دو شرطیں پیش کیں۔

اوّل یہ کہ بُت اعظم لات تین سال تک محفوظ رہے اسمیں اُنھوں نے یہ مصلحت بیان
کی کہ عوام اور عورتیں اُسکی پوجا میں اسقدر منہمک ہیں کہ یکایک ایسی کارروائی مناسب نہو گی۔

دوم۔ نماز معاف کر دیجائے۔ طائف میں انگور وغیرہ میوے کثرت سے ہوتے ہیں یہ
لوگ بڑے شرابخوار تھے اُسپر متکبر۔ خاک پر سر رکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔

سوم۔ وج کا جنگل اُن کے واسطے محفوظ کر دیا جائے۔

آنحضرتؐ نے درخواستوں کو سنکر فرمایا اس دین میں کچھ خیر نہیں جسمیں نماز نہو۔ بُت کے
متعلق بھی درخواست قبول نہیں ہو سکتی کیونکہ ایسی خواہش ایمان کامل کیلئے سنگ راہ ہے
اور معبود حقیقی سے اعراض۔ تب اُنھوں نے کہا ہم اپنے ہاتھوں سے اپنے معبود کو کیسے توڑیں
آنحضرتؐ نے تب غزوۂ اُحد میں ہُبل کی جے پکارنے والے کو جواب اثرۂ اسلام میں داخل
تھا یعنی ابوسفیان کو بہمراہی مغیرہ اس کام کیلئے مقرر فرمایا۔ بتخانہ سے زر و زیور جو کچھ
برآمد ہوا وہ شہید ملت عروہ بن مسعود ثقفی اور اُنکے بھائی کے قرض میں ادا کیا گیا۔ وج کے
جنگل کیلئے آنحضرتؐ نے ایک تحریر اُنکو لکھدی کہ اُسکے درخت نہ کاٹے جائیں اور نہ جنگل کے
جانور ستائے جائیں۔[1]

[1] ابن ہشام جز ثالث صفحہ ۲۰۳

حج بیت اللہ

بیت العتیق یعنی کعبہ اور بیت المقدس نسل ابراہیمی کے دو گھر تھے جو دنیا میں خدائے واحد کی عبادت کیلیے مخصوص تھے جیسا کہ ہم نے آغاز کتاب میں بیان کیا ہے یہ دونوں گھر قومی اجتماع کے مرکز تھے جہاں قربانیاں ہوتی تھیں جنسے دینی اور دنیوی فائدے حاصل کئے جاتے تھے۔ اس موقع پر پہلے رسم قربانی کی ایک مجمل تاریخ بیان کی جاتی ہے۔

رسم قربانی آغاز تمدن سے پیشتر جب انسانی جتھے گلہ بانوں کی خانہ بدوشانہ زندگی بسر کرتے تھے تو خون کا تعلق ایک ایسا مستحکم ذریعہ تھا جس پر افراد کا تحفظ بلکہ خود قبیلہ کی زندگی کا انحصار تھا مثلاً اگر ایک فرد کو اُسکے مخالف نے مار ڈالا تو مقتول کا سارا قبیلہ خون کا بدلہ لینے کو تیار ہو جاتا تھا اور جبتک قاتل کو یا قاتل کے قبیلہ کے کسی فرد کو جلد یا بدیر موقع پاکر قتل نہ کر لیتے تھے چین سے نہ بیٹھتے تھے۔ معاشرت کے اس طرز عمل نے جو اس دور توحش میں حفاظت انسانی کیلیے گویا ایک زبردست گورنمنٹ تھی۔ مذہبی خیالات پر بھی اپنا اثر جمایا جسکا عملی اظہار قربانی سے ہوتا تھا۔

قدیم انسان کسی درخت کے نیچے یا چشمے کے قریب اپنے گلے سے جانور چن کر اُسکا خون کسی پتھر پر چھڑک کر معبود کے نذر کرتا تھا پھر تھوڑا خود بی لیا یا اپنے اوپر چھڑک لیا۔ اسطور سے یہ سمجھتا تھا کہ عابد و معبود سے خون کا تعلق پیدا کرکے اُسکی حفاظت میں آ گیا رفتہ رفتہ خون معبود کیلیے مخصوص ہو کر پتھروں کے ڈھیر میں جمع ہونے لگا اور گوشت

تقسیم ہوکر کھالیا جاتا تھا۔ پتھروں کے یہ ڈھیر یا ستون قربانگاہ کہلاتے تھے جنکی تعظیم وتکریم کیجاتی تھی۔

بنی اسرائیل اور قربانی

بنی اسرائیل میں یہ قدیم دستور تھا کہ بن تراشا ہوا ایک پتھر بطور ستون قائم کرتے تھے جو مذبح کہلاتا تھا حضرت ابراہیم اور آپ کی اولاد واحفاد نے اسی قسم کے ستون بیت ایل اور بیت شیخ وغیرہ مقامات میں قائم کئے تھے[1]۔ ان بزرگوں نے مختلف مقامات پر ادائے شکریہ تجدید عہد کیلیے پتھر بطور مذبح نصب کرکے خدائے واحد کے نام پر قربانی کرنے کی رسم جاری کی تھی لیکن اسیری بابل سے نجات پاکر جب بنی اسرائیل نے بیت المقدس کو دوبارہ تعمیر کیا تو دیگر مقامات پر قربانی بند ہوگئی اور خاص ہیکل سلیمانی کے سامنے عجیب وغریب رسوم وقواعد کے ساتھ یہ رسم عمل میں آنے لگی جسکی تفصیل یہ ہے:۔

اوّل "علا" یعنی قربانی سوختنی جسکا طریقہ یہ تھا کہ گائے بیل بھیڑ بکری وغیرہ میں سے جس میں کسی قسم کا عیب نہو ہیکل کے سامنے لاتے تھے۔ قربانی کرنے والا پہلے اپنا ہاتھ اُسکے سر پر رکھتا تھا پھر ذبح کرکے اور کھال کھینچ کر عضو عضو جدا کرتا تھا، جسقدر خون ہوتا تھا اُسکو کاہن جمع کرکے مذبح کے ہر طرف چھڑکتے تھے اور قربانی کو جلا ڈالتے تھے جس کی بو یہواہ کو پسند تھی۔ (توریت کتاب احبار ۱)

دوم "حطہ" یعنی کفارہ ذنوب جسکا طریقہ یہ تھا کہ گنہگار ایک بے عیب جوان بچھڑا اور اگر مقدرت نہو تو دو قمریاں ہیکل کے سامنے لاتا تھا اور اُسکے سر پر ہاتھ رکھ کر

[1] توریت کتاب پیدائش ۱۲/۸ و ۲۸/۱۸ کتاب خروج ۲۴/۴

ذبح کرتا تھا پھر کاہن ذبیحہ کا کچھ خون لے کر اور اپنی انگلی لہو میں ڈبو کر حرم کے اندر یہوواہ کے خاص الخاص پردے پر سات مرتبہ چھڑکتا تھا۔ پھر بقیہ خون مذبح کی شاخ نما کونوں پر لگا کر جڑ میں ڈال دیتا تھا۔ پھر کلیجی گردے اور چربی مذبح پر بشکل قربانی سوختنی جلاتے تھے بلحاظ گوشت وغیرہ ہیکل کے باہر جہاں راکھ کا ڈھیر پڑا تھا جلا ڈالتے تھے۔ جماعتوں کے گناہ کا کفارہ بھی اسیطرح ادا ہوتا تھا۔

سوم "شلم" یعنی سلامتی کی قربانی اس میں جانور اور کھیت کی پیداوار دونوں شامل تھے۔ جانور کا خون مذبح پر چھڑکتے تھے، چربی جلا ڈالتے تھے اور گوشت کے کھانے کی اجازت تھی۔ میدہ تیل سے تر کیا ہوا یا فطیری روٹیاں تیل چپڑی ہوئی یا خمیری کلچے کاہن کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ کاہن ان میں سے تھوڑا لے کر پہلے مذبح پر قربانی سوختنی کے طور پر جلاتا تھا۔ پھر بقیہ اپنے صرف میں لاتا تھا۔ (کتاب احبار باب اول تا ہفتم)

آخر ان خون آلودہ رسموں کے ختم ہونیکا وقت آگیا۔ خداوند یہوواہ کا شعلۂ غضب بھڑکا۔ رومیوں نے سنہ ۷۰ء میں بیت المقدس کو جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا۔ یہود جلا وطن کئے گئے۔ اور اقصائے عالم میں منتشر ہو گئے۔ قربانیاں جو خاص بیت المقدس کے سامنے ہوتی تھیں موقوف ہو گئیں لیکن دنیائے مذہب کی نیرنگی دیکھو کہ یہود کی قربانیوں کی مردہ رسم عیسائیوں کے عقیدہ کفارہ کی شکل میں زندہ ہو گئی جس کی تفصیل یہ ہے:۔

مذکورہ بالا تین قربانیوں کے سوا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ ہر سال کاہنوں کا امام جملہ بنی اسرائیل کے ہر قسم کے گناہوں کا بار ایک بکرے کے سر پر اپنا ہاتھ پھیر کر رکھ دیتا تھا

پھر وہ بکرا بنی اسرائیل کے گناہوں کا بوجھ اُٹھائے ہوئے ویران جنگل میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔

سینٹ پال کی تعلیم

عیسائیوں نے جب سینٹ پال کی تعلیمات سے حضرت مسیح کو ابن اللہ یقین کیا تو آپ کے مصلوب ہونیکے واقعہ کو آسمانی قربانی سے تعبیر کیا اسطور سے کہ خدا کی صفت عدل اسکی مقتضی تھی کہ گنہگار کو سزا دے اور چونکہ تمام بنی آدم گناہ اولیں کے اثر سے مستحق عذاب ہیں یہانتک کہ مسیح سے پہلے جتنے نبی آئے سب (معاذ اللہ) چور و رہزن تھے (انجیل یوحنا ۱۰/۸) اسلیے خدا کی دوسری صفت رحم نے جوش میں آکر اپنے اکلوتے بیٹے مسیح کو جو گناہوں سے پاک تھا مجسم کر کے دنیا میں بھیجا تاکہ وہ بطور فدیہ پیش کیا جائے اور بنی آدم کے گناہونکا بوجھ اُٹھا کر اپنے جسم کے خون سے کفارہ ادا کر کے نجات دلائے اس عقیدے کے عملی اظہار کیلیے گرجا میں قربانگاہ بنانیکا قاعدہ مقرر ہو گیا۔ جہاں قربانی کی قائم مقام رسم عشاء ربانی قرار دیگئی۔ سینٹ پال لکھتے ہیں۔

رسم عشاء ربانی

"مجھے یہ روایت خداوند مسیح سے ملی جسے میں تم سے بیان کرتا ہوں، خداوند یسوع نے اس رات کو جس میں مخبری کی گئی روٹی لے کر اور اُسے شکر کے بعد توڑی اور کہا "لو اسے کھاؤ یہ میرا جسم ہے جو تمہارے واسطے توڑا جاتا ہے بطور یادگار ایسا تم بھی کرنا۔ اسی طرح پیالہ لیا اور اُس میں سے تھوڑا سا پی کر کہا یہ پیالہ میرے خون کا عہد جدید ہے جب کبھی پینا میری یاد میں ایسا ہی کرنا"

(نامہ اول کارنتھیان ۲۳/۱۱–۲۵)

دوسری صدی عیسوی کا اسقف جسٹن جسکا لقب شہید ہے اس رسم نو ایجاد کے معنی

یوں سمجھا ہے۔

"یہ روٹی اور پانی معمولی نہیں جس طرح ہمارا نجات دہندہ کلمۃ اللہ ہمارے واسطے پیکر انسانی میں جلوہ گر ہوا اسیطرح ہم یقین کرتے ہیں کہ یہ متبرک روٹی اور پانی مسیح کا خون اور گوشت بن کر ہمارے جسموں میں تحلیل ہوجاتے ہیں"

(کتاب اعتذار باب ۶۵)

عیسائیوں میں ابتک یہ رسم اصول دین میں داخل ہے مسئلہ تثلیث کیطرح یہ مسئلہ بھی معرکۃ الآرا اور پراسرار بنکر امت مسیح میں تفرقہ انداز ہوگیا ہے۔ پانی کے عوض اب شراب مستعمل ہے اور اب یہی خون دخت رز ہے جسے "خداوند کے اکلوتے بیٹے" کے خون سے مشابہ سمجھکر استعمال کرتے ہیں کیا عجیب بات ہے کہ جس طرح قدیم انسان نے خون کو عبد و معبود کے درمیان رشتہ تعلق قرار دیا ہے اسیطرح اس دور تہذیب میں بھی خیالات کا رنگ وہی ہے اگرچہ مہذب پیرایہ میں اس رسم کو پُراسرار طریقہ سے ادا کرتے ہیں اور "خداوند کے اکلوتے بیٹے" سے اتحاد اور تعلق پیدا کرکے طالب نجات ہیں۔

حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں رسم قربانی اپنی سادہ حالت میں عرصہ تک جاری رہی لیکن جس طرح بُت پرستوں کی تقلید میں اہل کتاب راہ حق سے بہک گئے اسیطرح بنی اسمٰعیل نے مشرکین عرب کی آمیزش سے بنائے ابراہیمی یعنی کعبہ میں جاہلانہ رسمیں جاری کردیں بیت اللہ بیت الصنم بن گیا اور قربانی کیلیے جابجا ستون نصب ہوئے بتوں کے نام سے قربانیاں ہونے لگیں اور خون کعبہ کی دیواروں پر چھڑکنے لگے۔ موسم حج میں قبائل عرب

دور دراز مقامات سے آتے تھے اور کعبہ کے گرد ننگ دھڑنگ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہوئے پھرتے تھے جیسا کہ اب بھی بت پرستوں میں دستور ہے۔

قرآن مجید اور قربانی

قربانی کے متعلق ایسی جہالت کی رسمیں جاری تھیں جنکی باعث عبد و معبود کے تعلق پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ اب دیکھو قرآن نے کس طور سے یہ پردہ اٹھایا۔

ولکل امۃ جعلنا منسکا	اور ہر امت کے واسطے ہم نے
لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقھم	طریق عبادت بنایا تاکہ تم اللہ کا نام
من بھیمۃ الانعام فالٰھکم	واسپر جو ہم نے چارپایوں میں سے دیے
الٰہ واحد فلہ اسلموا و	پس معبود تمہارا خدائے واحد ہے اسی
بشر المخبتین	کے فرماں بردار بنو اور عاجزوں کو
....	بشارت دو ....
لن ینال اللہ لحومھا ولا	نہ پہنچے گا اللہ کو اسکا گوشت اور
دماؤھا ولکن ینالہ التقوی	خون لیکن پہنچے گا تمہارا تقوی جنے
منکم کذلک سخرھا لکم	اسکو تمہارا مطیع کیا تاکہ تم اللہ کی بڑائی
لتکبروا اللہ علی ما ھدٰکم	کرو کہ تم کو اسنے ہدایت دی اور
وبشر المحسنین (سورۃ الحج)	خوشخبری دے نیکوں کو۔

قدیم الایام سے قربانی کی بنیاد معبود سے تقرب، حصول رضامندی اور اظہار تشکر پر قائم ہے ہر قوم کے مناسک ہیں جو انکے جدا گانہ طرز معاشرت اور

طریق ماندو بود کے آئینہ تھے یہی جذبات اصل اصول رہے ہیں اسلئے پہلے اُنکی طرف ذہن منتقل کیا پھر معاً اُس منظر سے جبکہ ایک حیوان دوسرے حیوان ناطق کیلیے فدا ہورہا ہے متاثر ہونے کی تنبیہ کی تاکہ وہ حیوان ناطق بھی اپنے قادر مطلق کی بجاآوری احکام کیلیے ہروقت مستعد اور "خنجر تسلیم" سے ذبح ہونے کیلیے طیار رہے فلما اسلما سے یہی مراد ہے۔ پھر قربانی کا مصرف سکھایا کہ جب شکر نعمت اور حصول تقرب کے لیے جانور ذبح کیا تو اُسکا گوشت غربا اور مساکین کو کھلاؤ اور خود کھاؤ۔ وہ ذات پاک جیسا کہ اُسوقت تک لوگ سمجھتے تھے گوشت اور خون نہیں چاہتا وہ صرف تمہارے قلوب دیکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ تم میں تقوے کی روح پیدا ہو۔

یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ نسل انسانی کے آغاز سے قربانی کی قبولیت کے لیے تقوے کی شرط لگائی گئی تھی جیسا کہ قصہ ہابیل و قابیل میں مذکور ہے اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ اب دور آخر میں ختم رسل صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے پھر اُسی شرط کا اعادہ فرمایا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ جس سے قربانی کے متعلق مشرکین اور اہل کتاب کے عقائد باطلہ اور رسوم واہیہ کا ابطال ہوگیا۔

کعبہ میں سنت ابراہیمی کی تجدید

قریش نے بُت پرستی کے رسوم اختیار کرکے حج کو جو سنت ابراہیمی اور طواف وقربانی پر مبنی تھا مسخ کردیا تھا۔ خدائے واحد کا گھر معبد اصنام بن گیا تھا جہاں تین سو ساٹھ بُت نصب تھے چھت پر عقیق سرخ کا ترشا ہوا ایک بڑا بت ہبل تھا حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کی تماثیل دیواروں پر اور ایک کونے میں وہ پتھر جسپر حضرت ابراہیم نے بطور نشان حج

قائم کیا تھا (جسے اب سنگ اسود کہتے ہیں) اور صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پر اُساف اور نائلہ دو بُت تھے۔

آنحضرت نے آغاز نبوت سے بُت پرستی کی بُرائی بتانا شروع کر دی تھی لیکن قریش نے نہ مانا جسکا اثر یہ ہوا کہ قبائل عرب بھی جو باہر سے حج کرنے آتے تھے اُن میں بھی یہ رسم برجاری رہی۔ ہجرت کے بعد جب جنگ کا سلسلہ شروع ہوا اور قریش اور قبائل عرب کی قوت غزوۂ احزاب کے بعد مضمحل ہو گئی تو آنحضرت نے ۶ھ میں حج بیت اللہ کا قصد کیا لیکن جیسا کہ صلح حدیبیہ میں مذکور ہو چکا اُس سال حج نہو سکا ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد صورت معاملات بدل گئی۔ مکہ پر آنحضرت کا قبضہ ہو گیا کعبہ پر علم توحید نصب ہوا اور قریش دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اسلیے ضرورت پیش آئی کہ بیت اللہ میں مشرکانہ رسوم بند کر دیے جائیں اور سُنت براہیمی اور یادگار اسمعیلی کی تجدید کیجائے

غزوۂ حنین میں ہم لکھ چکے ہیں کہ فتح مکہ کی خبر سُنکر ہوازن کا زبردست قبیلہ کس طرح بُت پرستی اور شعار جاہلیت کی حمایت میں حملہ آور ہوا تھا لیکن اُنکی شکست نے حامیان بُت پرستی کی کمر توڑ دی تاہم صلح حدیبیہ میں چونکہ یہ طے پایا تھا کہ قبائل عرب کو اختیار ہے خواہ آنحضرت کے شریک ہیں خواہ قریش کے اسلیے وہ قبائل جو قریش کے شریک تھے معاہدے کی رو سے ایام حج میں اپنے رسوم قبیحہ کو کعبہ میں بجالاتے تھے اور چونکہ کعبہ تمام عرب کا مذہبی مرکز تھا اسلیے دوسرے قبائل بھی مداخلت کا دعویٰ کرتے تھے۔ قریش نے بدعہدی کر کے صلح حدیبیہ کو توڑ دیا تھا

اور اگرچہ اُنکی بدعہدی کا اثر اُن کے حلفاء پر بھی پڑتا تھا لیکن آنحضرت چونکہ معاہدات کی نہایت پابندی کرتے تھے اسلیے ان پیچیدہ صورت معاملات کو از سر نو سُلجھانے کی ضرورت پیش آئی۔

تبوک سے واپس آکر آنحضرت نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مع قربانی کے بیس اونٹوں کے مکہ معظمہ روانہ کیا اور مناسک حج ادا کرنے کیلیے حضرت ابو بکر کو قافلہ سالار مقرر کیا! اور معاہدات کے متعلق حضرت علی کو حکم دیا کہ مجمع کے سامنے سورۂ برات کی ابتدائی تیس آیتیں بالاعلان سُنادیں۔

براءۃ من اللہ ورسولہ	علیحدگی ہے اللہ اور اُسکے رسول
الی الذین عاھدتم من المشرکین	کی اُن مشرکوں سے جن سے تم نے
فسیحوا فی الارض اربعۃ اشھر	عہد کیا۔ پس چار مہینے اس ملک میں
واعلموا انکم غیر معجزی اللہ	چل پھر لو اور یہ جانتے رہو کہ تم اللہ
وان اللہ مخزی الکافرین و	کو تھکا نہیں سکتے اور اللہ کافروں کو
اذان من اللہ ورسولہ الی	ذلیل کرنے والا ہے۔ اور حج اکبر کے
الناس یوم الحج الاکبر ان	دن اللہ اور اُسکے رسول کیطرف سے
اللہ بریٔ من المشرکین ورسولہ	منادی کیجاتی ہے اور اللہ اور اُسکا
فان تبتم فھو خیر لکم وان	رسول مشرکوں سے بے تعلق ہیں پھر
تولیتم فاعلموا انکم	اگر تم کفر سے توبہ کرو تو یہ تمہارے لیے

غیر معجزی اللہ و بشر الذین کفروا بعذاب الیم — بہتر ہے اور اگر نہ مانو تو یہ جان رکھو کہ تم اللہ کو تھکا نہیں سکتے اور کافروں کو دردناک عذاب کی بشارت دے

جہاد کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

مذکورہ بالا آیات اور نیز دیگر آیات قتال واقتلوھم حیث ثقفتموھم۔ فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم سے مخالفین کو یہ کہنے کا موقع ملا ہے کہ اسلام مذہب شمشیر ہے لیکن اگر وہ ان آیات کے شان نزول اور اُن حالات کو پیش نظر رکھتے جنکی بنا پر ایسے احکام نازل ہوئے تو وہ بشرطیکہ اُن کے دل میں انصاف اور حق پسندی کا مادہ ہوتا معترض نہ ہوتے۔

غزوات کے آغاز میں ہمنے جنگ کی ایک مختصر تاریخ دی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ بانیان مذاہب نے کن صورتوں میں لڑائی کی اجازت دی تھی۔ آنحضرت نے جن وجوہ سے تلوار اُٹھائی وہ ہم نے ہر غزوہ کی ابتدا میں بتا دیے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ شر کی مدافعت اور امن وامان کے قیام کیلئے لڑائیاں ہوئیں ہجرت کے بعد ہی جب تلوار اُٹھانے کی ضرورت پیش آئی تو اُس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے قرآن میں جوش وخروش سے جہاد فی سبیل اللہ کی تحریص، میدان میں ثابت قدمی اور بہادری سے لڑنے کی تاکید، پھر دشمنوں کے قتل کرنے یا خود شہید ہو کر زندۂ جاوید ہو جانے، غدّاروں کو سزائے سخت دینے اور منافقین سے ہوشیار رہنے اور اُن پر بھروسہ نہ کرنے، ان امور کیلئے متعدد آیات مختلف سورتوں میں

جنگ کے دوران میں نازل ہوئیں اب اس موقع اور محل کو چھوڑ کر عموماً ان آیات کو خونخواری اور جنگجوئی پر محمول کرنا حق و انصاف کا خون کرنا ہے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان آیات قتال میں مخاطب قریش اور اعراب ہیں ورنہ کفار کے ساتھ برتاؤ کا جو حکم عام نازل ہوا وہ یہ ہے:۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ	اللہ تم کو منع نہیں کرتا کہ جو لوگ
يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ	تم سے دین پر نہیں لڑے اور نہ تم کو
يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ	تمہارے گھروں سے نکالا اُن سے
تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ	بھلائی اور انصاف کرنے والوں
يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (سورۂ الممتحنہ)	کو پسند کرتا ہے۔

اسلام مذہب تبلیغ ہے لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ اسکا محکم اصول اور

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ	بُلا اپنے رب کی راہ کی طرف
بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ	حکمت اور نیک نصیحت سے اور
الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ	اُن سے جھگڑ ایسے طریقہ سے جو بہت
اَحْسَنُ	اچھا ہو۔

اسکا پاکیزہ شعار ہے۔ آنحضرت ابتدا سے انتہا تک اسی اصول پر قائم رہے اگر غار حرا میں "قم فانذر وربك فكبر" کا حکم بطور مبتدا تھا تو اسکی خبر بیس برس بعد یعنی بعد فتح مکہ کے بعد سورۂ نصر کا نزول ہوا ارشاد ہوتا ہے:۔

اِذَا جَاۤءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ	جب اللہ کی مدد اور فتح آئی
وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ	اور تو نے اللہ کے دین میں لوگوں
دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا فَسَبِّحۡ	کو فوج فوج آتے دیکھ لیا پس اب
بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡہُ اِنَّہٗ	اپنے رب کی حمد کی تسبیح کر اور بخشش
کَانَ تَوَّابًا	طلب کر بیشک وہ توبہ قبول کرنے

(سورۂ نصر) والا ہے۔

وفود کی آمد

الغرض حج اکبر کے موقع پر سورہ برأت کے اعلان کا اثر یہ ہوا کہ بقیہ قبائل عرب نے مرعوب ہو کر بغیر لڑائی کئے ہوئے اپنے اپنے وفود خود بخود آنحضرت کی خدمت اقدس میں اظہار اطاعت کیلئے بھیجنا شروع کئے۔ ابن اسحٰق نے پندرہ وفود کا تذکرہ کیا ہے لیکن ابن سعد نے چھوٹے بڑے قبائل کی سفارتیں بھی شامل کر کے شمار گنوائے ہیں۔ انمیں سے چند وفود کے حالات جو خاص طور سے نتیجہ خیز اور عالم کیلئے صراط مستقیم کی تعلیم میں ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔

وفد بنو تمیم

بنو تمیم خلیج فارس کی طرف بحرین کے قریب آباد تھے۔ ابنائے بادیہ کی آزادی کے ساتھ انمیں عجمی تمکنت بھی پیدا ہو گئی تھی۔ ان لوگوں نے اپنے منتخب سردار اقرع بن حابس کے ہمراہ ایک وفد جس میں عطارد اور زبرقان بن بدر شاعر شامل تھے روانہ کیا۔ وفد شان و شکوہ کے ساتھ مدینہ پہونچا۔ ظہر کا وقت تھا بلال آذان دے چکے تھے آنحضرت نماز کیلئے باہر

تشریف لانے کو تیار ہو رہے تھے کہ یہ لوگ مسجد میں پہونچتے ہی حجرہ کے پاس زور زور سے پکارنے لگے "محمد! باہر آؤ" آنحضرتؐ تیار ہوکر تشریف لائے اور نماز سے فارغ ہوکر ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ لوگ کہنے لگے ہم مفاخرت کے واسطے آئے ہیں ہمارے خطیب اور شاعر کو اپنے کمالات دکھانے دو۔

آپ نے اجازت دی۔ عطارد نے کھڑے ہوکر ایک پرزور تقریر کی جس میں اپنے قوم کی قوت وشوکت اور عزت وحرمت کو فخر وغرور کے لہجہ میں ذکر کیا ختم تقریر پر آنحضرت نے ثابت بن قیس انصاری کی طرف اشارہ کیا وہ کھڑے ہوئے اور حمد وثنا کے بعد بعثت رسول اور مکارم اخلاق کی تعلیم کا حوالہ دے کر ذکر جہاد سے جذبات شجاعت برانگیختہ کئے پھر دعا پر کلام ختم کیا۔ تب وفد کی طرف سے زبرقان شاعر کھڑا ہوا اور اپنی اشعار سے لوگوں کو تھوڑی دیر کیلئے مسحور کردیا۔ لیکن جب حسان بن ثابت دربار نبوت کے فیض یافتہ جواب دینے کھڑے ہوئے تو لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں۔

آنحضرتؐ نے اگرچہ اس موقع پر تالیف قلوب کی بنا پر مفاخرت کی اجازت دی لیکن وفد کی اس روش میں جو اخلاقی برائی مضمر تھی اسکی اصلاح کی پھر آزادی اور اطاعت کی صحیح مفہوم کے لئے حق تعالیٰ نے سورۂ الحجرات نازل فرمائی ارشاد ہوتا ہے:۔

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ — بیشک جو لوگ تجھے پردوں کے

وَرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ — پیچھے سے پکارتے ہیں اکثر ان کے

لَا يَعْقِلُوْنَ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا — نا سمجھ ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کے

حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ — تو باہر نکلتا تو یہ انکے لئے اچھا تھا اور اللہ

خَيْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ — معاف کرنے والا مہربان ہے۔

حریت کی افراط بے ادبی اور تفریط تذلل ہے

اخلاق میں افراط و تفریط دونوں مذموم ہیں حریت کی افراط بے ادبی اور تفریط تذلل ہے بے ادبی دراصل پوشیدہ کبر نفس ہے جو فرق مراتب کو نظر انداز کر کے واجب التعظیم کے سامنے سر نیاز خم کرنے سے گریز کرتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے

"بے ادب محروم ماند از فضل رب"

جب یہ مرض کسی قوم میں سرایت کر جاتا ہے تو جذبہ اطاعت جو "ڈسپلن" کی جان اور تنظیم کی روح ہے مضمحل ہو جاتا ہے اور شورش اور تباہی کا باعث ہوتا ہے جیسے حضرت علی مرتضیٰ عہد خلافت میں خوارج کا حال ہوا یا جیسے آج کل ہر کس و ناکس آزادی کا غلط مفہوم سمجھ کر بے ادبی کا شکار ہو رہا ہے۔

حریت کی تفریط یعنی تذلل کا بھی یہی حال ہے۔ تذلل عزت نفس کی توہین ہے جو ایک مخلوق دوسرے مخلوق سے مرعوب ہو کر ظاہر کرتا ہے۔ جب کسی قوم میں اسکا زہریلا اثر پھیل جاتا ہے تو غلامی اور غلامی کی موت آجاتی ہے جیسے مصر میں بنی اسرائیل کی حالت بعثت حضرت موسیٰ سے قبل یا جیسے گزشتہ صدی میں مغربی غلبہ سے مشرقی اقوام کی حالت۔

اسلام سراپا تسلیم و اطاعت ہے یہ اپنے متبعین کو احساس عزت نفس کے ساتھ حقیقی واجب التعظیم کی سچی اطاعت کی تعلیم دیتا ہے اور عالم میں جذبہ مساوات پیدا کر کے کرامت کا معیار تقویٰ قرار دیتا ہے۔

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ	اے لوگو ہم نے تم کو مرد اور
مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ	عورت سے پیدا کیا اور بنایا
شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا	تم کو قوم اور قبیلے تاکہ پہچانے جاؤ
اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ	بیشک اللہ کے نزدیک بزرگ
اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ	متقی تمہارے ہیں بیشک اللہ جانتا
(سورۃ الحجرات)	سب خبردار ہے۔

نسلی امتیاز اور قومی تفاخر اگرچہ دنیاوی عروج کا ذریعہ ہیں لیکن ساتھ ہی اقوام عالم میں نفرت و عداوت کے جذبات پیدا کر کے فتنہ و فساد، اور کشت و خون کا باعث ثابت ہوئے ہیں جیسا کہ مشرقی اور مغربی اقوام کی باہمی کشمکش کی تاریخ سے عیاں ہے، کاش! اہل دنیا اس پاکیزہ تعلیم قرآنی پر غور کرتے!

وفد بنو اسد اس وفد نے دربار رسالت میں حاضر ہو کر فخریہ لہجہ میں کہنا شروع کیا آپ نے ہم پر کوئی مہم نہیں بھیجی ہم نے خود ہی یہ دین قبول کر لیا۔ یہ لوگ اسلام لا کر یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ ہم نے آپ پر احسان کیا کہ آپ کے

دین میں داخل ہو گئے ۔ یہ مذموم روش سخت اخلاقی گناہ تھا، جسکے دفعیہ کیلئے اسلام اور ایمان کا دقیق فرق سمجھایا گیا۔

قالت الاعراب اٰمنا؟	گنواروں نے کہا ہم ایمان لائے
قل لم تؤمنوا ولکن	کہدے تم ایمان نہیں لائے لیکن یہ
قولوا اسلمنا ولما یدخل	کہو کہ اسلام لائے اور ایمان تمہارے
الایمان فی قلوبکم وان تطیعوا	دلوں میں داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ
اللہ و رسولہ لا یلتکم من	اور اسکے رسول کی اطاعت کرو تو
اعمالکم شیئا ان اللہ غفور	وہ تمہارے اعمال سے کچھ کم نہ کریگا
رحیم۔ انما المومنون الذین	بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے
اٰمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا	مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اسکے
وجاھدوا باموالھم وانفسھم	رسول پر ایمان لائیں پھر کچھ شک نہ
فی سبیل اللہ اولٰئک ھم	نکریں اور اپنے مال اور جان سے اللہ
الصّٰدقون۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	کی راہ میں جہاد کریں وہی سچے ہیں۔۔۔۔
یمنون علیک ان اسلموا!	احسان جتاتے ہیں تجھ پر کہ اسلام
قل لا تمنوا علیّ اسلامکم	لائے کہدے اپنے اسلام کا مجھپر
بل اللہ یمن علیکم ان	احسان نہ جتاؤ، لیکن اللہ نے احسان
ھدٰکم للایمان	کیا کہ تم کو راہ دکھادی ایمان کیطرف

ان کنتم صادقین   اگر تم سچے ہو۔

(سورہ الحجرات)

اسلام اور ایمان

زبان سے کلمہ پڑھ کر ارکان ظاہر کو قبول کر لینے سے انسان مسلم کہلاتا ہے لیکن جب تک قلب طاعت خدا و رسول کے انوار سے روشن نہ ہو اور جان و مال سے راہ حق میں فدا ہونے کو تیار نہ ہو اُس مسلم پر مومن کا اطلاق نہیں ہو سکتا بنو اسد اگرچہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے لیکن بہت جلد آنحضرت کے وصال کے بعد ہی مرتد ہو کر طلیحہ بن خویلد کی سرداری میں لڑنے پر آمادہ ہو گئے اسی طرح بنو حنیفہ مسلمان ہو کر پھر مرتد ہو گئے اور مسیلمہ کذاب کے پیرو بنکر جنگ کیلیے کھڑے ہو گئے، آخر حضرت ابو بکر کی خلافت میں یہ تمام قبائل یمن حضر موت اور بحرین وغیرہ جنھوں نے اپنے اپنے وفد آنحضرت کی خدمت اقدس میں بھیجکر اظہار اطاعت لیا تھا جنگ و جدال کے بعد ارتداد سے توبہ کر کے مطیع اسلام ہوے۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن حلاوت ایمان انھیں بزرگوں کو نصیب ہوئی، جو مہاجرین و انصار کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں، اور جنکے فضائل قرآن مجید میں بار بار بیان ہوے ہیں رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

اسلام اور ایمان کا یہ فرق افسوس پہلی ہی صدی ہجری میں نظر انداز ہو گیا اور وہ لوگ جو فتوحات اسلام کو دیکھکر حصول دنیا کی خواہش یا خوف جان و مال کی باعث مسلمان ہو گئے تھے مومنین متقین کو زور و حیلہ سے محکوم بنالیا۔

حرہ کا ہولناک واقعہ جبمیں سیکڑوں مہاجرین و انصار فوج یزید کے ہاتھوں شہید ہوئے پھر بنی امیہ کا جانشین رسول کے لقب سے مسلط ہوجانا قرون اولی کے خونی مناظر ہیں اور اس زمانہ میں بھی یہی حالت ہے جبکہ لوگوں نے شعار ظاہر کو معیار اسلام قرار دیا اور حقیقت ایمانی سے کوسوں دور ہوگئے۔ عرب و عجم قومیت کے نشہ اور مغربیت کی تقلید میں ایک دوسرے کا خون بہارہے ہیں اور انما المومنون اخوۃ کا سبق فراموش کردیا۔

دین متین کا شیرازہ افسوس بکھر گیا اور واعتصموا بحبل اللہ کا رشتہ ٹوٹ گیا کاشس وہ لوگ جو اقوام عالم میں مسلمان کہلاتے ہیں دیدہ باطن سے ولما یدخل الایمان فی قلوبکم کی وعید کو پڑھ کر مومن متقی بننے کی کوشش کرتے

حجۃ الوداع

ہجرت کے دسویں سال جب عرب کے گوشہ گوشہ میں اسلام کی روشنی پھیل رہی تھی اور قبائل عرب دور و نزدیک سے جوق جوق دین برحق قبول کررہے تھے، آنحضرت نے حج بیت اللہ کیلئے تشریف لے جانے کا اعلان فرمایا۔ یا ایک وقت وہ تھا کہ موسم حج میں جب آپ یکہ و تنہا حاجیوں کے پاس جاکر تبلیغ دین فرماتے تھے اور پیچھے پیچھے ابولہب اور کفار قریش آپکو گالیاں دیتے ہوئے اور طرح طرح کے آزار پہنچاتے ہوئے ساتھ ہوتے تھے اب وہ زمانہ آیا کہ آپ مدینہ سے فدائیان دین مہاجرین و انصار کے جھرمٹ میں نکلتے ہیں ادھر ہر طرف سے کلمہ گو قبائل عرب کے گروہ در گروہ لبیک لبیک کہتے ہوئے ہمراہ ہوتے ہیں یہانتک کہ تقریباً ایک لاکھ کا یہ عظیم الشان مجمع "بکہ" کی وادی

[redacted]

ہے نزدیک میں حضرت داؤد کی پیشین گوئی[1] کو پورا کرتا ہے۔

اس حج کے حالات ارباب سیر اور محدثین سب نے بیان کئے ہیں، کسی نے جستہ جستہ اور کسی نے تشریح کے ساتھ۔ ابن اسحٰق نے متعدد طرق کے روایات کو لیکر ایک مسلسل بیان تحریر کیا ہے اور وہ مشہور خطبہ بھی جو آپ نے ایام حج میں دیا نقل کیا ہے۔

صحیح مسلم میں سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اس حج کے واقعات مع خطبہ حضرت جابرؓ انصاری سے منقول ہیں، یہ روایت حسب ذیل طریقے سے امت محمدی کو پہونچی:—

عبدالملک ابن مروان کے عہد حکومت میں جو چند اصحاب رسول اللہ شہادت یا طبعی موت سے بچ رہے تھے انہیں ایک حضرت جابر ابن عبداللہ انصاری تھے جنکا انتقال ۷۹ھ میں (ایک قول میں ۹۴ھ) ہوا۔ آخر عمر میں حضرت جابرؓ نابینا ہو گئے تھے ایک دن چند آدمی آپ کے پاس مسائل پوچھنے آئے انہیں نوجوان امام محمد باقر ابن امام زین العابدین بھی تھے۔ امام موصوف فرماتے ہیں جب میں نے اپنا نام بتایا تو حضرت جابرؓ نے ٹٹولتے ہوئے میرے سر پر ہاتھ پھیرا، پھر میرے گریبان کے تکمے کھولکر سینہ پر فرط محبت سے ہاتھ پھیر کر بولے مرحبا اے بھتیجے! جو کچھ دریافت کرنا ہو پوچھنا، نماز کا وقت ہے پہلے فارغ ہولیں۔ چنانچہ بعد نماز

[1] نمبر زبور نمبر ۵۰ کی تشریح [illegible] کتاب میں ہم کر چکے ہیں۔

امام موصوف نے فرمایا مجھ سے میرے نانا کے آخری حج کی حالات بیان فرمائیے حضرت جابر نے نہایت تفصیل کے ساتھ آنحضرت کا مدینہ سے روانہ ہونا اور مجمع کثیر کا ہمراہ ہونا پھر مکہ پہونچکر جو جو ارکان حج ادا فرملے اُن کو بیان کر کے اُس مشہور خطبہ کو نقل کیا جسے رسول اللہ ؐ نے عرفات میں دو پہر ڈھلے اپنے ناقہ قصوی پر دیا تھا :—

خطبہ رسول اللہ عرفات میں

ان دماءکم واموالکم حرام	تحقیق تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر
علیکم کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم	حرام ہیں جیسے اس تمہارے دن کی حرمت ہے اس تمہارے
ھذا فی بلدکم ھذا الا کل شیٔ من	مہینہ میں اس تمہاری بستی میں آگاہ ہو کہ حالت جاہلیت
امر الجاھلیۃ تحت قدمی موضوع	کی ہر چیز میرے دونوں قدموں کے نیچے ہے اور جاہلیت کے
ودماء الجاھلیۃ موضوعۃ وان اول	خون باطل کر دیے گئے اور البتہ اپنے خونوں سے پہلا خون جسے میں
دم اضع من دمائنا دم ابن ربیعۃ	مٹائے ڈالتا ہوں ابن ربیعہ بن حارث کا خون
بن الحارث کان مسترضعا	ہے جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اور اُسے
فی بنی سعد فقتلہ ھذیل و	قوم ہذیل نے مار ڈالا اور جاہلیت کا بیاج
ربوا الجاھلیۃ موضوع واول	مٹا ڈالا گیا میرے یہاں سب سے پہلا
ربوا اضع من ربانا ربوا العباس	بیاج عباس بن عبد المطلب کا ہے
بن عبد المطلب فانہ موضوع	وہ سب مٹا ڈالا گیا پس اللہ
کلہ فاتقوا اللہ فی النساء	سے ڈرو عورتوں کے معاملہ میں

فانكم اخذتموهن بامان الله	کیونکہ تم نے انکو خدا کی امان سے قابو میں کیا
واستحللتم فروجهن بكلمة الله	ہے اور خدا کے حکم سے وہ تم پر حلال ہوئیں
ولكم عليهن ان لا يوطئن	اور تمہارا حق انپر یہ ہے کہ جسے تم نہ چاہو
فرشكم احدا تكرهونه فان	اُسے گھر میں نہ آنے دیں پس اگر وہ ایسا کریں
فعلن ذلك فاضربوهن ضربا	تو ایسی سزا دو جس سے زیادہ تکلیف نہو اور
غير مبرح ولهن عليكم رزقهن	عورتوں کا تم پر دستور کے موافق کھانا کپڑا
وكسوتهن بالمعروف وقد تركت فيكم	دینے کا حق ہے اور مقرر میں تم میں وہ چیز چھوڑے
ما لن تضلوا بعده ان اعتصمتم به	جاتا ہوں کہ اُسکے بعد تم کبھی گمراہ نہوگے
كتاب الله وانتم تسئلون	اگر تم اسکو مضبوط پکڑے رہوگے وہ کتاب اللہ
عني فما انتم قائلون قالوا	ہے اور تم سے قیامت میں میری نسبت سوال
نشهد انك قد بلغت وأديت	ہوگا کیا کہوگے لوگ کہنے لگے ہم گواہی دیتے
ونصحت فقال باصبعه السبابة	ہیں کہ آپنے خدا کا پیغام پہنچایا اور نجی
يرفعها الى السماء وينكبها الى	ادا کیا اور نصیحت کی پس آپ نے کلمے کی انگلی
الناس اللهم اشهد اللهم اشهد	آسمان کیطرف اُٹھا کر اور لوگوں کیطرف جھکا کر
اللهم اشهد -	فرمایا خداوندا گواہ رہیو خداوندا گواہ

۱- مسلم جزو اول صفحہ (۳۹۷)

۲- رہیو - خداوندا گواہ رہیو -

عرفات میں اس خطبہ کے علاوہ آنحضرتؐ نے مجمع کے سامنے دوسرے مقامات پر بھی

ان ایام حج میں چند ہدایتیں فرمائیں، جن کو ابن اسحٰق اور ابن سعد نے یوں جمع کیا ہے :-

ایها الناس فان الشیطن	لوگو شیطان نا اُمید ہو چکا ہے کہ
قد یئس ان یعبد بارضکم	اب اس ملک میں پھر اسکی عبادت ہوگی
هذه ابدا ولکنه ان یطع	لیکن اسکے سوا اور چھوٹی چھوٹی باتوں
فیما سوی ذلك فقد رضی به	پر راضی ہوگیا ہے جسے تم بُرے گنا ہوں
مما تحقرون من اعمالکم	میں شمار نہ کروگے پس تم کو اپنے دین
فاحذروه علی دینکم	کی شیطان سے حفاظت لازم ہے۔
ایها الناس اسمعوا واطیعوا	لوگو سُنو اور اطاعت کرو اور اگرچہ
وان امر علیکم عبد حبشی	تمپر کوئی حبشی غلام نک بریدہ جو خدا
مجدع اقام فیکم کتاب الله۔	کی کتاب کے موافق لیچلے حاکم ہو۔
ارقاءکم ارقاءکم اطعموهم	تمہارے غلام تمہارے غلام دیکھو جو تم
مما تاکلون واکسوهم مما	کھاؤ وہی انھیں کھلاؤ اور جیسا تم پہنو ویسا
تلبسون وان جاؤا بذنب	انھیں پہناؤ اور اگر انسے ایسی خطا ہو کہ
لا تریدون ان تغفروه	تم درگزر نہ کرسکو تو انکو فروخت کردو وہ
فبیعوا عباد الله لا تعذبوهم	خدا کے بندے ہیں ان کو عذاب نہ دو

خطبۂ غدیر خم

حج سے فارغ ہو کر جب آنحضرت مدینہ واپس تشریف لے چلے اور مجمع عظیم

کچھ دور تک ہمراہ چلا، تو آپ نے مقام خم کے تالاب (غدیر) پر جو جحفہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے قیام فرما کر حسب ذیل خطبہ دیکر مجمع کو رخصت کیا :-

الا ایہا النّاس فانما انا	اے لوگو میں ایک بشر ہوں کیا عجب
بشر یوشك ان یاتینی رسول	کہ خدا کا قاصد (ملک الموت) میرے پاس آئے
ربی فاجیب انی تارك	اور میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں
فیکم الثقلین اولهما کتاب الله	ایک اللہ کی کتاب جس میں نور اور ہدایت ہے
فیہ النور والهدیٰ فخذوا	پس کتاب اللہ کو لو اور اسے تمسک کرو
بکتاب الله واستمسکوا	اور دوسرے میرے اہلبیت جنکے بارے میں
به واهل بیتی اذکرکم	میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں خدا کو یاد دلا
الله فی اهل بیتی ۱	تا ہوں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔

پھر حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا :-

من کنت مولاہ فعلی	جسکا میں مولا ہوں اسکا علی بھی مولا ہے
مولاہ اللهم وال من والاہ	خداوندا عزیز رکھ اسے جو اسکو عزیز رکھے اور
وعاد من عاداہ ۲	دشمن جان اسے جو اسکا دشمن ہو۔

---

۱ صحیح مسلم باب من فضائل علی۔

۲ استیعاب جلد دوم صفحہ ۴۷۳ بروایت ابو ہریرہ و بریدہ و جابر و زرقانی جلد ثالث صفحہ ۱۳ کیا افسوس ہے کہ اسلام کے دو مشہور فرقوں نے خطبۂ غدیر خم میں عجیب افراط و تفریط سے کام لیا ہے ایک گروہ اسکو حضرت علی کی خلافت (بقیہ صفحہ ۳۰۳)

ہدایات رسول نظام تمدن کی روح رواں ہیں

حجۃ الوداع میں جو ہدایات آنحضرتؐ نے فرمائے وہ نظام تمدن کے روح رواں ہیں۔ انسان مدنی الطبع ہے۔ تمدن کی پہلی شرط جان و مال کا محفوظ رہنا ہے۔ جذبہ مساوات کا اگر صحیح مفہوم سمجھ لیا جائے اور مختلف اقوام عالم کا ہر ایک فرد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۴) کا برملا اعلان قرار دیتا ہے اور دوسرا گروہ اہل یمن کی ایک معمولی شکایت کا جو انکو حضرت علی کی عاملانہ کارروائی کے متعلق تھی جواب بلکہ رسول اللہ کے ان الفاظ کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا اس افراط و تفریط کا یہ نتیجہ ہے کہ دونوں گروہوں میں سخت مخالفت پیدا ہوگئی اور ملت بیضا میں باہمی نزاع اور عداوت کا ایسا دروازہ کھل گیا جو افسوس در توبہ کے بند ہونے تک کھلا رہیگا۔

واقعہ غدیر خم اگر تعصب اور تنگ خیالی سے قطع نظر کرکے محض تاریخی نقطہ نظر اور اس زمانہ کے گرد و پیش کے حالات ملحوظ رکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسکو ضرور اہمیت ہے۔ آنحضرتؐ کو اپنی اولاد سے نہایت محبت تھی۔ حضرت خدیجہؓ سے جب کوئی اولاد نرینہ زندہ نہ رہی تو حق تعالے نے سورۂ کوثر نازل فرما کر تسکین دی، ہجرت کے بعد جو متعدد نکاح آپ نے کئے (جیسا کہ ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں) زیادہ تر اولاد نرینہ کی تمنا بھی تھی۔ ولادت ابراہیم یعنی ۸ھ کے بعد سے آپ نے پھر کوئی نکاح نہیں کیا لیکن جب حجۃ الوداع سے پیشتر حضرت ابراہیم کا انتقال ہوگیا تو آپ کی اولاد ذکور و اناث میں صرف حضرت فاطمہ باقی رہیں جنکو آپ نہایت عزیز رکھتے تھے انکا نکاح آپ نے اپنے ابن عم حضرت علی ابن ابی طالبؓ سے کیا جنکی تربیت و تعلیم بچپن سے آپ ہی کے سایہ عاطفت میں ہوئی تھی حضرت علی مرتضیٰ کو جو محبت رسول اللہ سے تھی اور جیسی گراں خدمات دین متین کی آپ نے سر انجام دیں وہ فریقین کے نزدیک مسلم ہیں۔ جناب مرتضوی کی انہیں اوصاف حمیدہ اور قرابت قریبہ کی بنا پر رسول اللہ نے روانگی تبوک کے وقت آپ کو حضرت ہارون سے (بقیہ صفحہ ۲۵۶)

خواہ از جنس ذکور ہو یا اناث تفوق کا طالب صرف تقوےٰ کے ذریعہ سے ہو تو پھر یہ لفظی نزاعیں رہ جاتی ہیں کہ شخصی سلطنت بہتر ہے یا آئینی حکومت جمہوریت اچھی ہے یا اشتراکیت ہر قوم اپنے اپنے مقامی خصوصیات اور مدارج ترقی کے مشکلات پیش نظر رکھ کر جو صورت نظام بہتر سمجھے اختیار کرے پھر اس صورت کو اختیار کرنے کے بعد صاحب الامر کی اطاعت خواہ وہ ذلیل غلام ہی کیوں نہو مگر راہ حق پہ چلے فرض عین سمجھے اور باہمی کشت وخون کو حرام سمجھے۔ غلام اور آقائی کی نسبت محض اضافی ہے جو معاشرت کی پیچیدگیوں سے پیدا ہوگئی ہے ورنہ آقا ہو یا غلام حقیقتاً سب خادم ہیں غلام اپنے آقا کا اور آقا جماعت کا جسکا ایک فرد وہ غلام بھی ہے اسلیے طریق ماندوبود میں مساوات کی تعلیم دی گئی۔

تمدن کی غائت باہمی تعاون وتعادل ہے لیکن قومی منافرت اور حصول زر کی بیجا ہوس جنگی بدترین صورت بلا ہے وہ زہریلی ہوائیں ہیں جو اقوام کی متمدن زندگی کو خاک میں ملا دیتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ تاریخ اپنا سبق دہراتی ہے۔ اُس زمانہ تہذیب میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵۵) تشبیہ دی تھی کہ جس طرح حضرت ہارون اور انکی اولاد نسلاً بعد نسل ہمیشہ بنی اسرائیل میں روحانی پیشوا اور امام مانے جاتے ہیں (دیکھو توریت کتاب خروج ۲۹) اسیطرح حضرت علی اور حضرات حسنین اور ان کی اولاد نسلاً بعد نسل اسی درجہ پر فائز رہینگے۔ حجۃ الوداع میں جب رسول اللہ کو اپنی رحلت کا زمانہ قریب معلوم ہو رہا تھا اُمت مرحومہ کو رخصت کرتے وقت آپنے علی الاعلان جناب مرتضیٰ کو اس خاص درجہ پر فائز فرمایا۔ یہ درجۂ ولایت اس عہدۂ خلافت سے ممتاز تھا جس پر دنیاوی حکومت شریک غالب تھی اور جسکے لیے آپنے آخر وقت تک تخصیص نہیں فرمائی (جیسا کہ حدیث قرطاس میں ہم ثابت کرینگے) یہ مبارک درجہ جو حضرت سے عطا ہوا قیامت تک سلاسل اولیاء اللہ کے ذریعہ سے آل محمد صلعم کیلیے مخصوص رہیگا۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

بھی قومی منافرت اور سود خواری دہی دو بلائیں ہیں جو فتنہ و فساد اور جنگ عظیم یورپ کا باعث ہوئی ہیں اور مشرق و مغرب کی تباہی کا آنا ہی نہیں بلکہ ان بلاؤں نے قلوب میں قساوت اور دنارت کے ایسے جراثیم پیدا کردیے ہیں جنکی باعث اشرف المخلوقات مسخ ہوکر نظریہ ڈارون کا زندہ ثبوت بن گیا ہے؛

حقیقت یہ ہے کہ مذاہب عالم میں اسلام کی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ اسکی تعلیم میں خواہ متعلق اخلاق ہو یا معاشرت و تمدن فطرت انسانی کا لحاظ رکھ کر سادگی اور صفائی سے صراط مستقیم کی تعلیم دی گئی ہے۔ کلمۂ شہادت جو اسکا اصل اُصول ہے توحید کامل (یعنی توحید فی الذات توحید فی الصفات اور توحید فی العبادت) اور حقیقت نبوت کو اس خوبی کے ساتھ ذہن نشین کردیتا ہے کہ کسی مذہب میں اسکی مثال نہیں ملتی۔ نہ یہاں تثلیث کا معما ہے نہ الوہیت کا راز، نہ دیوتاؤں کی خوش فعلیاں ہیں نہ اوتاروں کا طلسم ہوشربا

صراط مستقیم کی تعلیم

عقائد کی طرح اسلام کے اعمال بھی صاف اور سیدھے عقل پر مبنی۔ اخلاق میں فطرت انسانی کا پورا لحاظ، انسان کی خلقی متضاد اوصاف کی سچی اصلاح اور روک تھام نہ یہاں افراط ہے نہ تفریط نہ رہبانیت نہ جبگ، نہ نروان کی دردناک افسردگی نہ یہودیت کا کھرا پن۔

معاشرت اور تمدن میں ہر قوم کے خصائص کے لحاظ سے ایسے جامع و مانع اُصول کی تعلیم کہ ہر زمانہ میں ہر قوم کیلیے دستور العمل بن سکیں غرضکہ انسان کی دینی اور دنیوی فلاح کے واسطے یہ دین فطرت اپنی شان کملیت دکھاتا ہے لیکن افسوس جسطرح

حضرت مسیح کے مشہور پہاڑی والے وعظ کا اثر اُن کی اُمت پر یہ ہوا کہ بجائے ایک گال طمانچہ کھا کر دوسرا پیش کر دینے کے جنگجوئی کیلئے طیار ہیں اسیطرح اُمت محمدی نے جسکو صراط مستقیم کی تعلیم دی گئی تھی رسول اللہ کے وصال کے بعد ایک ہی صدی کے اندر ایسی کجروی اختیار کی کہ رفتہ رفتہ ہفتاد و دو ملت کیا سیکڑوں فرقوں میں نصاریٰ کی طرح تقسیم ہوکر واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا کی راہ سے کوسوں دور ہوگئے۔ وہ خوارج کا تلاوت کلام اللہ کے ساتھ شور و شغف مگر اسکی پاکیزہ تعلیم کا اُنکے گلوں سے نیچے نہ اُترتا۔ وہ بنی اُمیہ کا اہلبیت اطہار کے معاملہ میں خدا کو بھول جانا اور جانشین رسول بنکر کسریٰ اور قیصر کی روش اختیار کرنا۔ وہ کلام اللہ کے ساتھ یہود کے تالمود کی طرح احادیث کے دفاتر کا شامل ہو جانا اور علماء و مشائخ کا رہنمایان ملت کی حد سے گزر کر اہل کتاب کے ربّین و احبار کی طرح ارباباً من دون اللہ بن جانا، وہ شریعت سہلہ کی آسانیوں سے ناجائز فائدہ اُٹھاکر عام و خاص کا شہوات و لذات میں منہمک ہو جانا اور لارھبانیۃ فی الاسلام کی آڑ پکڑنا، وہ سیاسی اغراض کیلئے خلافت و امامت کو خالص مذہبی جامہ پہنانا اور پھر اسکے قیامت تک نہ طے ہونیوالے خانہ بر انداز ملت جھگڑے جنکے باعث روم و ایران ہند و توران مصر و عرب سارے دنیائے اسلام میں خون کی ندیاں بہ جانا، وہ اہل قبلہ کی باہمی تکفیر اور شیرازہ ملت کا بکھر جانا، غرضکہ یہ وہ دلخراش اور روح فرسا واقعات ہیں جو درد مندان ملت بیضا کو خون کے آنسو رُلاتے رہینگے۔

اللہم ارحم امۃ محمد

رومی خطرہ کا انسداد اور آخری وصیتیں

اسلام پر ابتدا ہی سے زبان تیغ اور تیغ زبان دونوں کے حملے مشرکین اور اہل کتاب کی طرف سے جوش و خروش سے ہوتے رہے ہیں. مشرکین نے اگر حملے کئے تو کچھ تعجب نہیں ہے توحید اور شرک کبھی شیر و شکر نہیں ہوسکتے لیکن اہل کتاب نے باوجودیکہ قرآن مجید نے باہمی مفاہمت کا یہ صلح جو اعلان کیا۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا	اے اہل کتاب آؤ ایسی بات
إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ	کیطرف کہ برابر ہے ہم میں اور تم میں
أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ	یہ کہ بجز اللہ کے کسی کی پرستش نہ کریں
شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا	اور نہ اُسکے ساتھ کیکو شریک کریں اور
أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا	نہ بعض ہم میں سے خدا کے سوا کسی
فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ	اور کو رب قرار دیں پس اگر منہ پھیریں
(آل عمران)	تو کہو گواہ رہنا ہم مسلمان ہیں۔

انصاف و راستی کو پس پشت ڈالکر جدال و قتال پر آمادہ ہوگئے۔ یہود مدینہ نے جو طریقے اسلام کی بیخکنی کے اختیار کئے اور خفیہ اور علانیہ جو کارروائیاں کیں انکی تفصیل غزوات میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ عیسائیوں میں سب سے پہلے ابو عامر "راہب" مدینہ میں آنحضرت کے تشریف لاتے ہی آتش حسد سے جلکر عداوت پر کمر بستہ

عیسائیوں کی مخالفانہ کارروائیاں

ہوگیا اور جس طرح پطرس راہب نے گیارہویں صدی عیسوی میں بیت المقدس کیلیے صلیبی لڑائیوں کا خونخوار سلسلہ قائم کیا ابو عامر نے بھی اسلام کی مخالفت میں عیسائیوں کو اُبھار دیا۔ اُحد اور حنین کی لڑائیوں میں یہ شخص کفار کے ساتھ لڑنے آیا۔ لیکن شکست کھاکر آخر شام کیطرف بھاگ گیا۔ مگر وہاں بھی عیسائی قبائل اور رومیوں میں اسلام کی طرف سے نفرت کا پروپیگنڈا پھیلاتا رہا اور منافقین مدینہ سے در پردہ سازش کرکے (جیساکہ واقعہ مسجد ضرار میں ہم بیان کرچکے ہیں) رومیوں کو حملہ کرنے کیلیے اُبھارتا رہا۔ تبوک میں آنحضرت نے انھیں وجوہ سے حفظ ما تقدم کے طور پر پیش قدمی فرمائی تھی۔ تبوک سے واپسی کے بعد اگرچہ ۹ھ میں عرب کے تمام صوبجات سے قبائل نے اپنے اپنے وفود بھیجکر قبول دین اور اظہار اطاعت کیا لیکن اُن میں بہت سے ایسے قبائل تھے جو ظاہر میں مسلمان ہوئے مگر پھر مرتد ہوگئے ان میں قبیلہ بنو حنیفہ خاص طور سے قابل ذکر ہے۔

فتنۂ مسیلمہ کذاب

یہ قبیلہ عیسائی تھا اور مکہ اور یمن کے مابین یمامہ میں آباد تھا۔ فتح مکہ کے بعد اس قبیلہ نے بھی اپنا وفد دربار رسالت میں بھیجا جس میں ایک شخص مسیلمہ بن حبیب بھی شامل تھا۔ ابن اسحق لکھتے ہیں کہ جب یہ لوگ حاضر ہوئے تو مسیلمہ کو اپنی فرودگاہ میں چھوڑ آئے تھے پھر جب وفد مسلمان ہوا اور حضور نے اُن کو انعام واکرام تقسیم کیا تو انھوں نے عرض کیا کہ ایک شخص کو ہم اپنی قیامگاہ میں اسباب کی حفاظت کیلیے پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ آنحضرت نے مساوات کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا وہ بھی

تم سے کم مرتبہ نہیں ہے اُسکا بھی حصہ اسی قدر لو۔ جب یہ وفد واپس گیا۔ تو مسیلمہ جو ایک چالاک اور لسان شخص تھا اہل قبیلہ کو یوں بہکانے لگا کہ محمد صلعم نے میری قدر و منزلت کا خود اعتراف کیا۔ میں ان کی نبوت میں شریک ہوں۔ اس طور سے اہل قبیلہ میں فتنہ ارتداد پھیلا کر اس مدعی نبوت نے ایک تحریر دربار رسالت میں ۱۰ھ کے آخر میں بھیجی جس میں لکھا تھا " میں نبوت میں شریک کیا گیا ہوں نصف زمین ہماری اور نصف قریش کی لیکن قریش حد سے بڑھتے ہیں"۔

کیا عجیب بات ہے کہ جس طرح مسیلمہ اشاعت دین کی روز افزوں ترقی کو اپنی کوتاہ بینی سے ملک گیری سمجھا مستشرقین یورپ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے اور وہ آنحضرت کے قیام مدینہ کو طلب حکومت سمجھتے ہیں اس غلط فہمی میں مبتلا ہونیکی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے دنیا و دین کی جداگانہ جغرافیائی تقسیم نہیں کی بلکہ انما الاعمال بالنیات پر مدار رکھکر دونوں کو توام بنا دیا۔ اسکی دنیا و دین روح انسانی کی ترقی کے مرج البحرین ہیں اسکی دنیا کے عمل میں دین کا آفتاب ضیا پاشی کرتا ہے اور اسکی دین فطرت میں دنیا کا چاند نور افگن حقیقت یہ ہے کہ یہ باہمی توازن اور یہ رنگ وحدت توحید کامل کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَ	بیشک میری نماز اور عبادتیں اور میری زندگی
مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ	اور میری موت اللہ ہی کیواسطے ہے جو پروردگار
الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ	ہے عالموں کا نہیں شریک اسکے واسطے اور یہی

امرت وانا اول المسلمین (سورۂ انعام) مجھے حکم ہوا ہے اور میں پہلا مسلمان ہوں۔

مسیلمہ کی تحریر کا جو جواب رسول برحق نے دیا وہ آج جبکہ پیروان اسلام دینی اور دنیاوی دونوں حیثیت سے عالم میں ضعیف و ناتوان ہو گئے ہیں ہمارے لیے سبق آموز اور ہمت افزا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

ان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین ( )

زمین اللہ کیلیے ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اسکا وارث بناتا ہے اور عاقبت پرہیزگاروں کیلیے ہے۔

مسیلمہ نے جو فتنہ برپا کیا تھا اُسکا زہریلا اثر نومسلم قبائل عرب میں وبا کی طرح پھیل گیا یمن میں اسود بن کعب العنسی نے دعوی نبوت کیا اور صنعا پر قبضہ کر کے ملک میں بدامنی اور بیدینی پھیلانا شروع کی اسیطرح طلیحہ بن خویلد نے بنی اسد کو گمراہ کر دیا۔

ان کذابوں کی سرکوبی کیلیے آنحضرت نے مقامی عمالوں کے ذریعے ضروری انتظامات فرمائے لیکن سب سے بڑا خطرہ شام کیطرف سے تھا جہاں سریہ موتہ میں رومیوں سے جنگ کا سلسلہ چھڑ گیا تھا۔ دولت عجم کی قوت پامال ہو جانے سے غسانیوں کی عیسائی سلطنت قیصر روم کی حمایت میں فتح مدینہ کا خواب دیکھتی تھی۔ فتنہ ارتداد ان کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ تھا جس سے فائدہ اُٹھا کر اسلام پر ہر طرف سے نرغہ کر سکتے تھے۔ ایسی نازک حالت کو پیش نظر رکھکر آنحضرت نے حجۃ الوداع سے واپس تشریف لاکر

رومیوں سے جنگ کا سلسلہ

سنہ ۱۱ھ کے آغاز میں شام کیطرف پیشقدمی کرنے کیلیے ایک فوج کی طیاری کا حکم دیا جس میں اکابر صحابہ کو شامل کیا اور چونکہ موتہ کے خونخوار معرکہ میں حضرت زید اور جعفر طیارؓ مسلمانوں کی ایک جماعت کثیر کے ساتھ رومیوں کے مقابلہ میں شہید ہو چکے تھے۔

اُسامہ بن زیدؓ کا سردار فوج مقرر ہونا

آنحضرتؐ نے زید کے بیٹے اُسامہ کو سردار فوج منتخب فرمایا۔ لیکن منافقین نے جسطرح غزوۂ تبوک میں طرح طرح کی بہانہ بازیوں سے کام لیا تھا اس موقع پر بھی یہ شگوفہ چھوڑا کہ ایک ناتجربہ کار نوجوان کو سردار فوج مقرر کرنا ٹھیک نہیں۔ آنحضرتؐ کو جب اطلاع ہوئی تو اگرچہ مرض الموت شروع ہو چکا تھا اور تپ لاحق تھی سر مبارک پٹی سے باندھے ہوئے باہر تشریف لائے اور منبر پر جلوس فرما کر حمد و ثنا کے بعد مجمع کو یوں مخاطب کیا۔

"لوگو اُسامہ کے لشکر کو بڑھاؤ اور اُس میں شامل ہو اگر تم اُنکی سرداری پر اعتراض کرتے ہو تو اس سے پہلے تم نے اُسکے باپ کے امیر ہونے پر بھی اعتراض کیا تھا اور بیشک اُسامہ سرداری کے لائق ہے اور اُسکا باپ بھی لائق تھا"[۱]

انتخاب رسول کا نتیجہ

تاریخ شاہد ہے کہ انتخاب رسولؐ کیسا کامیاب ثابت ہوا۔ مورخ گبن لکھتا ہے۔

"جبکہ قیصر ہرقل قسطنطنیہ اور بیت المقدس میں فتمندی کے نشہ میں چور ہو رہا تھا سرحد شام کے ایک غیر معروف گاؤں کو عربوں نے تاراج کر دیا اور اُس فوج کو جو اُسکے بچانے کے لیے بڑھی تھی کاٹ کر ڈال دیا۔ یہ ایک معمولی واقعہ تھا جس کی کچھ اہمیت نہ ہوتی اگر یہ ایک عظیم انقلاب کا پیش خیمہ

---

[۱] کتاب بخاری۔

ثابت ہوتا...... قیصر اپنی حکومت کے آخری آٹھ سال کے اندر

وہ تمام صوبے جو اس نے ایرانیوں سے چھین لئے تھے سب کے سب عربوں کے

ہاتھوں کھو بیٹھا (تاریخ زوال روم جلد پنجم ص۹۵)

ختم رسالت | حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن جب آیہ کریمہ

الیوم اکملت لکم آج کے دن تمہارا دین کامل

دینکم واتممت علیکم کیا اللہ تم پر اپنی نعمتیں پوری

نعمتی ورضیت لکم کیں اللہ پسند کیا تمہارے لیے

الاسلام دینا اسلام کو دین۔

کا نزول ہوا تو آنحضرت نے مجمع کثیر کے سامنے ایسے الوداعی کلمات فرمائے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ عالم کو منور کر دینے کے بعد آفتاب رسالت کے غروب ہونے کا وقت آگیا۔ پھر جب مدینہ واپس تشریف لائے تو آپ نے شہدائے احد کو جن کی شہادت کا واقعہ پتھر کے دل کو بھی موم کر دیتا ہے دعا مغفرت کے بعد اس طور سے وداع کیا جیسے کوئی واقعی زندوں سے رخصت ہوتا ہے۔ بخاری[1] میں حضرت عقبہ رض بن عامر سے روایت ہے۔

صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد پر رسول اللہ صلعم

علی قتلی احد بعد ثمان سنین نے آٹھ سال کے بعد نماز پڑھی جیسے

---

[1] کتاب المغازی باب غزوہ احد

کالمودع للاحیاء الاموات ثم — مرنیوالے زندوں کو رخصت کرتے ہیں
طلع المنبر فقال انی بین ایدیکم — پھر منبر پر تشریف لاکر فرمایا میں تمہارے
فرطاوانا علیکم شہید وان — درمیان مثل میر منزل کے ہوں اور تم پر گواہ
موعدکم الحوض وانی لانظر الیہ — ہوں اور تمہاری جائے ملاقات حوض ہے اور
من مقامی ھذا وانی لست اخشی — میں اسکو اپنے اس مقام سے دیکھتا ہوں اور
علیکم ان تشرکوا ولکن اخشی — مجھے خوف نہیں کہ تم مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے
علیکم الدنیا ان تنافسوھا — ڈر ہے کہ تم دنیا کیلئے فخر و مباہات میں مبتلا ہو گے

آغاز علالت — اس واقعہ کے بعد ہی صفر سلسلہ کے آخری ایام میں آپ ایک شب بقیع کے قبرستان میں تشریف لیگئے اور اہل قبور کیلئے دعاء مغفرت کے بعد جب آدھی رات کو گھر واپس آئے تو درد سر اور تپ لاحق ہو گئے اور اسقدر ضعف طاری ہو گیا کہ حضرت علیؓ اور عباس آپ کو پکڑ کر حضرت عائشہ کے حجرہ میں لائے مگر اس حالت میں بھی نماز کیلئے باہر تشریف لاتے رہے اور پند و نصائح سے مومنین کے قلوب روشن فرماتے رہے۔

ابن اسحق و واقدی کے مختلف... روایت — افسوس ابن اسحٰق اور واقدی نے رسول کریم کے آخری ایام کے حالات کچھ اس طور سے مختلف البیان اور مستبعد روایت کئے ہیں جن سے وہ پاک منظر جب ختم الانبیا، فرض رسالت ادا کر کے گروہ خیر الامم سے رخصت ہو رہا ہے دھندلا نظر آتا ہے۔ اسکی وجہ خاص یہ ہے کہ ان راویوں کے نشو و نما اپنے وقت میں

ہوئی جب حصول خلافت کیلئے اموی اور ہاشمی جوڑ توڑ کی زہریلی ہوا نے روایات کا گھلا گھونٹ دیا تھا پھر ستم یہ ہے کہ یہی روایات اسلام کے دو مختلف فرقوں سُنّی اور شیعہ کے کتب مذہبی میں داخل ہو کر عقائد کے بنیاد ہو گئے ہیں جن سے انحراف کرنا اِس فرقے کے نزدیک دائرہ دین سے خارج ہونا ہے۔

دینِ برحق نے جس شد و مد سے یہود و نصاریٰ کی افراط و تفریط اور غلو کی برائیاں قرآن پاک میں ظاہر کیں اسکا منشا یہ ہے کہ اسلام کے متبعین تعصب جنبہ داری اور تنگخیالی سے دور ہو کر حق پسندی اختیار کریں اور صراط مستقیم پر قلب سلیم کے اشاروں پر چلیں۔ ہم کو چاہیئے کہ اہل کتاب کی طرح جنہوں نے اپنے رہبین اور احبار کو بمنزلہ خدا سمجھ لیا تھا اپنے رواۃ کو معصوم نہ سمجھیں اور انکی شخصیت سے مرعوب نہوں اور فرقہ پرستی سے خالی الذہن ہو کر نورِ فراست سے واقعات کو دیکھیں اور پھر ان سے متاثر ہو کر سرگرم عمل ہوں ؎

تو عطیٰ دانی و بوبکر اے پسر وز خدا و عقل و جانی بیخبر
ہمچو ایشاں جاں فشاندن پیشہ گیر یا خموش و ترک ایں اندیشہ گیر (عطار)

دو روایتیں اگرچہ راویوں کے متناقض بیانات نے آنحضرتؐ کے زمانہ علالت کے واقعات کی ترتیب کو سخت پیچیدہ کرکے مبہم کر دیا ہے لیکن اسقدر بالاتفاق ثابت ہے کہ آپ تقریباً دو ہفتہ علیل رہے اور اس مدت میں دو واقعے خاص طور سے قابل غور ہیں اول جیش اُسامہ۔ دوسرے حدیث قرطاس۔ جن کو ہم علیحدہ علیحدہ بیشتر امامہ

ذکر کرتے ہیں ۔

اوّل۔ جیش اُسامہؓ :-

اس کے متعلق ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ کس طرح آنحضرتؐ نے دوران علالت میں رومی خطرہ کے انسداد کے لئے حضرت اسامہ بن زید کی سرداری میں تین ہزار مسلمانوں کا ایک لشکر جسمیں سات سو مہاجرین اور انصار شامل تھے تیار کیا۔ اس فوج کے ساتھ اکابر صحابہ حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ و ابو عبیدہؓ بن الجراح وغیرہم کو بھی روانگی کا حکم ملا۔ چنانچہ حضرت اسامہ لشکر اسلام لیکر مدینے سے ایک فرسخ باہر مقام جرف میں اُترے۔ لیکن رسول اللہ کی اشتداد مرض کی خبر سنکر بیچین ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوے۔ اتوار کا دن تھا جسکے دوسرے روز آفتاب سالت غروب ہوا ہے۔ ابن اسحٰق لکھتے ہیں کہ

> اُسامہ کا بیان ہے کہ جب میں خدمت پاک میں حاضر ہوا حضور کو طاقت تکلم نہ تھی۔ دست مبارک آسمان کی طرف اُٹھا کر میرے اوپر رکھتے تھے۔ میں سمجھا آپ میرے واسطے دعا فرما رہے ہیں[۱]

اس موثر واقعہ پر جو حاشیے تعصب اور غلو نے چڑھاے ہیں وہ کس قدر افسوسناک ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے جیش اسامہ سے تخلف کیا۔ مگر یہ خیال نہیں ہوتا کہ رفیق غار رسول اللہ کو اس حالت میں دیکھتا ہے پھر خود

---

[۱] ابن ہشام جزو ثالث صفحہ ۶۴

سردار فوج روانگی ملتوی کرتا ہے۔ اس صورت میں تخلف کا الزام کیسے قائم ہوسکتا ہے۔ یہی وہ شیدائے رسول ہے جو جیش اسامہ کو وفات رسالتمآب کے بعد ہی باوجود لوگوں کی مخالفت اور فتنہ ارتداد کے باعث مدینہ اور اہل اسلام کی نازک حالت ہوجانے کے لشکر کو یوں رخصت کرتا ہے :۔

"اس خدا کی قسم جس کی قبضہ قدرت میں ابوبکر کی جان ہے اگر میں طعمہ سباع بھی ہوجاؤں تب بھی لشکر اسامہ کو حکم رسول کے مطابق روانہ کرونگا" (طبری جلد سوم صفحہ ۲۱۲)

دوم حدیث قرطاس

یہ حدیث صحیح بخاری میں کتاب العلم باب الکتابۃ۔ کتاب الجہاد۔ باب جوائز الوفد کتاب المغازی باب مرض النبی۔ کتاب الاعتصام باب کراہتہ الاختلاف کتاب الجزیہ باب اخراج الیہود۔ کتاب المرضی باب قول المریض میں متعدد طرق سے مذکور ہے اور صحیح مسلم میں باب ترک الوصیۃ میں تین طریقوں سے لیکن صحیحین کی تالیف سے پیشتر ابن سعد نے طبقات میں ان سب طریقوں کو اور ان کے علاوہ بھی سب ایک جا جمع کردئے ہیں۔ (دیکھو طبقات جزو الثانی قسم الثانی ص۳۶)

صحیحین میں یہ حدیث حضرت عبداللہ ابن عباس سے سعید ابن جبیر اور عبید اللہ بن عبداللہ بن عقبہ نے روایت کی ہے لیکن طبقات میں ابن سعد نے حضرت ابن عباس سے سعید اور عبید اللہ کے علاوہ عکرمہ سے بھی روایت کی ہے

حدیث قرطاس ابتدا ہی سے اسلام کے مختلف فرقوں میں ما بہ النزاع ہو کر اختلاف عقائد کی بنیاد بن گئی ہے جسکے باعث دوراز کار بحثوں میں پھنس کر نہ ٹھنڈے دل سے غور ہوتا ہے اور نہ خالص تاریخی حیثیت سے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

صاحب فتح الباری اِس حدیث کے صحت پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں۔ ہمارے زمانہ کے ابن خلدون یعنی علامہ شبلی مرحوم الفاروق میں یہاں تک لکھ گئے کہ بجز ابن عباسؓ کے اور کسی صحابی سے یہ روایت مروی نہیں حالانکہ طبقات ابن سعد میں یہ حدیث حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاری۔ حضرت علی مرتضیٰ اور خود حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے!

ذیل میں ہم اس حدیث کو صحیحین اور طبقات ابن سعد کے متفقہ طرق سے نقل کر کے مشرح بیان کرتے ہیں:۔

(۱)

اخبرنا حجاج بن نصیر نا	ہم سے حجاج بن نصیر نے انہوں نے
مالک بن مغول قال سمعت	مالک بن مغول نے روایت کی کہ انھوں نے
طلحۃ بن مصرف یحدث عن	طلحہ بن مصرف کو سعید بن جبیر سے حضرت
سعید بن جبیر عن ابن عباس قال	ابن عباس کو کہتے سنا کہ وہ فرماتے تھے
کان یقول یوم الخمیس وما یوم الخمیس	جمعرات کا دن اور کیسا جمعرات کا دن اور
قال وکانی انظر الی دموع ابن	سعید کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ابن

عباس علی خدہ کانھا نظام اللؤلؤ	کے وقت ابن عباس کے رخساروں پر آنسو
قال قال رسول اللہ صلعم ائتونی	موتیوں کی طرح ڈھلک رہے تھے کہتے تھے
بالکتف والدواۃ اکتب لکم کتابا	فرمایا رسول اللہ صلعم نے میرے پاس دوات
لا تضلوا بعدہ ابداً قال فقالوا انما	قلم لاؤ میں تمھیں ایک تحریر لکھدوں کہ
یھجر رسول اللہ صلعم	میرے بعد کبھی گمراہ نہو۔ یہ سنکر لوگ
طبقات ابن سعد جزو ثانی قسم ثانی ص۳۷	کہنے لگے رسول اللہ صلعم بہکی بہکی باتیں
وسلم جزو ثانی ص۷۶	کر رہے ہیں۔

(۲)

حدثنا قبیصۃ قال حدثنا ابن	ہم سے قبیصہ نے روایت کی کہ انھوں نے
عیینۃ عن سلیمان الاحول عن سعید	ابن عیینہ سے انھوں نے سلیمان الاحول
بن جبیر عن ابن عباس انہ قال	سے انھوں نے سعید بن جبیر سے انھوں نے
یوم الخمیس وما یوم الخمیس ثم بکی	ابن عباس سے روایت کی کہ ابن عباس نے
حتی خضب دمعہ الحصاء فقال	کہا کہ جمعرات اور کیسی جمعرات پھر روئے یہانتک
اشتد برسول اللہ صلعم وجعہ یوم	کہ آنسوؤں سے سنگریزے تر ہو گئے کہنے لگے
الخمیس فقال ائتونی بکتاب اکتب	اسدن رسول اللہ صلعم کو درد کی شدت ہوئی فرمایا
لکم کتابا لن تضلوا بعدہ ابداً	میرے پاس لکھنے کو لاؤ میں ایک تحریر لکھدوں
فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی	کہ تم بعد کبھی گمراہ نہو پس لوگ جھگڑنے لگے۔

تنازع فقالوا هجر رسول الله صلعم	او نبی کے پاس جھگڑنا مناسب نہیں ہے لوگ
قال دعونی فالذی انا فیہ خیر	کہنے لگے رسول اللہ بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں
مما تدعونی الیہ	پس آپ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو میں جس شوق
(بخاری کتاب الجہاد باب جوائز الوفد)	میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جسکی طرف تم
(و مسلم جزو ثانی صلا و طبقات جزو ثانی)	بلاتے ہو۔

—— (۳) ——

حدثنا ابراهیم بن موسی قال	ہمسے ابراہیم بن موسی نے انسے ہشام
اخبرنا هشام عن معمر عن الزهری	نے انسے معمر نے زہری نے انسے عبیداللہ بن عبداللہ نے
عن عبیدالله بن عبدالله عن ابن	انھوں نے ابن عباس سے روایت کی کہتے ہیں
عباس قال لما حضر النبی صلعم قال	جب نبی صلعم کی مفارقت کا وقت آیا اور گھر
وفی البیت رجال فیهم عمر بن الخطاب	میں مرد جمع تھے جنمیں عمر بن الخطاب بھی تھے
قال هلم اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ	آپنے فرمایا آؤ میں تمھیں ایک تحریر لکھدوں کہ
قال عمر ان النبی صلعم غلبہ الوجع و	میرے بعد گمراہ نہو۔ عمر کہنے لگے رسول اللہ صلعم

لہ سیرت النبی حصہ اول جلد دوم صلا فٹ نوٹ میں لکھا ہے کہ "جن صحابی نے قلم دوات لانے میں گفتگو کی بخاری میں ان کا نام نہیں" حالانکہ بخاری کی اس روایت میں حضرت عمرؓ کا نام صاف درج ہے۔ قرائن اور واقعات ثابت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ امت میں اختلاف پیدا ہوجانے سے بچتے تھے۔ انھوں نے وہی بات کہی جو رسول اللہ صلعم نے حجۃ الوداع کے موقع پر حدیث ثقلین میں بیان فرمائی تھی۔ انکی نیت صاف تھی جسکا یہ نتیجہ تھا کہ انکے عہد خلافت تک امت میں اختلاف پیدا نہوا۔ اب جب کہ جھگڑوں کے ساتھ خلافت کا نام بھی مٹ گیا تو فریقین کو چاہئے کہ کتاب اللہ پر عمل کریں اور اہل بیت سے تولا رکھیں۔

عندکم القرآن فحسبنا کتاب اللہ
واختلف اھل البیت واختصموا فمنھم
من یقول قربوا یکتب لکم
رسول اللہ صلعم کتابا لن تضلوا بعدہٗ
ومنھم من یقول ما قال عمر فلما اکثروا
اللغط والاختلاف عند النبی صلعم
قال قوموا عنی قال عبید اللہ
فکان ابن عباس یقول ان الرزیۃ
کل الرزیۃ ما حال بین رسول اللہ
صلعم وبین ان یکتب لھم ذلک الکتاب
من اختلافھم ولغطھم۔
(بخاری کتاب الاعتصام باب کراھیۃ الخلاف)
(مسلم جزو ثانی ص؁ طبقات جزو ثانی قسم ثانی ص؁)

کو درد کی شدت ہے اور تمہارے پاس قرآن
ہے پس ہمکو کتاب اللہ کافی ہے پھر گھر والوں
نے اختلاف کیا اور جھگڑا کیا بعض کہنے
لگے لکھنے کا سامان لاؤ رسول اللہ صلعم تحریر
لکھدیں جنکے بعد پھر گمراہ نہو اور بعض وہی کہتے
تھے جو عمر نے کہا پس جب آوازیں بلند ہوئیں
اور نبی صلعم کے پاس اختلاف بڑھا آپ نے فرمایا
میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ عبداللہ کہتے ہیں
کہ ابن عباس کہتے تھے کہ مصیبت پر مصیبت
یہ تھی جو حائل ہوئی رسول اللہ صلعم کے درمیان
اس چیز کے جو انکے لئے تحریر کی جاتی انکے جھگڑنے
اور آوازکے بلند کرنے کے باعث

مذکورہ بالا اقتباسات کے نمبر ۱ و ۲ میں بیان واقعہ کے وقت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا شدتِ بکا ایک تاریخی اہمیت رکھتا ہے جسکی طرف غور نہیں کیا گیا حالانکہ یہی وہ کلید ہے جس سے قفل حقیقت کھلتا ہے۔ حضرت ابن عباس کا انتقال ۶۸ھ میں بمقام طائف ہوا اور چونکہ سعید بن جبیر جنھوں نے وقت روایت ابن عباس کو اشکبار دیکھا ۴۵ھ میں پیدا ہوے اسلئے حدیث قرطاس کی سماعت کا زمانہ بارہ سے اٹھارہ سال کی عمر میں یعنی

دنیائے اسلام کی حالت سنہ ۶۰ھ سے ۶۸ھ تک

سنہ ۳۵ھ سے ۶۰ھ تک متعین ہوتا ہے۔ آؤ اب دیکھیں کہ ۶۰ھ سے ۶۸ھ تک دنیائے اسلام کی کیا حالت تھی۔

آہ! یہ وہ زمانہ تھا جسکے تصور سے قلب تھرّاتا ہے اور جگر کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔

سنہ ۶۱ھ میں جگرخوار ہند زوجہ ابوسفیان کا پوتا یزید پلید خلیفہ رسول پاک بنکر خامس آل عبا اور اسکی ذریت اطہر کو میدان کربلا میں شہید کرتا ہے اور ثقلین کی عظمت خاک و خون میں ملاتا ہے۔ پھر ۶۳ھ میں حرّہ کا ہولناک واقعہ پیش آتا ہے جس میں اسکی شامی فوجیں اس شہر کو جس نے رسول کریم کو پناہ دی تھی تاخت وتاراج کرتی ہیں اور مہاجرین و انصار کو بیدریغ قتل کرکے مستورات کی بیحرمتی اور مسجد نبوی کی توہین کرتی ہیں پھر اِسی پر اکتفا نہ کرکے یہ مسلم زبان کافر دل لشکر خونخوار عبداللہ ابن زبیرؓ کو مکہ معظمہ میں محصور کرکے بیت اللہ پر سنگباری کرتا ہے۔ پھر ۶۴ھ میں یزید کے فی النار ہوتے ہی طوائف الملوکی کا دور ہوتا ہے اور ابن طرید یعنے مروان بن الحکم جس نے حضرت عثمان کے زمانہ ہی سے فتنہ پردازی شروع کردی تھی خلیفہ وقت بن بیٹھتا ہے پھر اپنے دونوں بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو رسم کسریٰ و قیصر کے مطابق ولیعہد خلافت مقرر کرکے بیعت لیتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس کے آنکھوں کے سامنے یہ سب حوادث گزرے جنکی بنا مذہب کی آڑ میں حصول دنیائے دنی اور اسکی چندروزہ حکومت تھی۔ آپ اسی زمانہ میں سعید بن جبیر سے حدیث قرطاس باچشم تر بیان کرتے ہیں۔

تعین زمانہ کے بعد اب رسول اللہ کے ان الفاظ پر کہ دعونی فالذی انا فیہ

خیر مما تدعونی الیہ (حدیث نمبر ۲) غور کرو۔ معلوم ہوتا ہے کہ تحریر وصیت کی خواہش بعض لوگوں نے کی تھی تب آپ نے قلم دوات طلب فرمایا لیکن جب دیکھا کہ لوگ آپس میں جھگڑنے لگے تو کبیدہ خاطر ہو کر فرمایا میرے پاس سے اٹھ جاؤ اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ کون لوگ تھے جنھوں نے تحریر چاہی تھی۔

رسول اللہ سے تحریری وصیت کی خواہش

کتاب المغازی باب وفات النبی میں زہری سے منقول ہے کہ رسول اللہ کے مرض الموت کے ایام میں حضرت عباس نے حضرت علیؓ سے کہا کہ ہمارے خاندان میں مرتے وقت جو علامات نظر آتے ہیں وہ اب میں رسول اللہ کے چہرے پر دیکھتا ہوں اسلیے معلوم کرنا چاہیے کہ امر خلافت اگر ہمارے لیے ہے تو بہتر ورنہ کچھ وصیت کرالیں۔ حضرت علی نے اُن کو یہ مسکت جواب دیا۔ "واللہ میں رسول اللہ سے دریافت نہیں کرونگا۔ اگر آپ نے انکار کیا تو پھر لوگ ہمیں کیوں دینے لگے" یہ روایت ابن اسحق اور طبری نے بھی نقل کی ہے۔ اب ایک دوسری روایت پر غور کرو۔ جب وفات رسول اللہ کے بعد ہی ثقیفہ میں حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب ہوا تو ابوسفیان نے یہ سُنکر حضرت علی سے کہا یہ کیا کہ امر خلافت قبیلہ قریش کے ایک چھوٹے سے خاندان میں چلا جائے واللہ اگر تم چاہو تو میں سواروں اور پیادوں کا لشکر اُن کے مقابلہ میں کھڑا کر دوں۔ جناب مرتضیٰ نے جو جواب دیا وہ سچے شیدائیان ملک و ملت کے لیے دلیل راہ ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

"ابوسفیان تم مدتوں اسلام اور اہل اسلام کے دشمن رہے بس اب

رہنے دو۔ ہم ابوبکر کو خلافت کا اہل سمجھتے ہیں"

اس مکالمہ کے متعلق دوسری روایت بھی سن لو کہ ابوبکر کی بیعت کی خبر سنتے ہی ابوسفیان نے کہا۔ اے آل عبد مناف کیا غضب ہے کہ ابوبکر تم پر حاکم ہو وہ دونوں مستضعف (بودے) عباس و علی کہاں ہیں۔ پھر حضرت علی سے یوں خطاب کیا۔

ابوالحسن اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں تمہاری بیعت کرتا ہوں لیکن حضرت علی نے انکار کرتے ہوئے نہایت متانت سے یوں جواب دیا:۔

"واللہ تم فتنہ ڈالنا چاہتے ہو۔ ابوسفیان اسلام کو تم نے بہت ستایا بس اپنی نصیحت رہنے دو۔"

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات عباس و ابوسفیان امر خلافت کو خاندانی معاملہ سمجھ کر اس کے حصول کے فکر میں تھے اسلئے واقعہ قرطاس میں انکی طرف سے پیشقدمی قرین قیاس ہے جسکی بندش حضرت عمرؓ نے حسبنا کتاب اللہ کہکر کی تھی۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ خود رسول اللہ صلعم نے خلافت کے معاملہ میں کیا طرز عمل اختیار فرمایا تھا۔ یہ مسئلہ اسلام کے دو زبردست فرقوں سنی اور شیعہ کے مابین ابتدا سے تفرقہ انداز کشت و خون کا باعث اور تباہ کن ملت رہا ہے سنی کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے وفات سے تین روز پہلے حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کیلئے حکم دیا چنانچہ بروایت واقدی سترہ وقتوں کی نماز آپ نے پڑھائی

لے طبری جزو ثالث صفحہ ۲۰۲

اِسلئے عہدۂ خلافت حضرت ابوبکرؓ کو عطا ہوا۔ شیعہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے حجۃ الوداع میں غدیر خم پر حضرت علیؓ کو بالاعلان خلیفہ اور وصی مقرر فرمایا۔ پھر واقعۂ قرطاس کے وقت چاہتے تھے کہ تحریری وصیت بھی لکھدیں۔ لیکن لوگوں نے غل شور مچایا اور کہنے لگے رسول اللہ شدت مرض میں بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔

افسوس! فریقین کے یہ اختلاف کبھی رفع نہ ہونگے کل حزب بما لدیہم فرحون لیکن ارباب تحقیق اس نکتہ کو یاد رکھیں۔

نکتہ: نبوت کے تیرھویں سال قبائل اوس و خزرج کے چند سرداروں نے آنحضرتؐ کو اپنے شہر میں تشریف لانے کی دعوت اور دشمنان دین کے مقابلہ میں نصرت وحمایت کا عہد کیا۔ چنانچہ آپ نے تبلیغ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے وطن مالوف کو ترک کر کے مدینہ میں ہجرت فرمائی لیکن وہاں بھی کفار قریش نے چین سے بیٹھنے نہ دیا اور جنگ شروع کر دی تب آنحضرتؐ نے بحکم خداوندی حفاظت اسلام کیلئے تلوار اٹھائی اور چند سال تک خونخوار قریش۔ فتنہ پرداز یہود اور جنگجو قبائل عرب سے جنگ کا سلسلہ جاری رہا اس طور سے منصب رسالت کے ساتھ آپ کو فرائض حکومت بھی سرانجام دینا پڑے لیکن اسکے یہ معنی نہ تھے کہ آپ مدینہ کے بادشاہ ہو گئے اور یہ کہ آپ مثل بادشاہوں کے اپنی ولیعہدی کا خو فیصلہ فرمائیں۔ بحیثیت نبوت آپکا کوئی جانشین ہوسکتا ہی نہ تھا

اب ہی حکومت وہ ضمناً حاصل ہوئی تھی اور اسکا انتظام بھی ضمنی تھا، انبیا سے ماسبق کے جو خلفا تھے وہ بجائے خود نبی تھے مثلاً حضرت موسیٰ کے جانشین حضرت یوشع نبی تھے۔ حضرت داؤد کے ولیعہد حضرت سلیمان پیغمبر تھے علیٰ ہذا القیاس یہ صورت آنحضرت کے ساتھ وابستہ نہ تھی کیونکہ نبوت آپ پر ختم ہو چکی تھی۔

علاوہ اسکے آپ نے اپنی وہ پُر درد حالت جبمیں ہجرت کی تھی اور انصار کی وہ جوشیلی حمایت ونصرت کبھی فراموش نہیں فرمائی۔ اسکا اظہار ایک موقع پر یعنی غزوہ حنین میں تقسیم غنائم کے وقت جب کہ انصار رنجیدہ تھے نہایت مؤثر طریقہ پر ہوا ہے (جیسا کہ ہم غزوہ حنین میں لکھ چکے ہیں) ایسے جذبات کا اقتضا یہ تھا کہ امر خلافت میں آپ انصار کو مختار رکھیں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کی وفات کے بعد ہی سب سے پہلے انصار نے ثقیفہ میں جمع ہو کر اپنا ایک حاکم منتخب کرنا چاہا اور انکو اسکا حق بھی تھا۔ اگر واقعی رسول اللہ ص نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ مقرر فرمایا ہوتا تو جان نثار انصار سرتابی نہ کرتے اور اس موقع پر وہ آگے نہ آتے۔ اور پھر تعجب تو یہ ہے کہ مہاجرین کی طرف سے ثقیفہ میں یہ حضرت عمر نے نہ کسی اور صحابی نے زبان کھولی کہ بھائیو! یہ کیا غضب ہے، رسول اللہ ص نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ مقرر فرما دیا ہے اب یہ جدید کارروائی کیسی؟

ابن اسحق نے محمد ابن قاسم سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر نے اپنی وفات کے وقت امر خلافت میں یوں فرمایا:۔

ان استخلف فقد استخلف	اگر میں کسی کو خلیفہ بناؤں تو جو مجھ سے بہتر
من ھو خیر منی ان اترکھم فقد	تھے (ابوبکر) انھوں نے خلیفہ بنایا تھا اور اگر
ترکھم من ھو خیر منی فعرف	میں کسی کو نہ بناؤں تو جو مجھ سے بہتر تھے
الناس ان رسول اللہ صلعم لم یستخلف	(رسول اللہ) انھوں نے کسی کو نہیں بنایا اس
احدا ۔	قول سے لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ صلعم

ابن ہشام جلد ثالث ص۱۶۵ نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ نے کسی کے واسطے خلافت کی تنصیص نہیں کی آپکو وعدہ الٰہی پر پورا بھروسہ تھا حق تعالیٰ نے جس طرح قرآن پاک کی حفاظت کیلئے ارشاد فرمایا تھا

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون	بیشک ہمنے قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اسکے محافظ ہیں

اسی طرح وعدہ استخلاف مومنین صالحین کیلئے کیا تھا کما قال اللہ تعالیٰ

خلفاء راشدین وعدہ استخلاف اور اسکا کرشمہ

وعد اللہ الذین امنوا منکم	وعدہ کیا اللہ نے اُنسے جو ایمان لائے
وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی	تم میں سے اور نیکیاں کیں کہ البتہ
الارض کما استخلف الذین من	خلیفہ بنادیگا اُن کو زمین پر جیسے اُنسے
قبلھم ولیمکنن لھم دینھم	پہلے خلیفہ بنایا تھا اور محکم کردیگا دین
الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من	اُن کا جسے اُسنے پسند کیا اور البتہ
بعد خوفھم امنا یعبدوننی	بدل دیگا اُن کا خوف امن میں ،

وَلَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا وَمَنْ کَفَرَ	میری عبادت کرو اور نہ شریک کرو
بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰئِکَ هُمُ	میرے ساتھ کچھ اور جو اسکے بعد
الْفٰسِقُوْنَ	ناشکری کرے وہی فاسقوں میں

(سورۃ النور) ۷ -

یہ اسی وعدہ الٰہی کا کرشمہ تھا جو سب سے پہلے ثقیفہ میں نظر آیا دیکھو انصار کس فراخ حوصلگی اور عالی ظرفی سے مہاجرین میں سے جنکو انھوں نے اپنے شہر میں پناہ دی تھی خلیفہ قبول کر لیتے ہیں۔ پھر حضرت علیؓ شیر خدا باوجودیکہ آپکے حقوق مرجح تھے اور سردار قریش ابوسفیان اگر ارادت اور محبت کی وجہ سے نہیں تو محض خاندانی عصبیت کے لحاظ سے اسوقت آپ کی بیعت اور امداد پر آمادہ تھا ثقیفہ کی فوری اور اصول انتخاب کے لحاظ سے بیقاعدہ کارروائی کو تسلیم کر کے کمال ایثار اور کسر نفسی کا اظہار فرماتے ہیں اور اسلام میں فتنہ پیدا نہیں ہونے دیتے۔ غرضکہ یہ وعدہ الٰہی کا کرشمہ تھا جو خلفاے راشدین کے مبارک عہد میں صدق وعدل وحلم و علم کا جلوہ دکھا کر اور اسلام کی دینی اور دنیوی حکومت کو اوج کمال پر پہونچا کر ختم ہو گیا جسکے بعد آیات مذکورہ بالا میں وعید الٰہی و من کفر بعد ذٰلک فاولٰئک هم الفٰسقون کا ظہور واقعہ تحکیم سے شروع ہوا اور آل ابوسفیان پھر مروان اور آل مروان نے بوریاے خلافت کو الٹ کر مسند حکومت بچھائی۔ تب خلافت خلافت نہ رہکر کسرویت اور قیصریت میں مسخ ہو گئی۔ پھر بھی نام نہاد

وعید الٰہی کے عبرتناک نتائج

خلافت تھی جاموی۔ عباسی فاطمی اور ترکان آل عثمان کے اچھے اور برے حاکموں کے عروج وزوال کا مرقع کھینچکر آخر اس چودھویں صدی میں تقویم پارینہ بنا دگیی،

تعز من تشاء وتذل من تشاء

کس میں یہ جرأت ہے پوچھے تجھ سے جو اے بے نیاز ... دیر کیوں آباد ہے؟ کعبہ ہے ویراں کس لئے؟

رحمۃ للعالمین ذلت کی اب حد ہو چکی، ... جوش میں آتا نہیں رحمت کا عماں کس لئے؟

کفر کی ظلمت پہ گر غالب نہیں آتا ہے اب ... ملت بیضا کا ہے مہر درخشاں کس لئے؟

"انتم الاعلون" بیشک سچ ہے کچھ نہ سمجھے مگر ... شرط "ان کنتم" کی ہے اے اہل ایماں کس لئے؟

کچھ خبر بھی ہے حکومت پر جو نازاں آج ہیں ... سینۂ مسلم میں ہے محفوظ قرآں کس لئے؟

شیوۂ تسلیم ہے نواب ملت کا شعار

ورنہ پھر کہلائیں دنیا میں مسلماں کس لئے؟

آہ! یہ سب کچھ ہوا اور ہوتا رہیگا۔ سیل تاتار سے گزر گئی۔ شاخ طلا کی بہار رخصت ہو گئی۔ ممکن ہے — ثقلین کا سفینۂ نجات

"خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد"

کا منظر پھر آجائے۔ غرضکہ تاریخ اپنا سبق دہراتی رہے گی لیکن انقلاب عالم اور طوفان حوادث میں ثقلین کا سفینۂ نجات نہ ڈوبا ہے نہ ڈوبے گا

حدیث قرطاس کا کاغذی پیرہن فرقہ پرستی کے سر مارد۔ آؤ! وصیت رسول کریم کے مطابق ثقلین یعنی کتاب اللہ اور اہلبیت کی حرمت و عظمت اور اطاعت و

محبت کے انوار سے اپنے قلوب کو روشن رکھیں۔

آفتاب رسالت کا غروب ہونا

واقعہ قرطاس کے بعد یعنی شب جمعہ سے آنحضرتؐ کی حالت زیادہ غیر ہونے لگی اور تین دن تک یہی کیفیت رہی۔ ابن اسحٰق سے لکھتے ہیں کہ اتوار کو جب اسامہ بن زید لشکر اسلام کو جُرف میں چھوڑ کر رخصت کیواسطے حاضر ہوئے تو اسوقت آنحضرتؐ کو طاقت تکلم نہ تھی اسامہ کو دیکھکر آسمان کیطرف دست مبارک دعا دینے کے لئے اُٹھائے۔ دوشنبہ کو افاقۃ الموت کی حالت پیدا ہوئی۔ بخاری کتاب المغازی باب وفات النبی میں حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ

> "دوشنبہ کو حضرت ابوبکرؓ نماز صبح باجماعت پڑھا رہے تھے کہ ناگہاں آنحضرتؐ نے حجرۂ عائشہؓ کا پردہ اٹھایا اور مسلمانوں کو مشغول نماز دیکھ کر تبسم فرمایا"

غار حرا میں خدائے واحد کی عبادت کا جو پاکیزہ اور عدیم النظیر طریق آپکو غیب سے تعلیم ہوا تھا وہ ۲۳ سال کی جد وجہد کے بعد جب آپ فردوس بریں کو تشریف لے جارہے تھے کیونکر نہ جنت نگاہ ہوکر باعث مسرت ہوتا۔ اس دل خوش کن نظارہ کو دیکھنے کے بعد آپ نے پردہ چھوڑنا چاہا لیکن ضعف اسقدر تھا کہ پردہ بھی اچھی طرح سے نہ ڈال سکے[۱]۔

---

[۱] صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ ص ۱۶۷

دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا دنیا تاریک ہوتی جاتی تھی۔

آفتاب رسالت کسوف میں مبتلا تھا، کرب و بیچینی بڑھی اور بار بار غشی طاری ہونے لگی۔

سرہانے پانی کا پیالہ رکھا تھا دست مبارک اسمیں ڈالتے تھے اور منہ پر پھرا لیتے تھے۔ پھر زبان پاک سے فرماتے " لا الٰہ الا اللہ ان للموت سکرات!

آخری وصیت

آنحضرت وقت وداع قریب آیا حق اللہ اور حق العباد کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لب جاں بخش کو یوں جنبش ہوئی

الصلوٰۃ وما ملکت	نماز (کی پابندی کرو) اور لونڈی
ایمانکم	غلاموں (کا خیال رکھو)

ابن سعد حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان کعب الاحبار	کعب الاحبار عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں
قام زمن عمر فقال	جبکہ ہم بیٹھے ہوئے تھے کھڑے ہو کر
ونحن جلوس عند عمر	کہنے لگے امیر المؤمنین! رسول اللہ
امیر المومنین ما کان	صلعم کا آخری کلام کیا تھا۔ عمر
اخر ما تکلم به	نے کہا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھو۔ بولے
رسول اللہ صلعم فقال	وہ کہاں ہیں۔ کہا وہ بیٹھے ہیں

غمر سأل عليا فقال — پس اُن سے دریافت کیا۔ علیؑ
این هو قال هوهنا فمال — نے جواب دیا۔ رسول اللہؐ نے میرے
فقال علی اسنده الی — سینہ پر تکیہ لگایا پھر سر مبارک میرے
صدری فوضع راسه علی — کندھے پر رکھا اور فرمایا "نماز،
منکبی فقال الصلٰوة — نماز" کعب بولے انبیاء کا
الصلوٰة فقال کعب — یہی آخر عہد ہوتا ہے۔ اور یہی
کذلك آخر عهد الانبیاء — انھیں حکم دیا جاتا ہے۔ اور اسی پر
وبه امروا وعلیه یبعثون — وہ قیامت میں اُٹھینگے۔

طبقات جزء ثانی قسم ثانی ص۵۱

کچھ شک نہیں کہ مذہب کی جان نماز ہے۔ مذاہبِ عالم کی تاریخ پر ایک غائر نظر ڈالو صاف نظر آئے گا کہ آداب و شعائر کے پردے میں یہی جذبہ مناجات جلوہ گر ہے جو بعد کو توہمات اور رسمیات کے پھندے میں پھنس جانے سے مسخ ہو گیا۔

یہی جذبہ تھا جس نے ہندوستان میں رگ وید کا راگ گایا لیکن بعد کو برہمنوں کے منتروں اور قربانیوں کے خون آلود وحشیانہ رسموں میں سلب ہو کر محض الفاظ کا گورکھ دھندا رہ گیا۔

یہی جذبہ تھا جس نے ایران میں گاتھا کا سرود سُنایا لیکن بعد کو موبدوں کے

زمزموں میں فقط زیر و بم ہو کر رہ گیا۔

یہی جذبہ تھا جس نے قدس کی پہاڑی میں زبور کا نغمہ گایا لیکن بعد کو کاہنوں اور راہبوں کے مزامیر میں الجھ کر رہ گیا۔

ہاں یہ وہی جذبہ ہے جو خاتم النبیین کی زبان پاک سے سارے عالم کیلئے "عماد الدین" اور "معراج المومنین"، بن گیا اور یہی آپ کی آخری وصیت تھی۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ

وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

مرقع رسالت

بجلی کی تیز روشنی میں کام کرنے سے بصارت پر جو اثر پڑتا ہے اسکو حضرت اکبر الہ آبادی نے تہذیب جدید سے تشبیہ دیتے ہوئے یوں ادا کیا ہے ع

روشنی آتی ہے اور نور چلا جاتا ہے

بیسویں صدی میں بانیان مذاہب کے ساتھ برتاؤ

یہی حالت اس بیسویں صدی میں یورپ کی علمی اور ذہنی ترقیوں کا ہے کہ اگرچہ دماغ روشن ہوگیا ہے لیکن نور قلب رخصت ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معلومات اگرچہ قارون کا خزانہ بن گئے ہیں لیکن حق پسندی خاصکر بانیان مذاہب کے حالات کے مطالعہ کے وقت کافور ہو رہی ہے۔ اس دعوی کی تائید میں ہم دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔

مثال اول

بنے سانگلے نے اس صدی کے آغاز میں علم الامراض اور علم النفس کی روشنی میں اناجیل اربعہ کا مطالعہ کرکے ایک کتاب لا فولی دے جیزس تین جلدوں میں لکھی جو تصویر اس معصوم نبی اللہ کی اس مرد کے نے کھینچی ہے اور جسکو جرمنی کے مشہور پروفیسر ڈاکیل نے اپنی کتاب جیزس میں نقل کیا اسکا ترجمہ درج ذیل ہے۔

" یسوع کا اپنی والدین کو چھوڑ کر پھرنا ایک مثال ہے اس آوارگی کی جو بلوغ کے وقت اکثر پیدا ہو جاتی ہے لوگ بعد کو کہنے لگے کہ وہ دیوانہ ہوگیا ہے (مرقس باب ۳) یسوع نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی یہ یقینی ہے کہ

آپ کی کوئی بیوی نہ تھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی رشتہ بھی نہ تھی، حقیقت میں آپ کا سارا خاندان جلد دنیا سے رخصت ہو گیا۔ انقطاع نسل کمینوں کے خاندانوں میں عام ہے۔ غالباً یوسف جو ایک ایسے ملک کا باشندہ تھا جہاں انگور کی کثرت ہے اُنکی یہ دیرینہ شرابخواری کا نتیجہ تھا۔ اس شخص کو یہ کہتے ہوئے بھی کچھ پس وپیش نہیں کہ یسوع مخرب جولیت تھے۔ اسکا یہ دعوی متی ۲۴ باب کے دوراز کار تاویل پر مبنی ہے۔ یسوع میں اتنی قوت نہ تھی کہ اپنی صلیب لے کر چلتے۔ اُنکی موت تابانی نہ تھی اور سقراط کی موت کے مقابلہ میں ادنی ہے۔ یسوع کے خیالات پر جب نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اخلاقی حیثیت سے ان میں کوئی جدت نہیں ہے بلکہ جن دھوکوں اور وہموں میں وہ مبتلا تھے اُسکا یقین ہو جاتا ہے۔" (باب ہفتم صفحہ ۲۰۶)

یہ ہیں ان مدعیان علم کی "نکتہ سنجیاں" نعوذ باللہ من ہفواتہم!

مثال دوم

ڈاکٹر مارگولیوث اکسفورڈ میں عربی کے پروفیسر تاریخ اسلام کے ماہر سمجھے جاتے ہیں اور نقادی کا یہ حال ہے کہ سر ولیم میور کی کتاب "لائف آف محمد" کو مسیحیت کی کھلی جنبہ داری قرار دے چکے ہیں لیکن جب خود سیرت نبوی پر قدیم ماخذ ابن اسحق کے حوالوں سے ایک مضمون انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن جلد ہشتم صفحہ ۸۷۰ میں لکھتے ہیں تو یوں "داد تحقیق" دیتے ہیں:۔

غزوات سرایا خاصکر سریہ نخلہ اور غزوۂ بدر کے واقعات سے آپ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ "جبار مدینہ ایک قزاق سردار تھا" غزوۂ حنین میں تقسیم غنائم کے وقت انصار کا واقعہ یوں تعبیر ہوتا ہے کہ آپ کی تقسیم سے صحابیوں کے خیالات متعلق انصاف کو تسلی نہیں ہوئی تھی"

تعدد ازدواج سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ "آپ بے روک ٹوک عیش پرست تھے اور چاہتے تھے کہ صحابہ بھی ایسی ہی خواہشات پوری کریں"

سورۂ والنجم میں تلک الغرانیق والاقصہ پڑھ کر مارگولیوث کو یہ کہتے ہوئے کچھ پس وپیش نہیں کہ "ممکن نہیں کہ کوئی عقیدہ ایسا نکلے جسکے چھوڑنے کیلیے آپ تیار نہو جائیں بشرطیکہ کوئی سیاسی غرض حاصل ہوتی ہو"

واقعہ حدیبیہ میں صلحنامہ پر صرف محمد ابن عبد اللہ لکھے جانے پر مارگولیوث نے جو نتیجہ نکالا ہے اور جیسی داد تحقیق دی ہے سننے کے قابل ہے لکھتے ہیں کہ "اپنی زندگی میں اکثر موقعوں پر آپ توحید اور اپنے دعوی رسالت کو چھوڑ دیتے تھے"

یہ ہے دروغ بافیونکا کمال سچ ہے العلم حجاب الاکبر

العلم حجاب الاکبر

مذکورہ بالا مثالوں سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ آجکل نفسانیت کا بھیڑیا تحقیق کے میمنے کی کھال اوڑھ کر کس طرح اپنا کام کر رہا ہے لیکن اسکا یہ جادو چل نہیں سکتا۔

برنارڈ شا" ہمارے زمانہ کا مشہور ادیب سچ کہتا ہے:۔

"ضمیر انسانی کے سامنے ایسی رائے کی کیا وقعت ہوسکتی ہے جو

السن، ویگنر، ٹالسٹائی، رسکن اور دیگر ہیوگو ایسے مشاہیر کو ایسے پاجیوں کے برابر کرے جنسے قید خانے اور پاگل خانے آباد ہیں۔"

ہم اس مقولہ میں یوں تصرف کرکے کہتے ہیں۔

قلب سلیم کے سامنے ایسی رائے کی کیا وقعت ہو سکتی ہے جو پیشوایان دین کو جنکے نام پر کروڑوں نفوس جان دینے کو طیار ہیں ایسے ناپاکوں کے برابر کرے جنسے اوباشی کے گلی کوچے اور سیاسی چالبازیوں کے مغربی ایوان آباد ہیں۔

حجاب ظلم کی سیہ کاریاں دیکھیں آؤ اب نور قلب کی فضا میں مرقع رسالت کا جلوہ دیکھو۔ یہ مرقع اُسوقت کھینچا گیا ہے جب نہ ابن اسحق پیدا ہوے نہ زہری۔ رسالت کا ۲۳ سالہ عہد مبارک ختم کے قریب تھا اور خاتم النبیین دین کی تکمیل کے بعد دنیا سے رخصت ہو رہا تھا۔ مشہور صحابی ابی بن کعب سے روایت ہے کہ قرآن کا حصہ جو سب سے آخر نازل ہوا وہ سورۂ توبہ کی یہ دو آخری آیتیں ہیں:۔

لقد جاءکم الآیہ کے لطائف

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ	بیشک آچکا تم ہی میں سے ایک
مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ	رسول اس پر شاق ہے کہ تم تکلیف
حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ	اٹھاؤ۔ تلاش رکھتا ہے تمہاری ایمان
رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔ فَإِن تَوَلَّوْا	والوں پر شفقت رکھنے والا مہربان پھر
فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ	اگر وہ پھر جائیں تو تو کہہ بس ہے مجھے
إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ	اللہ کسی کی بندگی نہیں سوائے اسکے

هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ — اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہی ہے
(سورہ توبہ) — صاحب عرش عظیم کا۔

رسول کا مفہوم — تشبیہ شاعری کا حسن ہے لیکن دنیائے مذہب میں اس قسم کے تشابہات گمراہی کی طرف کھینچ لیجاتے ہیں۔ دیکھو عہد عتیق کتاب ہوشع ۱۱ میں خداوند یہوواہ کہتا ہے۔ " میں اپنے فرزند اسرائیل کو مصر سے نکال لایا۔ اس رافت و رحمت خداوندی کے تصور سے حضرت مسیح یہود کو تعلیم دیتے وقت خداوند یہوواہ کو " آسمانی باپ " کہکر یاد کرتے ہیں۔ جس سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح باپ اپنے سرکش فرزند کو تادیب کے طور پر سزا دیتا ہے اسیطرح خداوند یہوواہ نے جو دنیاوی مصیبتیں یہود پر اُنکی شامت اعمال کی باعث نازل کیں وہ شفقت پدرانہ کے طور پر ہیں نہ انتقام و قہر محض اسلیے اُسی کے دامن رحمت میں چھپنا چاہیے اور اُسی سے تضرع و زاری کے ساتھ دعا مانگنا چاہیے۔ لیکن دیکھو نصاریٰ نے اس مؤثر تشبیہ کے مفہوم میں کیسی غلطی کی کہ جوش غلو میں حضرت مریم کو " مادر خداوند " اور اُس پیغمبر معصوم کو خدائے لم یلد ولم یولد کا اکلوتا بیٹا سمجھ کر پرستش کرنے لگے اور تثلیث کے قائل ہوگئے۔

لفظ رسول کے مفہوم میں بھی اقوام عالم نے اسیطرح غلطی کی اور ان قدسی نفوس کو جو مہبط وحی (جس کی تشریح ہم اس کتاب میں اوپر کر چکے ہیں) تھے صفات بشری سے بالاتر تصور کرکے خدائی کے درجہ پر پہونچا کر حلول اور اتحاد کے قائل ہوگئے۔ پھر اُنکے متعلق ایسی دور از کار روایتیں اور عجیب و غریب داستانیں مشہور ہوگئیں کہ جبکہ میں آنحضرت نے

دعوی رسالت کرکے تبلیغ دین شروع کی تو رسول کے اس غلط مفہوم کی دھن میں کفار کہنے لگے:۔

" یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا پیتا ہے۔ بازاروں میں پھرتا ہے۔ تلاش معاش میں سرگرداں ہے نہ کوئی فرشتہ اسکے ساتھ ہے نہ سونے کا محل رکھتا ہے۔ آسمان پر چڑھ کر کتاب کیوں نہیں لاتا کہ ہم پڑھیں اور ہاں جب ہم منکر ہیں تو خدا اور فرشتوں کو ہمارے مقابلہ میں کیوں نہیں لاکر کھڑا کر دیتا اور آسمان ہم پر کیوں نہیں گرا دیتا[۱]"

یہ غلط فہمیاں یہ اوہام اسوقت دفع ہوئے جب ۲۳ سال کے اندر وہی جسے وہ بشر جانکر کچھ دھیان میں نہیں لاتے تھے اُن کو فلاح دارین کی صراط مستقیم دکھاکر ترقی کے آسمان پر پہونچا دیتا ہے اُسوقت اُنکی آنکھیں کھلتی ہیں اور حقیقت سے پردہ اٹھتا ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

بیشک یہ نفس انسانی ہے جسکی ماہیت سمجھنے اور اُسکی روحانی ارتقار پر ایک غائر نظر ڈالنے سے رسالت کا مفہوم آئینہ ہوتا ہے۔ کیسے دیوتا اور انکی دیومالائیں۔ کیسے اوتار اور انکی خواب آور داستانیں، کیسا خدا کے روبرو بیٹھکر باتیں کرنیوالا اور اُسکے افسانے، کیسا ابن اللہ اور اُسکے مافوق العادۃ کرشمے یہ سب کے سب بشر تھے اور اقوام عالم کیلیے اپنے اپنے زمانوں میں رب العالمین کے سچے رسول تھے جن کا پیغام بس یہ تھا وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا

---

[۱] سورۂ بنی اسرائیل

ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت

رسول کے مفہوم سمجھانے کے بعد اب اس رسول کے مختص صفات جنکا جلوہ ۲۳ سال کی مدت رسالت میں نظر آتا رہا یوں بیان ہوتے ہیں

رسول کے مختص صفات

عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم

مذہب انسان کی فطرت میں داخل ہے اسلیے اسکے عملی اظہار کیلیے فطرت انسانی کا لحاظ چاہیے ورنہ تکلیف مالایطاق ہے کیونکہ پھر مذہب رسوم وقیود کا گورکھ دھندا اور وساوس اور اوہام کا مجموعہ بن جاتا۔ تعلیمات نبوی پر ایک غائر نظر ڈالو دیکھو مذاہب عالم کے مقابلہ میں اسلام مذہب فطرت اور دین یسر ہے، وہ فخر بنی آدم فطرت انسانی کا گہرا مبصر، اپنے ہمجنسوں اور مخلوق الٰہی کا سچا ہمدرد انسان کو ایمان کا راستہ دکھانے کیلیے سفر وحضر صلح وجنگ صحت و علالت ہر حالت میں ہمہ تن مصروف رہتا تھا اسکی رافت ورحمت نہ صرف اسکی مقدس زندگی میں یگانہ وبیگانہ سب پر مبذول رہی بلکہ ایسے اصولوں کی تعلیم میں (جن کی تشریح ہم خطبہ حجۃ الوداع میں کرچکے ہیں) جلوہ گر ہے جو اپنی ہمہ گیری اور ہر قوم اور ہر زمانے کیلیے موزوں ہونیکے سبب سے باعث رحمت ہیں۔

اصول اسلام عالم کیلیے باعث رحمت ہیں

حقیقت میں وہ ذات قدسی مومنین کیلیے رؤف اور کافہ انام کیلیے رحیم عالم وعالمیان کیلیے سراپا رحم وکرم اور ان اللہ بالناس لرؤف رحیم

کا سچا مظہر ہے ؎

مردان خدا خدا نباشند
لیکن ز خدا جدا نباشند

صدق اللّٰہ العلی العظیم وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

برحمتک یا ارحم الراحمین